



اللہ
رسول
محمد



مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ

مجاہد ختم نبوت...... غازی ختم نبوت

محمد صادق قصوری

مجاہد ملت فاؤنڈیشن، پاکستان

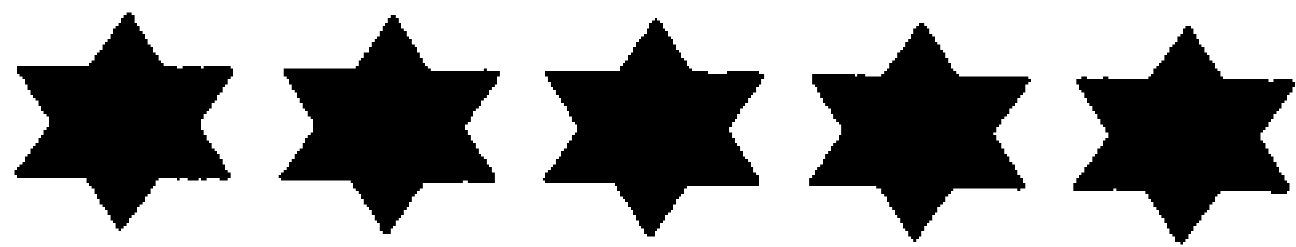
بسم اللہ الرحمن الرحیم

(عقیدۂ ختم نبوّت سے انکار وانحراف اپنے قومی وجود سے انکار ہے
اور پاکستان سے بغاوت ۔ مولانا نیازیؒ)

مولانا عبدالستار خان نیازیؒ

(مجاہدِ ختمِ نبوّت ۔۔ غازیٔ ختمِ نبوّت)

محمد صادق قصوری



مجاہدِ ملّت فاؤنڈیشن پاکستان

بیادِ عزیز

☆ضیغم اسلام مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ☆

☆زیر سرپرستی، مہر الملت پیر سیّد منور حسین شاہ صاحب جماعتی دامت برکاتہم عالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ علی پور سیّداں ضلع نارووال☆

سلسلہ اشاعت نمبر ۱۲ 84770

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"مولانا عبدالستار خان نیازیؒ (مجاہدِ ختم نبوت۔۔غازئ ختم نبوت)"

مؤلف ومرتب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محمد صادق قصوری

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔272

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک ہزار

سال طباعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فروری 2008ء

کمپوزنگ: افضال کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر تھانہ صدر روڈ قصور

0322-7179662-0492-009170

ہدیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"دعائے خیر بحق معاونین فاؤنڈیشن"

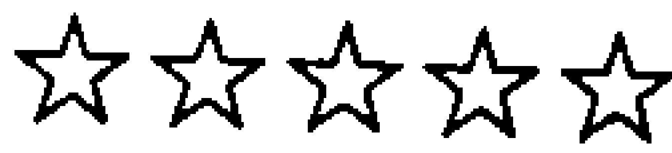
☆ضروری نوٹ: بیرونی حضرات چالیس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کریں☆ کتاب بذریعہ رجسٹری ڈاک ارسال کی جائے گی نیز بغیر ڈاک ٹکٹ کے کتاب ارسال کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجاہد ملّت فاؤنڈیشن، بُرج کلاں ضلع قصور (پاکستان)

پوسٹ کوڈ نمبر ۵۵۰۵۱۔فون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

روشنی



انتساب

۲۵۔مئی ۱۹۰۸ء کے اُن مقدس لمحات کے نام

جن میں سیّدی ومُرشدی فاتح مرزائیت حضور قبلۂ عالم امیرِ ملّت حضرت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری قدس سرّہٗ العزیز نے بادشاہی مسجد لاہور میں ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد کیا تھا:۔

''ہم نے مرزا کا بہت انتظار کیا ہے لیکن وہ سامنے نہیں آیا۔ پیشینگوئی کرنا میری عادت نہیں لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مرزا جی کا خدائی فیصلہ ہو چکا ہے، خدا کے فضل وکرم سے میرے مقابلے میں نہیں آئے گا کیونکہ میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے اور میں صدق دل سے اُس سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں، ہمیں اس جھوٹے نبی سے نجات عطا فرمائے گا''۔

جب آپ نے یہ پیشگوئی فرمائی تو ہزاروں مسلمانوں نے یک زبان ہو کر آمین کی صدائیں بلند کیں۔ یہ پیشگوئی آپ نے رات دس بجے فرمائی اور ۲۶۔مئی کو صبح دس بجکر دس منٹ پر مرزا جی آنجہانی ہو گئے۔ سچ فرمایا، مولانا رومؒ مستِ بادۂ قیوم نے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

محمد صادق قصوری

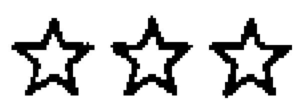
ارشادِ خداوندی ج

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ
وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا O

(پارہ ۲۲: سورہ الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ:

(لوگو) حضرت محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (یعنی سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے) اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے (اُسے علم ہے کہ ختمِ رسالت اور ختمِ نبوت کا وقت آ گیا ہے)۔



﴿ارشاداتِ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم﴾

☆ ”بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے، جب کوئی نبی فوت ہو جاتا، تو دوسرا نبی اُس کا جانشین ہوتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“ (بخاری کتاب المناقب، باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

☆ ”میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی، لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اُس کی خوبی پر اظہارِ حیرت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی۔ تو (سنو) وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیّین ہوں (یعنی میرے آنے پر نبوّت کی عمارت مکمل ہوگئی ہے۔ اب کوئی جگہ باقی نہیں ہے، جسے پُر کرنے کے لئے کوئی نبی آئے۔)“ (بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیّین)

☆ مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے:

(الف) مجھے مختصر اور جامع بات کہنے کی خوبی عطا کی گئی ہے۔

(ب) رُعب کے ذریعے مجھے نصرت بخشی گئی (یعنی بڑے سے بڑا آدمی بھی مجھ سے مرعوب ہو جاتا ہے۔

(ج) میری اُمّت پر غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔

(د) میرے لئے تمام رُوئے زمین کو مسجد بنا دیا (یعنی میرے اُمتی ہر جگہ نماز ادا کر سکتے ہیں)۔

(ہ) مجھے تمام دُنیا کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنایا گیا۔

(و) مجھ پر انبیاء (کے آنے) کا سلسلہ ختم کر دیا گیا (مسلم، ترمذی، ابنِ ماجہ)

☆ ”میں آخرالانبیاء ہوں اور تم سب سے آخری اُمّت ہو“۔ (ابنِ ماجہ)

☆ ”میں پیدائش میں سب سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخری ہوں“۔ (کنزالعمال)

☆ ''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس وقت آخری نبی لکھا ہوا تھا جبکہ آدم علیہ السلام گندھی ہوئی مٹی کی حالت میں تھے''۔(مشکوٰۃ)

☆ ''میں اُس شخص کا بھی رسول ہوں جس کو میں زندگی میں پالوں اور اُس شخص کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوگا۔''(کنزالعمال)

☆ ''قریب ہے میری اُمت میں تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں۔حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔(صحیح مسلم شریف)

☆/☆/☆

فرمودۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را
اُو رُسل را ختم وما اقوام را

خدمتِ ساقی گری باما گذاشت
داد مارا آخریں جامے کہ داشت

''لا نبی بعدی'' زِ احسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مُصطفیٰؐ است

(اسرار و رموز صفحہ ۱۱۸)

☆☆☆

﴿ کچھ بیاں اپنا ﴾

ستمبر ۲۰۰۴ء میں احقر کی ایک مختصری کتاب ''مجاہدِ ملت اور تحریک ختم نبوت''، مشتمل بر چھپن صفحات، منصۂ شہود پر جلوہ گرہ ہوئی تو اُس پر حضرت صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب دامت برکاتہم عالیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا نے اپنے گرانقدر ''مقدمہ'' میں ارشاد فرمایا تھا کہ:-

''زیبِ نظر کتاب مردِ قلندر مجاہدِ اعظم حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ کی تحریکِ ختمِ نبوت میں خدمات کی ہلکی سی جھلک ہے''۔

احقر نے اُسی وقت مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ لیکن اپنی علمی بے مائیگی کا احساس شدت کے ساتھ دامن گیر رہا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اُس کے آخری نبی حضور سید عالم ﷺ نے کرم فرمایا تو پیشِ خدمت کتاب تیار ہوگئی۔ یہ جو کچھ بھی ہے، آپ کے سامنے ہے۔ اس سے بہتر پیش کرنا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔

برگِ سبز است تحفۂ درویش

برادرِ محترم حضرت مولانا پروفیسر صاحبزادہ محمد الیاس اعظمی قصوری صاحب اُستاد منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت ہی فاضلانہ ''مقدمہ'' تحریر فرما کر قادیانیت کے دامِ فریب کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے، بدیں وجہ احقر کو اس سلسلہ میں کچھ مزید عرض کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ خداوند قدوس جل شانہٗ اُنہیں دین و دنیا اور آخرت میں شادکام کر رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تاجدارِ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام

محمد صادق قصوری

۱۰۔ جون ۲۰۰۷ء۔ بروز اتوار

مقدمہ

(پروفیسر محمد الیاس اعظمی قصوری منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور)

قادیانیت، اسلام کے متوازی ایک ایسی سیاسی تحریک ہے جس نے مذہبی لبادہ اوڑھ کر اور اپنے مخصوص نظریات کو مذہب کا نام دے کر انسانی معاشرے کے اندر ایک ایسا مذہبی خلفشار پیدا کیا ہے کہ اُس کے گلشنِ ایمان کی بہاروں کو چھین کر خرمنِ امن کو خاکستر کر دیا ہے۔ انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ قادیانیت کا اگر مختصر تعارف کرانا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اپنے کافرانہ اور باطل عقائد و نظریات کے پیرہن میں ملبوس اسلام دشمن سامراجی طاقتوں کا لئے پالک ہے۔ مغربی سامراج اور یورپین اقوام کے ساختہ پرداختہ اس سیاسی مذہب کا واحد مقصد اسلام دشمن طاقتوں کی سرپرستی اور وسائل کے ذریعہ سے اسلام کی بنیادوں کو منہدم کر کے دُنیا سے مسلمانوں کا خاتمہ کرنا ہے تا کہ دنیا میں عملاً باطل کا مذہبی نظام قائم ہو جائے۔

لیکن قادیانیت اور اُس کے سرپرست شاید اس حقیقت سے آگاہ نہیں تھے یا انہوں نے جان بوجھ کر اس کو پسِ نظر کر دیا کہ ملّتِ اسلامیہ کی صدیوں پر محیط تاریخ اس پر گواہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مختلف فتنے پیدا ہوئے، شورشیں ہوئیں، دُنیا کے مختلف برّاعظموں پر اسلامی اقتدار کا پھریرا صدیوں تک لہراتا رہا، انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر حوالے سے عُروج مسلمانوں کی قدم بوسی کرتا رہا، پھر آپس کے اختلافات، اغیار کے پیدا کردہ فتنوں، تخت نشینی کی جنگوں کے نتیجہ میں زوال و پستی میں بھی گرے، مسلمانوں کو اقتدار سے محروم بھی کیا گیا، اُن کا نظامِ تعلیم چھین لیا گیا، نظام عدلیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، مسلمانوں کے علمی خزانوں کو لُوٹ کر مغرب کی تاریکی کو نورِ علم سے روشن کر دیا گیا، جو علمی موتی مغرب کی لائبریوں میں نہ لے جا سکے، اُن کو نذرِ آتش یا پھر دریاؤں اور سمندروں کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔ غرض یہ کہ مُسلم اُمّہ نے اپنی قومی وملّی، دینی ومذہبی، سیاسی وسماجی اور تہذیبی وتمدنی زندگی میں ہزاروں نشیب وفراز دیکھے۔ عروج وزوال کی اس داستانِ ہوشرُبا میں مسلمانوں نے بہت کچھ کھویا ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود اُن کے پہلو میں تڑپنے والے دل میں اپنے رسول حضور سیّدِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس واطہر کے ساتھ غیر متزلزل، غیر مشروط اور لاشریک محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ اور ایمان ایک ایسی سرمدی دولت اور ابدی ثروت ہے کہ جس میں کبھی اِن کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ دینوی اور سیاسی حالات سے مجبور ہو کر یا اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے مفادات کے سودے بھی ہوئے مگر دولتِ ایمان اور عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دینوی مفادات کے حصول کا سودا کرنے کے داغ سے اِس امت کا دامن ہمیشہ بچا رہا ہے۔ اس امت نے یا اس کے سیاسی زعماء نے ہوسکتا ہے، تاریخ کے کسی مرحلے پر عہد شکنی کی ہوگی، وقتی مصلحتوں اور عارضی مفادات کے سحر میں کھو کر عہدِ وفا نبھانے کی بجائے بے وفائیاں بھی کی ہوں گی مگر اِن سب اُمور کے درست ہونے کے باوجود اِس قوم نے، مسلمانوں نے اپنے محبوب نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہدِ محبت کرنے کے بعد کبھی آپ ﷺ کی زلفوں سے بے وفائی نہیں کی بلکہ تاریخ کا ورق ورق اس پر گواہ ہے کہ جب بھی کسی بد بخت نے اس مرکزِ محبت کی طرف نگاہِ غلط انداز میں دیکھنے کی جسارت کی تو اُس کے اس شیطانی اور مکروہ عمل نے مسلمانوں کے دلوں کے اندر بھڑکنے والی ایمان کی چنگاری کو شعلۂ جوالہ بنا دیا جو بالآخر آتش فشاں کی صورت میں پھٹا اور اُس نے ایسے گستاخ کی زندگی کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گُل کر کے رکھ دیا۔ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیوانہ وار عشق وجنوں کی داستانہائے عزیمت سے تاریخ اسلام کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ایسے چند نمایاں تر اور اہم ترین سرفروشانِ نبوت اور شہیدانِ ناموسِ رسالت کے نام درج ذیل ہیں۔

☆ غازی علم دین شہید

☆ غازی عبدالقیوم شہید

☆ غازی مرید حسین شہید

☆ غازی میاں محمد شہید

☆ غازی عبدالرشید شہید

☆ غازی محمد اسحاق شہید

☆ غازی محمد صدیق شہید

☆ غازی محمد عامر چیمہ شہید

"سلام تم پر اے شہیدانِ رہِ وفا"

ایسی باغیرت ملّت کی اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے وفاداری کے بارے میں تردّد کا شکار رہنے والا کج فہم اور کم عقل بلکہ بے وقوف ہی ہوگا جو ملّت کو جھانسہ دینے کی کوشش کرے۔ تاریخ عالم کے کوتاہ بینوں میں سے ایک مرزا غلام قادیانی بھی تھا جس نے اپنے برطانوی آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی ہوائے نفس کی پیروی کی۔ اُس نے ملّتِ اسلامیہ کے وجود کو پارہ پارہ کرنے کیلئے اُس کے ایمان کی آہنی بنیاد "عقیدۂ ختم نبوت" پر اپنی شیطانی سوچ کے حملے کر کے، گرانے کی مکروہ و مذموم کوشش کی مگر خسران اور ابدی لعنت اُس کا مقدر ٹھہری۔

زیرِ نظر کتاب کا موضوع چونکہ " مولانا عبدالستار خان نیازی اور تحریک تحفظ ختم نبوت" ہے، اس لئے آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ منکرینِ ختمِ نبوت کا گروہ مرزائیت کیا ہے؟ یہ کب، کیوں، کیسے اور کہاں سے وجود میں آیا، تاکہ ایک عام قاری کو صورتِ مسئلہ سمجھ کر اس کی حقیقت و اہمیت کو جاننے میں آسانی رہے اور یوں مرزائیت کا اصلی و حقیقی چہرہ بے نقاب ہو کر اُس کے سامنے آجائے۔

مرزا غلام قادیانی اور اُس کا خاندان:

مرزا غلام قادیانی نے سکھ عہد میں ہندوستان کے ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں قادیان میں حکومتِ برطانیہ کے زرخرید غلام خاندان مُغل برلاس سے تعلق رکھنے والے ایک شخص مرزا غلام مرتضیٰ کے گھر جنم لیا۔ مرزا کے سنِ پیدائش کے حوالے سے خود اُن کے خاندان اور پیروکاروں میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ خود مرزا کا اپنا بیان ہے:۔

"میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں 1857ء میں سولہ برس یا سترہویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا" (کتاب البریہ حاشیہ ص

159 ،رُوحانی خزائن 13:177 ،نظارت اشاعت ربوہ،ضیاءالاسلام پریس ربوہ سن ندارد)

یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ مرزا کے خاندان اور پیروکاروں کو مرزا کے اس بیان پر کوئی اعتماد نہیں ہے،اس لئے وہ مرزا کے مختلف سالہائے پیدائش بیان کرتے ہیں۔مثلاً مرزا کا اپنا بیٹا بشیرالدین محمود ایم اے درج ذیل سنین بیان کرتا ہے:۔

(۱) ''1836ء تا 1837ء ہوسکتا ہے''۔ (سیرت المہدی حصہ دوم ص:150 مطبوعہ قادیان 1927ء)

(۲) ایک تخمینہ کے مطابق سال ولادت 1831ء ہوسکتا ہے''۔ (سیرت المہدی حصہ سوم ص:74 مطبوعہ قادیان 1939ء)

(۳) ''بس 13۔فروری 1835ء بمطابق 14۔شوال 1250ھ بروز جمعہ والی تاریخ صحیح قرار پاتی ہے۔(سیرت المہدی حصہ سوم ص:76)

(۴) ''دیگر 1833ء یا 1834ء کو سال ولادت قرار دیتے ہیں''۔(ایضاً ص:194)

یہ تو مرزا کی پیدائش تھی۔اب ذرا اُس کی جنس بھی ملاحظہ ہو،مرزا اپنا ایک الہام یوں بیان کرتے ہیں:۔

''بابوالٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہوگیا ہے، ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے۔''

(تتمہ حقیقت الوحی،رُوحانی خزائن 22:581 مطبوعہ ضیاءالاسلام پریس ربوہ)

مرزا جی کو یہ بھی اعتراف ہے کہ وہ انثیت کے مادہ کے ساتھ پیدا ہوئے۔چنانچہ وہ ایک جگہ اپنے ساتھ (جڑواں) پیدا ہوئے والی بہن کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے، شیخ عبدالقادر کے بقول:۔

''آپ توأم پیدا ہوئے تھے اور وہ لڑکی جو آپ سے پہلے پیدا ہوئی وہ چند روز کے بعد فوت ہوگئی تھی۔اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے آپ بعض اوقات فرمایا کرتے تھے کہ میں

خیال کرتا ہوں کہ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلّی الگ کردیا"
(حیاتِ طیبہ ص:12 طبع دوم سن ندارد، مطبوعہ لاہور)

مرزا جی کی نسل:۔

کوئی بھی انسان بیک وقت ایک نسل سے تعلق رکھ سکتا ہے۔مگر پوری انسانی تاریخ میں صرف مرزا غلام قادیانی ہے جس نے بیک وقت متعدد نسلوں سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔
مرزا کی نسل سے متعلق اُن کے اپنے اقوال ملاحظہ ہوں:۔

میرا نام غلام احمد، میرے والد کا نام غلام مرتضٰی اوردادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پڑدادا کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ہماری قوم مُغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پُرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں،معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے"۔(کتاب البریہ ص134،روحانی خزائن 13 ص:63-162 مطبوعہ ربوہ)

فارسی نسل:۔ میری الہامات کی رُو سے ہمارے آباءاوّلین فارسی تھے۔

(ایضاً حاشیہ 135،روحانی خزائن:163)

اسرائیلی اور فاطمی:۔ ''میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی''(ایک غلطی کا ازالہ مشمولہ روحانی خزائن جلد 18 مطبوعہ ربوہ سن ندارد)

بنی فاطمہ:۔ ''بنی فاطمہ میں سے ہوں،میری بعض دادیاں مشہوراور صحیح النسب سادات میں سے تھیں''(نزول المسیح حاشیہ روحانی خزائن جلد 18 ص426 ضیاءالاسلام پریس ربوہ)

ہم صرف اِن چند نسلوں کے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں ورنہ مرزا جی نے اور بھی بہت سی نسلوں میں سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔اُن سب کا ذکر کرنا تضیع وقت اوراسراف قرطاس ہے۔البتہ جواُس نے اپنی حقیقت بیان کی ہے وہ ملاحظہ ہو:۔

مرزا جی کی حقیقت:۔ مرزا جی ایک شعر میں اپنی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
(درِثمین ص 94، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور 1951ء)

مرزا قادیانی اپنے کردار کے آئینے میں:۔

مرزا غلام قادیانی اپنی زندگی اور ذاتی کردار کے اعتبار سے ایک ایسی شخصیت ہے کہ جس کو نسلِ انسانی میں شمار کرنا بھی انسانیت کی توہین ہے۔ وہ عملی اعتبار سے بداخلاق، فحش گو، افیونی اور شراب کا رسیا، زانی اور بدکار، انسان نما بہروپیا تھا جس نے اپنے بدن پر مختلف خول چڑھا رکھے تھے۔ صرف ایک حوالہ ملاحظہ ہو:۔

''حضرت مسیح موعود ولی اللہ تھے اور ولی اللہ بھی کبھی کبھی زنا کرلیا کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کرلیا تو اس میں حرج کیا ہوا۔ پھر لکھا ہے ہمیں حضرت مسیح موعود پر اعتراض نہیں کیونکہ وہ کبھی کبھار زنا کیا کرتے تھے۔ ہمیں تو اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے''۔ (روزنامہ ''الفضل'' قادیان دارالامان اگست 31، 1938ء بحوالہ: ''ثبوت حاضر ہیں''۔ متین خالد، ص 506)

مرزا جی کا ذوق شاعری:۔

یہ ایک عام اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ ''ظرف میں جو ہوگا ٹپکے گا وہی''، مرزا جی کے ذاتی کردار کے حوالے سے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مرزا کا صرف ظاہری کردار ہی قابلِ نفرت نہ تھا بلکہ اُن کا اندر بھی بدباطنی کا شاہکار تھا۔ اُن کی سوچ اور فکر وخیال میں ہی بدخُلقی اور شقاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی نثر اور نظم دونوں میں اپنی بداخلاقی کے خوب مظاہرے کیے ہیں۔ ذیل میں اُن کے چند اشعار درج کیے جارہے ہیں۔ آپ اُنہیں پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ آیا یہ کسی شریف طبع انسان کا کلام ہوسکتا ہے۔ چہ جائیکہ رُوحانی مراتب کے مدعی کا۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

چپکے چپکے حرام کروانا — آریوں کا اصول بھاری ہے
نام اولاد کے حصول کا ہے — ساری شہوت کی بے قراری ہے
بیٹا بیٹا پکارتی ہے غلط — یار کی اُس کو آہ وزاری ہے
دس سے کرواچکی ہے زنالیکن — پاک دامن ابھی بے چاری ہے
زنِ بیگانہ پر یہ شیدا ہیں — جس کو دیکھو وہی شکاری ہے
بے قوق مرد کی تلاش اُنہیں — خوب جورو کی حق گزاری ہے
تاکہ کروائیں پھر اُسے گندی — پاک ہونے کی انتظاری ہے

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد نمبر 10 ص 75۔76 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ سن ندارد)

مرزا کی عاشقانہ شاعری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا
ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے

کچھ مزا پایا مرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے
تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے
مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے

اُس کے جانے سے صبر دل سے گیا
ہوش بھی ورطۂ عدم میں پڑے

ایک اور نمونہ دیکھئے

نہیں منظور تھی گر تم کو اُلفت — تو یہ مجھ کو جتلایا تو ہوتا
مری دل سوزیوں سے بے خبر ہو — مرا کچھ بھید بھی پایا تو ہوتا
دل اپنا اُس کو دُوں یا ہوش یا جاں — کوئی اک حکم فرمایا تو ہوتا

(سیرت المہدی، حصہ اول ص:232-233)

مرزا غلام قادیانی ایک چلتا پھرتا ہسپتال :۔

ذہنی وفکری اور بد اعمالی کی بیماریوں کے علاوہ جسمانی وبدنی طور پر بھی مرزا غلام قادیانی کو اتنی کثیر بیماریاں لاحق تھیں گویا کہ وہ ایک چلتا پھرتا ہسپتال تھا۔تفصیلات میں جائے بغیر مرزا کی بیماریوں کی ایک مختصر فہرست مع حوالہ ملاحظہ ہو:

(۱) کمزوری نامردی (تریاق القلوب ص ۷۵۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ ص:۲۰۳)
(۲) ذیابطیس (شوگر) (ایضاً)
(۳) تشنج قلب (ایضاً)
(۴) سردرد (اربعین نمبر 3،4 ص:4)
(۵) کم خوابی (اربعین نمبر 3،4 ص:4)
(۶) کثرتِ پیشاب (اربعین نمبر 3،4 ص:4)
(۷) لُکنت (سیرت المہدی جلد دوم ص:25)
(۸) داڑھوں کا کیڑا (سیرت المہدی جلد دوم ص:125)
(۹) مالی اولیا (سیرت المہدی جلد سوم ص:119)
(۱۰) مراق (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۱) اینیمیا (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۲) ہسٹریا (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۳) بدہضمی (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۴) چکر آنا (دوران سر) (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۵) ہاتھ پاؤں کا سرد ہو جانا (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۶) گھبراہٹ کا دورہ (سیرت المہدی جلد دوم ص:55)
(۱۷) حافظہ کی کمزوری (مکتوبات احمدیہ جلد نمبر 5 ص:21)

یہ ذہنی فکری اور جسمانی بیماریوں کا معجون مرکب مرزا غلام قادیانی جس نے برطانوی

دورِ حکومت میں حاکمِ وقت تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایہ حضورِ ختمی مرتبت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجِ ختمِ نبوّت کو چُرانے کی ابلیسی کوشش کی۔ مرزا جی نے مختلف اور متضاد دعوے کر کے قصرِ اسلام میں دراڑیں ڈالنے کا مکروہ حربہ استعمال کیا۔ مسلمانوں کے قلوب و بواطن سے دولتِ ایمان چھیننے کی کوشش کی۔ لیکن یہ حضور پُرنور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیّتِ نبوّت و رسالت کی حقانیّت تھی کہ جونہی مرزا غلام قادیانی نے اپنے مذموم اور مکروہ عزائم کا اظہار کرنا شروع کیا تو اس کے ساتھ ہی علمائے اسلام اور عوام مسلمین نے اُس کا ہر میدان میں ایسا تعاقب کیا کہ زمین اُس کے لئے تنگ ہوگئی۔

مرزا کے مذہبی ارتداد و کُفریہ دعاوی کے بیان سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی کے لٹریچر کی صورت میں قادیانی برطانوی محبتوں، مودّتوں اور وفاؤں کا ایک مختصر جائزہ لے لیا جائے تا کہ اُس کا مذہبی پسِ منظر اور تاجِ برطانیہ کی فدویانہ خدمت گزاریوں کا ایک نقشہ قاری کے سامنے آجائے اور یوں اس کی شخصیت کا کوئی بھی پہلو کسی کی نظروں سے اوجھل نہ رہے۔

حکومتِ برطانیہ اور مرزا غلام قادیانی:۔

متحدہ ہندوستان میں برطانوی حکومت اور مرزائیت، اُن کے خاندان پر انگریز بہادر کی نوازشات اور انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے مرزا اور اُس کی جماعت کی خدمات ایک ایسا موضوع ہے جس پر بحث کرنے کیلئے ایک مقالہ نہیں بلکہ کئی دفتر درکار ہیں۔ یہاں اُن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ لہذا چند جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں جن کو دیکھ کر اہلِ عقل و دانش خود اندازہ لگالیں گے کہ ان دونوں دشمنانِ اسلام کی آپس میں محبت کا عالم کیا تھا اور یہ کہ مرزا جی نے کس کس طرح نمک حلالی کرتے ہوئے حقِ غلامی ادا کیا ہے۔

عالمِ مغرب اور یورپین لوگوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ پوری دنیا پر حکومت قائم کرلیں۔ اس لئے اُن کی یہ پالیسی ہے، ''لڑاؤ اور حکومت کرو''۔ جس کی ماضی اور حال میں بھی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ 1857ء میں برصغیر میں مسلمانوں سے اقتدار چھین لینے کے بعد یہاں بھی اُنہوں نے یہی پالیسی اختیار کی اور بڑی کامیابی کے ساتھ اِس پر عمل کیا۔

ہندوستان چونکہ اقوام و مذاہب کا ایک گھنا جنگل ہے جس میں دنیا کا ہر مذہب اور اُس کے پیروکار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب برطانوی سامراج نے اپنے پنجے یہاں جما لیے تو اب اُس نے اپنے جبری اقتدار کو مضبوط کرنے کیلئے یہاں ایک طرف تو مختلف قوموں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑایا۔ چنانچہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مقابلہ پر تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کے اندر اُس نے اپنے زرخرید اور تابع مہمل لوگوں کے ذریعے نئے نئے فتنے کھڑے کئے، نئے نئے فرقوں کو وجود میں لایا۔ جنہوں نے مسلمہ عقائدِ اسلامیہ سے ہٹ کر قرآن وحدیث اور اسلافِ امّت سے الگ نئے نئے عقیدوں کو وضع کیا۔ امّت کے مسلمہ اور مجمع علیہ عقائد پر کفر و شرک کی پھبتی کسی۔ مقام نبوّت اور شانِ رسالت کے حوالے سے جرأت کی گئی اور نبی علیہ السلام کو بڑا بھائی قرار دیا جانے لگا، علم نبوّت کو جانوروں اور چوپاؤں سے تشبیہ دے کر خاصۂ نبوّت علمِ غیب کا انکار کیا گیا۔ نسبت و تعظیم اولیاء کو شرک قرار دیا جانے لگا۔ کوئی معجزاتِ نبوّت کا منکر تھا تو کوئی سنّتِ رسول علیہ السلام کی آئینی اور تشریحی و تشریعی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ حضور پُر نور شافع یوم النشور امام الاولین و آلاخرین سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت کے حوالے سے بعض نامی گرامی اور جبّہ و دستار میں ملبوس لوگوں نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ درج ذیل خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ کہا گیا:۔

''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابقین کے بعد ہے اور آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدیم یا تاخیر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر اس مقام پر ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا، اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے''؟

اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے''۔

''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدیہ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس 3-13-23)

''بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مجرّد کسی نبی کا آنا محال نہیں ہے بلکہ نبیؐ

شریعت والا البتہ ممتنع ہے''۔(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس:16 بحوالہ سازشوں کا دیباچہ)

مرزا غلام قادیانی جس نے اسی سوچ اور فکر کے ماحول میں آنکھ کھولی اور تربیت پائی تھی اُس نے اپنے نسبی اور فکری آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انگریزی حکومت کے استحکام کیلئے عملی کوششیں کیں اور دوسری طرف فکری آباؤ اجداد (اساتذہ جو بدعتی، نو پیدا شدہ فرقوں سے تعلق رکھتے تھے) کی پیروی کرتے ہوئے مسلمہ عقائد اسلامیہ کے اندر رخنہ اندازی کا مکروہ دھندا سر انجام دیا۔

مرزا غلام قادیانی نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے سب سے پہلے انگریز اور اُس کی حکومت کے خلاف جہاد کو حرام قرار دیا تاکہ مسلمانانِ ہند جو علماؤ مشائخ کی قیادت میں انگریز کے غاصبانہ اقتدار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہادتوں کی انمٹ تاریخ مرتب کر رہے تھے، اُس کو ختم کر دیا جائے۔ مرزا نے جہاد کو حرام اور مجاہدین کو فسادی اور باغی قرار دیا۔ اُس نے اپنے عقیدہ وخیال کا اشتہارات اور کتابوں کے ذریعہ خوب پرچار کیا۔ جیسا کہ خود مرزا کا اپنا بیان ہے:۔

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں اِن سے بھر سکتی ہیں اور میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی کی بے اصل روائتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں''۔

(تریاق القلوب ص27-28، رُوحانی خزائن جلد 15۔ص155-156 مطبوعہ ربوہ سن ندارد)

جہاد کو حرام قرار دینے کے علاوہ مرزا نے انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اُن کی حکومت کو رحمت اور خود کو اُس کیلئے پناہ اور تعویذ قرار دیا:۔

84770

''سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں اِن خونخوار دشمنوں سے بچاتے

ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کیے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لئے ایک رحمت ہے، تمہارے لئے برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے، پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو"۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 ص:584 مطبوعہ الشرکت الاسلامیہ ربوہ)

ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو کہ مرزا گورنمنٹ برطانیہ کو اپنی وفاداری اور اطاعت کیشی کا یقین دلاتے ہوئے رقمطراز ہے:

"پس میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں ان خدمات میں یکتا ہوں اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اِن تائیدات میں یگانہ ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کیلئے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ کے ہوں جو آفتوں سے بچاوے۔ اور خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ خدا ایسا نہیں کہ اُن کو دکھ پہنچاوے اور تو اُن میں ہو۔ بس اس گورنمنٹ کی خیرخواہی اور مدد میں کوئی دوسرا شخص میری نظیر اور مثیل نہیں اور عنقریب یہ گورنمنٹ جان لے گی، اگر مردم شناسی کا اس میں مادہ ہے"۔ (نور الحق حصہ اول ص44-45 مشمولہ روحانی خزائن جلد ۸ ص:44-45 مطبوعہ لاہور 1311ھ باراول)

مرزا کا مذہب:۔

انگریز کی دشمنِ اسلام حکومت سے محبت اور اُس کی اطاعت کرنا مرزا غلام قادیانی کے خودساختہ مذہب کا ایک لازمی مقصد اور بنیادی جُز تھا، جیسا کہ اُس کا اپنا بیان ہے، ملاحظہ ہو:

"سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں، ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں، دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو۔ جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو، سو وہ سلطنتِ برطانیہ ہے" (شہادت القرآن، روحانی خزائن جلد 6 ص:380 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ سن ندارد)

انگریز سے یہ غیر مشروط وفاداری مرزا کو ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ وہ اس امر کا اعتراف

کرتے ہوئے اپنی مختلف کتابوں میں لکھتا ہے:۔

''سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار اور جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اِس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکّام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا''۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص: 21، مرزا قادیانی اشتہار نمبر 187 شائع کردہ نظارتِ اشاعت ربوہ)

جہاد حرام ہے:۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ مرزا نے برطانوی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے، اُسے مستحکم کرنے اور مسلمانوں کے اندر سے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کو ختم کرنے کیلئے جہادِ اسلامی کو حرام قرار دیا اور لکھا کہ:۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے — دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(تحفہ گولڑویہ: روحانی خزائن جلد نمبر 17 ص: 77 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ سن ندارد)

حرامی اور بدکار آدمی:۔

مرزا غلام قادیانی مجاہدینِ اسلام کو بدکار اور حرامی قرار دیتے ہوئے ایک جگہ پر لکھتا ہے:۔

''بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے کہ یہ سوال اُن کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا عین فرض اور واجب ہے، اُس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے''۔ (شہادت القرآن، رُوحانی خزائن جلد نمبر 6 ص:380 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ سن ندارد)

انگریز کی چاپلوسی:۔

مرزا جی نے جس انداز سے برطانوی عہد میں انگریز حکمرانوں اور ملکہ برطانیہ وکٹوریہ کی خوشامد کی ہے، اُس پر اگر اُسے خوشامد اور چاپلوسی کا ''بے تاج بادشاہ'' کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں ہوگی۔ ذیل میں صرف چند ضروری اقتباسات مع حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں، ورنہ مرزا کی کتابوں میں انگریز کی خوشامدانہ تحریرات، اقتباسات کو اگر جمع کیا جائے تو پورا ایک دفتر تیار ہو جائے اور پھر یہ تضیع اوقات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ اس لئے صرف پانچ اقتباسات بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔

حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست:۔

مرزا جی برطانوی حکمرانوں کے نام ایک درخواست میں لکھتے ہیں:۔

''جبکہ ہماری مُحسنہ گورنمنٹ ہر ایک طبقہ اور درجہ کے انسانوں کی بلکہ غریب سے غریب اور عاجز سے عاجز خدا کے بندوں کی ہمدردی کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ اس ملک کے پرندوں، چرندوں اور بے زبان مویشیوں کے بچاؤ کیلئے بھی اس کے عدل گستر قوانین موجود ہیں اور ہر ایک قوم اور فرقہ کو مساوی آنکھ سے دیکھ کر اُن کی حق رسی میں مشغول ہے تو اس انصاف اور دادگستری اور عدل پرستی کی خصلت پر نظر کر کے یہ عاجز بھی اپنی ایک تکلیف کے دفع کیلئے حضور گورنمنٹ عالیہ میں یہ عاجزانہ عریضہ پیش کرتا ہے اور پہلے اس سے کہ اصل مقصود کو ظاہر کیا جائے، اس محسن اور قدر شناس گورنمنٹ کی خدمت میں اس قدر بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ یہ

عاجز گورنمنٹ کے اس قدیم خیر خواہ خاندان میں سے ہے جس کی خیر خواہی کا گورنمنٹ کے عالی مرتبہ حکام نے اعتراف کیا ہے اور اپنی چٹھیوں سے گواہی دی ہے کہ وہ خاندان ابتدائی انگریزی علمداری سے آج تک خیر خواہی گورنمنٹ عالیہ میں برابر سرگرم رہا ہے۔ میرے والد مرحوم مرزا غلام مرتضٰی اس محسن گورنمنٹ کے ایسے مشہور خیر خواہ تھے اور دلی جان نثار تھے کہ وہ تمام حکام جو ان کے وقت میں اس ضلع میں آئے، سب کے سب اس بات کے گواہ ہیں"۔

مُسلمانوں کا فرض:۔ آگے بڑھتے ہوئے مرزا جی لکھتے ہیں

"بیس برس کی مدت سے میں اپنے دلی جوش سے ایسی کتابیں زبان فارسی، عربی، اردو اور انگریزی میں شائع کر رہا ہوں جن میں بار بار یہ لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے، جس کے ترک سے وہ خدا تعالیٰ کے گنہگار ہوں گے کہ اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ اور دلی جان نثار ہو جائیں اور جہاد اور خونی مہدی کے انتظار وغیرہ کے بے ہودہ خیالات سے جو قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتے، دست بردار ہو جائیں اور اگر وہ اس غلطی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو کم از کم یہ اُن کا فرض ہے کہ اس گورنمنٹ مُحسنہ کے ناشکر گزار نہ بنیں اور نمک حرامی سے خدا کے گنہگار نہ ٹھہریں۔"

(تریاق القلوب، ص 360 رُوحانی خزائن جلد 15 ص:488
مطبوعہ نظارتِ اشاعت ضیاءالاسلام پریس ربوہ)

مزید ملاحظہ ہو:۔

"سو مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا ہے یہی کہ حکمتِ عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا ہے اور دعوے سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اوّل درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اوّل درجہ کا بنا دیا ہے۔ اوّل: والد مرحوم کے اثر نے، دوم: اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے، سوم: خدا تعالیٰ کے الہام نے"۔ (تریاق القلوب ص 491)

غرض یہ کہ مرزا غلام قادیانی نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ انگریز کی غلامی اور

وفاداری میں گزار کر خوب حقِ نمک ادا کیا۔ انگریزی حکومت کی وفاداری ہی اس کا مقصد زندگی تھا جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے:۔

''دوسرا امر قابلِ گزارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر کو پہنچا ہوں، اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور اُن کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دُور کروں جو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں''۔(اشتہار گورنمنٹ کی توجہ کے لائق مشمولہ شہادۃ القرآن از مرزا قادیانی، روحانی خزائن، جلد6)

مرزائیت کے اس سیاسی پسِ منظر کے بعد اب ذرا اُس کے مذہبی عقائد ونظریات اور رجحانات پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں اور اس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا اس شخص کو مسلمان اور اس کی تحریک یا جماعت کو اسلامی جماعت قرار دیا جا سکتا ہے؟

مرزا غلام قادیانی کے مذہبی عقائد:۔

جھوٹے مدعیانِ نبوّت کا آغاز اگرچہ زمانۂ نبوّت میں ہی ہو گیا تھا اور پھر عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی ایسے سیاہ باطن ظاہر ہوتے رہے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں کو جو نقصان مرزا قادیانی نے پہنچایا ہے وہ کسی اور نے نہیں پہنچایا۔ مرزا کی فریب کاری ملاحظہ ہو کہ اُس نے جو بھی شیطانی چال چلی اُس کو ''الہامِ الٰہی'' کی مقدس اصطلاح کے پردے میں لپیٹ کر رُوحانیت کے ملمع کے ساتھ پیش کیا جس سے سادہ لوح مسلمان دھوکہ کھا کر اُس کے دامِ تزویز میں پھنس گئے۔ یوں جب اُس نے حواریوں کا ایک اچھا خاصا گروپ اپنے اردگرد اکٹھا کر لیا تو اب اُس نے اسلام کے مسلمہ عقائد ونظریات اور ملّتِ اسلامیہ کے مجمع الیہ عقائد ونظریات سے بغاوت کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے جھوٹے دعوؤں کے ذریعہ من گھڑت اور کفریہ وارتدادیہ نظریات اور خیالات کی اشاعت شروع کر دی۔ اس طرح اُس نے براہِ راست انگریزی اقتدار کی چھتری کے نیچے بیٹھ کر اور برطانوی حکومت کے سرمایہ کے بل بوتے پر جو قادیانی علم الکلام

ترتیب دیا، اُس کی مختصر جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔ اس لئے کہ اِن کے بغیر قادیانیت کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہے اور یہ کہ یہی وہ اُمور ہیں جن کی وجہ سے ملّتِ اسلامیہ کے اندر مرزا غلام قادیانی اور اُس کی جماعت کے اِن خیالات کے باعث سخت اضطراب پایا جاتا ہے۔

مرزا قادیانی کے کُفریہ عقائد اور ارتداد پر مبنی نظریات کو جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک سوچ یہ پائی جاتی ہے کہ مرزائی نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور یہ کہ اُن کے اخلاق بڑے اچھے ہیں وغیرہ وغیرہ تو پھر اُن کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوچ کے پیچھے اکثر اور عام طور پر قادیانی لوگوں کا وہ پروپیگنڈا ہوتا ہے جو وہ مسلمانوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کو حقوقِ انسانی کا مسئلہ بنا کر پیش کرتے ہیں تو کبھی اسے آزادیٔ اظہارِ رائے اور آزادیٔ مذہب کا مسئلہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر اُسے مولویوں کا مسئلہ بنا دیتے ہیں کہ یہ سب علماء کا کیا دھرا ہے۔ یوں وہ ایک خام ذہن اور ناپختہ سوچ کے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اپنی ناسمجھی کی بناء پر دولتِ ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ آیئے! مرزائیت کو اُس کے آئینے میں دیکھئے اور پھر انصاف کریں کہ حقیقت کیا ہے؟ مسلمان علماؤ عوام سچے ہیں یا قادیانی لوگ؟ فیصلہ ہر غیر جانبدار اور انصاف پسند انسان کے ضمیر پر چھوڑا جاتا ہے:۔

مرزا غلام قادیانی میدان میں:۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلامیانِ ہند اپنی سیاسی بالادستی کھو دینے کی وجہ سے شدید ذہنی اضطراب میں مبتلا تھے اور وہ پھر سے اپنے احیاء کے لئے کسی مردِ خدا کے منتظر تھے جو اُنہیں اس قلق اور پریشانی سے نجات دلا سکے۔ چنانچہ اس صورت حال اور مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت کو دیکھ کر مرزا کے چالاک ترین رفیق سفر حکیم نُور دین بھیروی نے اُسے دعوائے مسیحیت کرنے کا مشورہ دیا کہ اگر وہ اس طرح کریں تو وہ احیائے ملّت کا بہت بڑا کارنامہ بھی سرانجام دیں گے اور قوم بہ دل و جان اُن کا خیر مقدم بھی کرے گی۔ یوں مرزا قادیانی جو پہلے ہی ذہنی طور پر اس قسم کے انوکھے کارنامے کے لئے پَر تول رہا تھا، حکیم نور دین کے مشورے نے اُس کے ذہنی

پروگرام کے لئے مہمیز کا کام دیا اور اُنہوں نے ''تمنا مختصری ہے مگر تمہید طولانی'' کی مثل قصرِ نبوّت میں نقب زنی کے کیا کیا دعوے کئے اور کیا جتن کئے۔ اُن سب کی تفصیل میں جائے بغیر برطانوی نبی کے اس تدریجی سفر کے مختلف مراحل بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) مصلح و مجدّد (۲) مہدی (۳) مثیلِ مسیح (۴) مسیح موعود (مسیح موسوی اور مسیح محمدی) (۵) فضیلت بر مسیح (۶) دعوائے نبوّت و رسالت (صراحتاً) (۷) ظلی و بروزی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۸) عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۹) فضیلت بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

قادیانی افکار کا مختصر جائزہ:۔

مرزا قادیانی چونکہ اپنے ذہن میں ایک مکمل پروگرام رکھتا تھا، اس لئے اُس نے خانہ ساز نبوّت و رسالت کی دوکان کو چمکانے کیلئے ملّتِ اسلامیہ کے ساتھ ہر عقیدے اور ہر مسئلے میں اختلاف کیا۔ امّت کے اجماعی اعتقادات کے خلاف اپنی من پسند اور ہوس پرستانہ ذہنی رائے کا اظہار کیا اور یوں ملّت کے اندر افتراق و انتشار کو راہ دی۔

آیئے! ذیل میں بُنیادی اسلامی عقائد کے حوالے سے مرزا قادیانی کے خود ساختہ اور نوایجاد اعتقادات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

تقدیسِ رسالت کی پامالی:۔

اسلام کی تاریخ میں اگرچہ کئی بدبختوں نے دعویٰ نبوّت کیا لیکن شائد اس دلیری اور دریدہ ذہنی کے ساتھ تقدیسِ رسالت پر حملے نہیں کیے ہوں گے اور نہ چادرِ نبوّت کی عظمت کو اس طرح پامال کیا ہے جس طرح مرزا قادیانی جہنم مکانی نے کیا۔ ابلیس کے نمائندے اور مخالفین اسلام کے ایجنٹ متنبّیٔ قادیان نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ایسی ایسی رُوح فرسا تحریریں لکھیں کہ قلم تحریر میں لاتے ہوئے کانپتا ہے، دل خون کے آنسو بہاتا اور رُوح قفس سے پرواز چاہتی ہے۔ لیکن قوم و ملک اور دین و ملّت کے اس بدترین دشمن اور اس کی ذرّیت کے ان کفریہ اور الحاد پر مبنی افکار و خیالات کو اگر عامۃ الناس کے سامنے پیش نہ کیا جائے تو

غلامیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اس لئے نہ چاہتے ہوئے اور ذہن وضمیر پر بوجھ محسوس کرنے کے باوجود اس کے زہریلے قلم سے نکلی ہوئی چند عبارات نقل کی جاتی ہیں تاکہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اِن دین کے دشمنوں اور ایمان کے ڈاکوؤں سے دولتِ ایمان کو محفوظ رکھ سکیں۔

مرزا کی رُوحانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلیٰ ہے (معاذ اللہ):۔

حق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت اس زمانے (مرزا قادیانی کے زمانے) میں پہلے سے زیادی قوی، اکمل اور ارشد ہے"۔ (خطبہ الہامیہ: ۷۴ مشمولہ رُوحانی خزائن جلد 16 ص 272، ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

سب سے اونچا تخت:۔

"آسمان سے بہت سے تخت اُترے لیکن میرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا ہے۔ (حقیقت الوحی: 92 مشمولہ رُوحانی خزائن جلد 22 ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

تمام انبیاءؑ کے کمالات کا جامع:۔

"کمالاتِ متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے وہ سب کے سب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے اور اسی لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحیٰ اور عیسیٰ ہے"۔ (ملفوظاتِ احمدیہ، جلد دوم ص 201 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

آخری نبی ہونے کا دعویٰ:۔

"ہلاک ہوگئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ میں خدا کی سب راہوں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں"۔ (کشتی نوح ص 63 رُوحانی

خزائن جلد 19 ص 61 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

حرف حرف کُفر:۔

"نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ اس میں سُور کی چربی پڑتی ہے"۔ (معاذ اللہ) (اخبار الفضل قادیان 22 فروری 1924ء)

قرآن اور قادیانیّت:۔

"قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے" (معاذ اللہ) (ازالہ اوہام: ۲۸، ۲۹) مفہوماً رُوحانی خزائن جلد 3 ص 114۔ 117 مطبوعہ ربوہ)

یہ تو قرآن مجید کی توہین تھی۔ اس کے علاوہ مرزا قادیانی نے قرآن مجید میں لفظی ومعنوی دوقسم کی تحریفات بھی بڑی بے دردی کے ساتھ کیں۔ ملاحظہ کیجئے:

لفظی تحریف:۔

وجاهدوبامو الكم وانفسكم فى سبيل الله (سورہ توبہ: ۴۱)

مرزا کی تحریف کردہ: ان يـجـاهـدو فـي سبيـل الـلـه باموالهم وانفسهم (اہل اسلام اورعیسائیوں میں مباحثہ: ۹۴ مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام قادیان)

كـل مـن عـليها فان ويبقى وجه ربك (الرحمن): مرزا کی تحریف: كـل شنى فان ويبقى وجه ربك (آزالہ اوہام: ۱۳۶، مطبوعہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور)

معنوی تحریف:۔

مرزا غلام قادیانی نے قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ بالخصوص وہ آیات جو سرور عالم حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازل ہوئیں ہیں، اس کثرت کے ساتھ تحریفات کی ہیں کہ برسات کے موسم میں کبھی اتنے حشرات الارض بھی نہیں نکلے ہوں گے۔ ملاحظہ کریں:

(۱) مجھے الہام ہوا:۔ "انا اعطیناک الکوثر" یعنی اے مرزا! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی"۔ (معاذ اللہ) (تذکرہ مجموعہ الہامات ص 281 مطبوعہ الشرکتہ اسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

(۲) الہام ہوا:۔ "توسراجاً منیراً" ہے یعنی چمکتا ہوا چراغ ہے۔ (معاذ اللہ) (حوالہ ایضاً)

(۳) الہام ہوا:۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" (معاذ اللہ) (حوالہ ایضاً ص 396)

اہل بیتِ اطہار کی توہین:۔

"کربلا میرے روز کی سیرگاہ ہے۔ حسینؓ جیسے سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں"۔ (معاذ اللہ) (نزول المسیح ص 101۔ رُوحانی خزائن جلد 18 ص 477 ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

"پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت اور زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اِس کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علی کو تلاش کرتے ہو"۔ (ملفوظات مرزا قادیانی جلد اول ص 400، ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

پوری ملّتِ اسلامیہ پر فتویٰ کفر:۔

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری جماعت میں داخل نہیں ہو گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے"۔ (معاذ اللہ) (مجموعہ اشتہارات جلد اول اشتہار نمبر 223، اشتہار معیار الاخیار ص 394 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

رنڈیوں کی اولاد:۔

"میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اُسے قبول کرتا ہے مگر رنڈیوں کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی"۔ (معاذ اللہ) (آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 ص 548، ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

مرد سُؤر اور عورتیں کتیاں:۔

''میرے مخالف جنگلوں کے سُؤر ہوگئے اور اُن کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔''
(نجم الہدیٰ ص 53۔روحانی خزائن جلد 14 ص 53 ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

مسلمانوں کی طرف سے ردِ عمل:۔

ابتداء میں تو مرزا غلام قادیانی نے اپنے آپ کو ایک مبلّغ اسلام اور مصلح کے طور پر پیش کیا تھا۔ چنانچہ اُس کے اس طرح کے دعاوی سے متاثر ہو کر عام لوگوں نے اُس کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ یہاں تک اُس کے حمایت اسلام کے نعروں کے فریب میں آکر بعض نیم خواندہ دینی طبقہ بالخصوص غیر مقلدین علماو عوام نے اُس کی توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیئے۔ مگر جیسے جیسے مرزا کی عقائد و نظریات منظر عام پر آنے لگے تو اُس کے ساتھ ہی مرزا کے کفریہ اور ارتداد پر مبنی کتب کا پردہ سرکنے لگا۔ آہستہ آہستہ مرزائی تبلیغ و اصلاح کے ڈھول کا پول کھلتا گیا۔ مسلمانوں کے تمام مکاتیبِ فکر اہل سنّت، اہل تشیع، دیوبندی اور غیر مقلدین کے اکابر و اصاغر نے تحریر و تقریر کے میدان میں خم ٹھونک کر مرزا غلام قادیانی اور اُس کی جماعت کا مقابلہ کیا۔ مرزا کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے مخالفین کو مناظرہ اور مباہلہ کا چیلنج دیتا۔ علمائے اسلام نے اُس کے ہر طرح کے چیلنج کو قبول کیا لیکن مرزا کبھی بھی میدانِ مناظرہ میں آیا اور نہ ہی مباہلہ کی جرأت کر سکا۔

جہاں تک ردِ قادیانیت اور تردیدِ مرزائیت کے حوالے سے تقریر کا معاملہ ہے تو اس کا ریکارڈ تو ناممکنات میں سے ہے لیکن اس مسئلہ میں تحریری ریکارڈ بڑی حد تک محفوظ ہے۔ نقطۂ نظر کے اختلاف کے باوجود ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان'' کے کارکنان بہر طور لائق تبریک ہیں کہ محترم اللہ وسایا صاحب نے ''قادیانیت'' کے خلاف قلمی جہاد کی سرگذشت'' کے نام سے بڑی جامع کتاب مرتب کر کے اس موضوع پر لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کا شوق رکھنے والے اہل علم کے ذوق کی تسکین کا سامان کیا ہے۔ بلاشبہ اس موضوع پر اب تک ہزاروں کتب لکھی اور چھاپی گئی ہیں۔ ذیل میں قارئین کی ضیافتِ علمی کیلئے ایک مختصر فہرستِ کتب دی جا رہی ہے، جسے پڑھ کر اس میدان میں علماء کی خدمات کا اندازہ لگانا ایک عام قاری کے لئے آسان ہو جائے گا۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مقام اشاعت	سن اشاعت
1	تحقیقاتِ دستگیریہ فی ردا غلوطاتِ ابراہیمیہ	مولانا غلام دستگیر قصوری		1882ء/1303ھ
2	فتح الرحمانی بدفع کید قادیانی	ایضاً		1896ء/1314ھ
3	رجم الشیاطین براغلوطاتِ ابراہین	ایضاً		1882ء/1302ھ
4	الصارم الربانی علی اسراف قادیانی	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی		1897ء/1315ھ
5	جزاء اللہ عدوہ باباءِ ختم نبوت	ایضاً		1899ء/1317ھ
6	شمس الہدایہ فی اثباتِ حیات المسیح	پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی		1899ء/1317ھ
7	السوء والعقاب علی المسیح الکذاب	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی		1902ء/1330ھ
8	قہر الدیان علی مرتد بقادیان	مولانا حسن رضا خاں بریلوی		1905ء/1333ھ
9	اشد العذاب علی مسیلمۃ الپنجاب	مرتضیٰ حسن چاندپوری		1928ء/1341ھ
10	الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی	مولانا اشرف علی تھانوی		1914ء
11	ہدیۃ المہدی	وحید الزمان حیدرآبادی		1907ء/1325ھ
12	خاتم النبیین	سید محمد علی مونگیری		
13	ختم رسالت	مولانا محمد بخش مسلم بی اے	لاہور	
14	خاتم الانبیاء	مولانا سیف الاسلام		
15	فتنۂ انکارِ ختم نبوت	پیر محمد کرم شاہ بھیروی	لاہور	1984ء/

16	المبین ختم النبیین	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی		1908ء/1326ھ
17	ختم نبوت	ملک محمد اکبر خاں ساقی		1968ء
18	تردید قبر مسیح در کشمیر	بابو پیر بخش		
19	سیف چشتیائی	پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی		1900ء
20	اسلام کی فتح اور مرزائیت کی تازہ ترین شکست	بابو پیر بخش		1919ء
21	الاستدلال الصحیح فی حیات المسیح	ایضاً		1924ء
22	لامہدی الاّ عیسیٰ	ایضاً		
23	تائید اسلام ماہانہ رسالہ	ایضاً		1932ء
24	تفریق درمیان اولیائے اُمت	ایضاً		1926ء
25	حرف محرمانہ	ڈاکٹر غلام جیلانی برق		1954ء
26	قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	پروفیسر محمد الیاس برنی	لاہور	بارنہم
27	قادیانی مقدمہ	ایضاً		
28	قادیانی قول وفعل	ایضاً		
29	قادیانی موومنٹ	ایضاً		1955ء
30	قادیانیت (انگریزی)	علامہ محمد اقبال		
31	الکاویہ علی الغاویہ (دوجلد)	مولانا محمد عالم آسی امرتسری	امرتسر	1933ء
32	ماہنامہ ''ترجمان اہلسنت'' کراچی، ''ختم نبوت نمبر''	مفتی سید شجاعت قادری	کراچی	اگست 1972ء نمبر
33	قادیانی چکر چن بش ور	پروفیسر محمد الیاس برنی		1957ء

34	مرزائی حقیقت کا اظہار	مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی		1929ء
35	مرزائی لاریب غیر مسلم ہیں	خلیل احمد قادری		1988ء
36	کرمِ الٰہی بجواب انعام الٰہی	مفتی عزیز احمد		1952ء
37	السیف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ	محمد عبدالحفیظ القادری		1934ء
38	توہینِ رسالت کی سزا	حاجی نواب دین		1406ھ
39	مرتد کی سزا	محمد انور قریشی		
40	قصرِ مرزائیت پر ایک بم	سلطان احمد فاروقی		1974ء
41	قادیانی کفریات	محمد اقبال الخیری		1974ء
42	مرزا قادیانی کی کہانی	ایضاً		1974ء
43	قادیانی مسئلہ	ایضاً		1974ء
44	کرشن قادیانی کے بیاناتِ ہذیانی	مولانا سید ابوالحسنات قادری	لاہور	
45	قادیانیت کے مختلف پہلو	عبدالحمید قادری		
46	ہفت روزہ ''رضوان'' لاہور، ''ختم نبوت نمبر''	سید محمود احمد رضوی	لاہور	1952ء
47	عقیدہ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	لاہور	1995ء
48	عقیدہ ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی	ایضاً	لاہور	1989ء
49	مرزائے قادیان کی دماغی کیفیت	ایضاً	لاہور	1989ء
50	مرزائے قادیان اور تشریعی نبوت کا دعویٰ	ایضاً	لاہور	1989ء
51	عقیدۂ ختم نبوت اور مرزائے قادیانی کا متضاد موقف	ایضاً	لاہور	1989ء
52	مفاتیح الاعلام	مولانا محمد انوار اللہ خاں		

53	خطبہ صدارت ختم نبوت کانفرنس	صاحبزادہ سیّد فیض الحسن		1951ء
54	مقیاس النبوۃ (تین جلدیں)	مولانا محمد عمر اچھروی	لاہور	
55	برقِ آسمانی برخرمنِ قادیانی	مولانا ظہور احمد بگوی		1932ء
56	تحریک ختم نبوت 1953ء	مولانا عبدالستار خاں نیازی	لاہور	1957ء
57	القول الفاصل بین الحق الباطل	محمد غوث سعید		1324ھ
58	گستاخی رسولؐ کے دورُخ مرزا قادیانی اور شیطان رشدی	احمد میاں حمادی		1988ء
59	ماہنامہ "ضیائے حرم لاہور" تحریک ختم نبوت نمبر	پیر محمد کرم شاہ	لاہور	دسمبر 1974ء
60	قادیانی کذاب	مفتی رفاقت حسین کانپوری	کانپور بھارت	1953ء
61	فتنہ قادیان	سید محمود احمد رضوی	لاہور	
62	الہاماتِ مرزا	مولانا ثناء اللہ امرتسری		1988ء
63	عقائد مرزا	ایضاً	امرتسر	1928ء
64	علم کلامِ مرزا	ایضاً	امرتسر	1932ء
65	عجائباتِ مرزا	ایضاً	امرتسر	1933ء
66	حرفِ محرمانہ	ڈاکٹر غلام جیلانی برق		1954ء
67	قادیانیت	مولانا ابوالحسن علی ندوی		1954ء
68	قادیانی حساب	پروفیسر محمد الیاس برنی	لاہور	
69	مطالعہ احمدیت اور دعوتِ انصاف	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	لاہور	2006ء
70	ذات محمدی اور نبوت محمدی پر قادیانیوں کا ڈاکہ	غلام حسین کلیانوی		
71	السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ	محمد عبدالحفیظ قادری	لاہور	1934ء

72	قادیانی دھرم	مفتی عبدالواجد قادری		
73	الظفر الرحمانی فی کشف القادیانی	مفتی غلام مرتضیٰ		
74	حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام	محمد نعیم اللہ خاں قادری		2003ء
75	ارشاد فرید الزمان متعلق مرزائے قادیان	مولانا غلام جہانیاں		
76	تازیانۂ عبرت	مولانا کرم دین بھیں		
77	قادیانی سیاست	مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش	لاہور	1951ء
78	محاسبہ	ایضاً	ایضاً	1954ء
79	مسئلہ ختم نبوت	علامہ سید محمود احمد رضوی	لاہور	
80	سازشوں کا دیباچہ	رائے محمد کمال	لاہور	سن ندارند
81	قادیانی امت اور پاکستان	ایضاً	لاہور	1989ء
82	مرزا طاہر کے نام کھلا خط	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	لاہور	1988ء
83	تصدیق المسیح	مولانا فقیر محمد جہلمی		1902ء
84	مرزائیت کا جال	مولانا کرم الدین دبیر		1904ء
85	نیام ذوالفقار علی برگردن خاطی مرزائی	قاضی فضل احمد لدھیانوی		1907ء
86	ہدیہ عثمانیہ و صحیفہ انواریہ	علامہ انوار اللہ خاں دکن	حیدرآباد دکن	1914ء
87	معیار المسیح	خواجہ ضیاء الدین سیالوی		1911ء
88	فتویٰ در تردید دعاوی مرزا قادیانی	مولانا ارشاد حسین رامپوری		1896ء
89	حجۃ الجبار	سید محمد عبدالجبار		1900ء
90	الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح (عربی)	علامہ غلام رسول امرتسری	امرتسر	1893ء

91	مخزنِ رحمت برقادیانی دعوت	قاضی فضل احمد لدھیانوی		1926ء
92	تحریک قادیان (حصہ اول)	سید حبیب احمد مدیر "سیاست"	لاہور	1933ء
93	خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	حافظ محمد مظہر الدین رمداسی		1937ء
94	اتمام الحجہ عن اعرض عن الحجہ	مولانا اصغر علی رُوحی	لاہور	
95	مرزا قادیانی کی حقیقت	مولانا اصغر علی قادری	سیالکوٹ	1975ء
96	لا نبی بعدی	سید محمد امین علی نقوی	فیصل آباد	1988ء
97	عقیدۂ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت	صادق علی زاہد	ملتان	1996ء
98	مسئلہ ختم نبوت	مولانا غلام علی اوکاڑوی		
99	مشاہداتِ قادیان	مولانا عنایت اللہ چشتی	ملتان	1987ء
100	اسلام اور قادیانیت	مولانا عبدالغنی پٹیالوی	ملتان	جنوری 1988ء

برطانیہ ساز قادیانی نبوت کے خلاف علماء اسلام کی علمی وقلمی تحریک کی یہ ایک مختصر جھلک ہے جو بطور نمونہ پیش کی گئی ہے۔علماء حق نے اس قلمی جہاد کے ساتھ عوامی وسیاسی سطح پر بھی ''تحفظِ ناموسِ ختمِ نبوت'' کے لئے نہ صرف تحریری میدان میں معرکہ حق وباطل کو جاری رکھا بلکہ اُنہوں نے خارزارِ سیاست میں بھی اُتر کر اس فریضہ کو سرانجام دیا۔

یہاں یہ حقیقت بھی ریکارڈ پر رہنی چاہیے کہ عوامی سطح پر مرزائیت کے خلاف سب سے پہلی اور زوردار آواز حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھائی تھی، جبکہ اُس وقت کے علماء قادیانیت اور اُس عقائد پر فتویٰ کفر لگا چکے تھے مگر اُن کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ علماء کے طبقے کی طرف سے ابھی تک نہیں کیا گیا تھا۔

اگست 1947ء میں جب ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر حضرت قائداعظمؒ کی قیادت اور فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں پاکستان کی صورت میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی اور آزاد مملکت کے طور پر دنیا کے نقشے پر اُبھری تو اُس کے ساتھ ہی پوری دنیا میں

مسلمانوں کو ایک نیا حوصلہ ملا۔ اُس وقت برطانوی سامراج کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ملت اسلامیہ کو ایک نیا جذبہ اور ولولہ تازہ ملا اور انہوں نے آزادی کی تحریکیں شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ سامراج اور اس کے ایجنٹ اس نوزائیدہ مملکت کو کمزور بلکہ ختم کرنے کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے روز اوّل سے ہی اس کے خلاف سازشوں کے جال بننا شروع کر دیئے اور اس آزاد ملک کی بننے والی پہلی کابینہ میں برطانیہ کے نمک خوار اور ایجنٹ سر ظفر اللہ خاں کو جو قادیانی جماعت کا ایک سرگرم رکن اور حکومتِ برطانیہ کا قابل اعتماد شخص تھا، کو وزیر خارجہ مقرر کروا کر اپنی سازشوں میں ایک حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ اس طرح پورے عالمِ کفر نے مل کر پاکستان کی سیاسی اور نظریاتی سرحدوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

یاد رہے کہ اسی ظفر اللہ خاں نے ملتِ پاکستان کے سب سے بڑے محسن اور اس مملکت کے بانی اور پہلے گورنر جنرل حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر جب پوری پاکستانی قوم پر غم واندوہ اور مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل فگار تھا اور قوم کا ہر پیر و جواں اپنے محبوب قائد کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے بے تاب تھا اور اس کو اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا تھا، سر ظفر اللہ خاں اپنی مخصوص کفریہ فکر کے باعث الگ کونے میں بیٹھ گیا اور اُس نے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ صحافیوں اور عالمی میڈیا کے سوال پر اُس نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ یہ جواب دیا تھا کہ:۔

''مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر یا ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیجئے۔ اس لئے میں نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا''۔

سر ظفر اللہ خاں کی اس بات پر قادیانیت کا اصل چہرہ بے نقاب ہو کر پوری قوم کے سامنے آ گیا تھا۔ یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات نے پورے ملک میں آگ لگا دی تھی۔ چنانچہ واقعات کے تسلسل کے نتیجہ میں 1953ء میں مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخ، سیاسی کارکنوں اور عام لوگوں نے مل کر ''تحریکِ ختمِ نبوت'' کا آغاز کیا تو شمعِ ختم نبوت کے پروانوں نے اپنے آقائے ولی نعمت، حضور ختمی مرتبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختمِ نبوت اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے قربانیوں کی لازوال داستان رقم کی۔ اس سے

پہلے ’’تحفظِ ختمِ نبوّت‘‘ کے حوالے سے پاکستان بلکہ پورے برصغیر میں کوئی ایسی تحریک نہیں اُٹھی تھی۔اس تحریک میں قادیانیوں اور قادیانیت نوازوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا۔

ابتدائی طور پر تحریک کا آغاز اگرچہ کراچی سے کیا گیا تھا مگر اس تحریک کو عروج اُس وقت ملا جب لاہور میں مجاہدِ ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد وزیر خاں کو مرکز بناتے ہوئے تحریک کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے کر حکومتی ایوانوں میں زلزلہ اور قصرِ قادیانیت میں بھونچال واقع کر دیا تھا۔ایک طرف مولانا نیازی اور نہتے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسری طرف حکومت اور اس کی ساری مشینری اور قادیان سے لے کر ربوہ اور وہاں سے لے کر لندن و تل ابیب تک پھیلی ہوئی قادیانی ذرّیت تھی۔لیکن چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ ریاستی تشدّد، حکومتی غنڈہ گردی اور قادیانیوں کی سازشیں اِس مردِ درویش مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ کے پائے استقلال میں ذرّہ بھر لغزش پیدا نہ کر سکیں۔حکومت نے بڑی تگ و دو کے بعد جب اس بطلِ حریّت کو قید کر کے پابندِ قفس کر دیا اور پھر قادیانی لابی کو خوش کرنے کیلئے آپ کو سزائے موت سنائی گئی تو اپنے خلاف حکومتی فیصلہ سن کر وہ گھبرائے نہیں بلکہ انہوں نے کمال استقامت اور بے مثل جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وجد کی حالت میں دیوانہ وار یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔ ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

1953ء کی تحریک، اس کا سیاسی و مذہبی پس منظر، نتائج اور بالخصوص فاتح تختہ دار، مردِ مجاہد، مردِ حق، مردِ غازی علامہ عبدالستار خان نیازیؒ کی سرفروشانہ خدمات اور مجاہدانہ کردار اس زیرِ نظر علمی شہ پارہ کا مرکزی موضوع ہے۔یہ ایک مسلسل یا مستقل تحریر نہیں بلکہ خود حضرت مجاہدِ ملّت مولانا نیازی کی گرانقدر تحریروں کے علاوہ مختلف اصحاب علم و فکر اور صاحبانِ قلم و قرطاس کی طرف سے قبلہ نیازی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمات کو پیش کیا گیا خراج تحسین اور نذرانۂ عقیدت ہے جن کو سلسلۂ نیازیات کی خوبصورت مالا میں پرونے کا شرف مورّخ اہلسنت اور مجاہدِ ملّت کے فدائی اور واحد خلیفہ حضرت میاں محمد صادق قصوری نے حاصل کیا

ہے۔ حضرت قصوری نے اس گلدستۂ محبت کے ذریعے جہاں نیاز مندانِ مجاہد ملت '' کے لئے مشامّ جاں کو معطّر کرنے کا ساماں فراہم کیا ہے، وہاں اپنا ایک تاریخی فرض بھی پورا کیا ہے۔ یقیناً یہ گرانقدر علمی مضامین کا مجموعہ اپنے اندر تاریخی معلومات کا ایک وسیع ذخیرہ رکھتا ہے۔

''دُعا ہے کہ قادر و قدیر اس اثر خامۂ قصوری کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے اور حضرت مجاہدِ ملت قدس سرّہٗ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے'' آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(پروفیسر) محمد الیاس اعظمی

مورخہ 20 اپریل 2007ء بروز جمعۃ المبارک

کوٹ اعظم خاں، قصور

ترانۂ ختمِ نبوّت

محمد اقبال فاروقی موضع شاہ عالم ضلع بھکر

محفوظ ہے اِس واسطے ایمان ہمارا ۔ کہ ختمِ نبوّت پہ ہے ایقان ہمارا
بند ہوگیا دروازہ نبوّت کا جونہی کہ ۔ مبعوث ہوا احمدؐ ذی شان ہمارا
ہیں آپ ہی محمود و محمد بھی اور احمد ﷺ ۔ پھر کیوں نہ ثنا اُن کی ہو تبیان ہمارا
ذاتی ہیں یہ نام اُن کے محمدؐ بھی اور احمدؐ ۔ یہ نام ہیں سرمایۂ ایمان ہمارا
کوئی نہ ہوا اُن سا جہاں میں نہ ہی ہوگا ۔ بے مثل ہے وہ ہادیٔ ذی شان ہمارا
صد رشکِ شہنشاہی ہے اُس در کی غلامی ۔ خوش بخت ہیں ہم کہ ہے وہ سلطان ہمارا
مرزا نے کیا دعویٰ نبوّت کا جو ہند میں ۔ بھڑکا ہوا ہر اِک تھا مسلمان ہمارا
قربان ہو جاں حرمت و ناموس نبیؐ پر ۔ کٹ اُن پہ مریں تھا یہی پیمان ہمارا
پیچھا کیا مرزا کا اکابر نے ہمارے ۔ بتلا دیا کہ زندہ ہے ایمان ہمارا
تکفیر کی کذّاب کی جس ہستی نے پہلے ۔ ہے مفتیٔ اعظم وہ رضا خانؒ ہمارا
مبہوت کیا دجّال کو جس قطبِ جلی نے ۔ ہے مہر علیؒ فاتحِ میدان ہمارا
مرزا نہ ہوا جس کے مقابل وہ مجاہد ۔ ہے پیر جماعت علیؒ ذی شان ہمارا
تھا جس نے کیا ناطقہ بند مرزائیت کا ۔ ستّار نیازی ہے وہ تو خان ہمارا
پھانسی کے بھی پھندے کو لیا چوم تھا جس نے ۔ بے شک تھا وہی عبقری انسان ہمارا
دجّال کے دعویٰ نبوّت پر نصاریٰ ۔ تھے خوش کہ ہوا پورا ہے ارمان ہمارا
اک عرصہ سے جو چاہتے اغیار تھے کرنا ۔ آخر کیا مرزا نے وہ نقصان ہمارا
مرزائیو! بچنا ہے جہنم سے جو تم نے ۔ تسلیم کرو مذہب ذی شان ہمارا

فاروقیا! مرزائیوں کو احمدی مت کہہ
تلقین یہی کرتا ہے وجدان ہمارا

(5۔اکتوبر2006ء)

تراشے

مرتب: محمد صادق قصوری

☆☆

زندگی ــــــــــ

''مجاہدِ ملّت مردِ غازی مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو 1953ء کی تحریکِ ختم نبوّت میں پروانۂ شمعِ ختمِ نبوّت ہونے کے جرم میں سزائے موت کا حکم ہوا۔ جیل میں اور پھر موت کی سزا سُن کر مولانا نے جس جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ عشقِ رسالت ﷺ کا ایک روشن باب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ ''جب تحریکِ ختمِ نبوّت'' کے مقدمہ کے بعد میری رہائی ہوئی تو پریس والوں نے میری عمر پوچھی''۔ اس پر میں نے کہا کہ ''میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی خاطر پھانسی کی کوٹھری میں گزار دی ہیں۔ کیونکہ ''یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی۔ مجھے اپنی اس زندگی پر ناز ہے''۔

(''تحفظِ ختمِ نبوّت'' از محمد طاہر رزاق مطبوعہ مُلتان سن ندارند صفحہ 84)

☆☆

مردِ مومن اور قلندر کا کردار

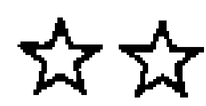
''تحریکِ ختمِ نبوّت (1953ء) میں جب مولانا نیازی کو سزائے موت سُنائی گئی تو اُنھوں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک مردِ مومن اور مردِ قلندر کا کردار ادا کیا۔ اور آپ کے پائے استقلال میں ذرّہ فرق نہ آیا''۔

(سیّد غلام مصطفیٰ خالد گیلانی، ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور مجاہدِ ملّت ایڈیشن''
بابت 28 مئی 1987ء صفحہ 37)

☆☆

تحفظِ ختمِ نبوّت کی جدوجہد

''تحفظِ ختمِ نبوّت کی جدوجہد میں ہماری ساری زندگی گزر گئی، ہماری داڑھیاں سفید ہوگئیں، لیکن ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے دارورسن کی منزل تک پہنچے کا جو مقام مولانا عبدالستار خان نیازی کو حاصل ہوا، وہ کسی دوسرے کونہیں مل سکا''۔(سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری سابق صدر مجلس احرار ہند)(مضمون عطاء اللہ خان درّانی رکن مجلس احرار وتحفظ ختم نبوّت میانوالی مطبوعہ ہفت روزہ ''افق'' کراچی کی بابت ۸۔نومبر ۱۹۷۸ء)



مردِ مجاہد

''بطل حریّت مجاہد ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی وہ مردِ مجاہد ہیں جنھوں نے پھانسی کے پھندے پر۔۔۔۔۔موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی زندگی وقف کردی''۔(مولانا شاہ احمد نورانی، خطاب ''کل پاکستان سُنّی کانفرنس ملتان، اکتوبر ۱۹۷۸ء)



تحریکِ ختمِ نبوّت کا نازک موڑ

''تحریکِ ختمِ نبوّت'' (۱۹۵۳ء) نے اُس وقت ایک نازک موڑ اختیار کرلیا جب مسجد وزیر خان (لاہور) میں فردوس شاہ نامی ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو قتل کردیا گیا۔ اس وقت مولانا عبدالستار خان نیازیؒ، وزیر خان کی مسجد میں تحریکِ ختمِ نبوّت کے کرتا دھرتا تھے۔ مولانا عبدالستار خان نیازیؒ پر فردوس شاہ کے قتل کا بار ڈالا گیا۔ بعد میں اُنہیں قصور سے گرفتار کر کے شاہی قلعہ لاہور میں نظر بند کردیا گیا۔ میں بھی اُن دنوں شاہی قلعہ لاہور میں نظر بند تھا۔ ایک روز مجھے اطلاع ملی کہ ایک پولیس افسر نے تفتیش کرتے وقت مولانا عبدالستار خان نیازیؒ سے گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ اس پر میانوالی کے نیازی پٹھان کو ایسا طیش آیا کہ انہوں نے تفتیشی

افسر کے گال پر زور کا چانٹا رسید کیا اور عملاً اُسے ٹھڈ مار کر اپنے کمرے سے باہر پھینک دیا" (میاں محمد شفیع (م ش)) ("پدرم دہقان بود"، مضمون از میاں محمد شفیع (م ش) مطبوعہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور بابت ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء جمعہ میگزین صفحہ ۶۔ کالم ۳)

☆☆

تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء

"مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو چونکہ مارشل لاء کے تحت قید بامشقت کی سزا سنائی گئی تھی، اس لئے اربابِ جیل نے اُن کو چرخے پر سوت کاتنے کی مشقت دی تھی، مولانا ایک روز مشقت فرما رہے تھے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل شیخ اکرم صاحب دوسرے جیل حکام کے ساتھ آدھمکے۔ نیازی صاحب بے ہنگم روئی تھامے موٹا موٹا کات رہے تھے، شیخ صاحب نے اُنہیں اس حال میں دیکھ کر ذرا تحکمانہ لہجہ میں پوچھا:

"آپ موٹا کات رہے ہیں نیازی صاحب!"

"ہاں جناب! تا کہ تمہاری سمجھ میں آجائے!"

("خطباتِ امیرِ شریعت"، حصہ اوّل مرتبہ مجاہد الحسینی مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۸۴ء ص ۴۲، ۴۳)

☆☆

دار و رسن کی آزمائش

"میں، مولانا جمال میاں فرنگی محلی کے ہمراہ کربلا معلّٰی میں مقیم تھا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کی سزائے موت کی خبر سُنی تو مجھ پر قیامت گزر گئی۔ کیا پاکستان کے جانثاروں کو پاکستان میں دار و رسن کی آزمائش سے گزرنا ہو گا۔

میں نے کربلا معلّٰی کی مقدس فضا کو آہ و فغاں سے معمور کر دیا۔ گاہے اشک میرے جذبات کی ترجمانی کرتے۔ شب و روز نیازی کی سلامتی اور امان کے لئے دُعا کرتا"۔

(راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد)

(''کاروانِ شوق''۔ازحکیم آفتاب احمد قرشی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء ص ۱۰۶)

☆☆

﴿ کردار کی اِستقامت ﴾

''قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء میں ''اینٹی قادیانی تحریک'' کا آغاز ہوا، جس کے نتیجے میں جنرل اعظم خان کا مارشل لاء نافذ ہوا۔ والد ماجد (مولانا بہاء الحق قاسمی)، مولانا عبدالستار خان نیازی اور دوسرے علما کو گرفتار کیا گیا اور تفتیش کے لئے شاہی قلعے لے جایا گیا۔ شاہی قلعے کا تہہ خانہ کسی زمانے میں پاکستان کا سب سے بڑا ٹارچر سیل تھا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو امتحان میں نہ ڈالے۔ والد ماجد کردار کی استقامت کے سلسلے میں مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کی بہت تعریف کرتے تھے، گرفتار کئے گئے علماء کو جب شاہی قلعے سے جیل میں منتقل کر دیا گیا تو مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو فوجی عدالت نے موت کی سزا سُنائی، وہ پھانسی والے لباس میں جب قیدیوں کی بیرک کے سامنے سے گزرے تو کچھ قیدیوں نے اس عالم میں اُنہیں دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ مولانا نے اُنہیں اپنی شیر جیسی آواز میں مخاطب کیا اور کہا:۔

''روتے کیوں ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔اللہ پر بھروسہ رکھو''۔

(''کالم روزنِ دیوار سے''، عنوان مضمون ''آج اور کل'' از عطاء الحق قاسمی
مطبوعہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۹۔ دسمبر ۱۹۹۹ء)

☆☆

﴿ ہولناک راتیں ﴾

''قلعہ کی اسیری کی ابتدائی راتیں بڑی ہولناک ہوتی ہیں مگر خوش قسمتی سے پہلی ہی رات میری کوٹھڑی کی سنگین دیواروں سے ایک گرج دار آواز ٹکرائی، میں نے یہ آواز پہچان لی۔ مولانا عبدالستار خان نیازیؒ اپنی پاٹ دار آواز میں مولانا رومؒ (مستِ بادۂ قیوم) کا یہ شعر پڑھ رہے تھے:۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جُملہ عِلّت ہائے ما''

(مولانا تاج محمود دیوبندی فیصل آبادی)

(اقبال فیروز کا مضمون ''مولانا تاج محمود'' مطبوعہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۲۰ جنوری ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۱)، ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد، ''مولانا تاج محمود نمبر'' بابت ۸۔ مئی ۱۹۸۷ء ص ۹۰)، ''پیکرِ اتحاد مولانا تاج محمود'' مرتبہ صاحبزادہ طارق محمود مطبوعہ فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۱۹)



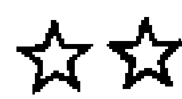
مسجد وزیر خان کا مورچہ

''واضح رہے کہ مسجد وزیر خان لاہور کے مورچہ کی پاداش میں مولانا عبدالستار خان نیازی جو بریلوی مکتبۂ فکر کے جید و معتبر نوجوان عالمِ دین تھے، مارشل لاء کی عدالت سے پھانسی کے مستحق گردانے گئے۔ اُنہیں سزائے موت سُنائی گئی جو عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ اُنہوں نے اپنی رہائی کے بعد ختمِ نبوت کے تقریری محاذ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا۔ اس سلسلہ میں تحریک و مسئلہ سے متعلق، دو یا تین کتابچے لکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی عشقِ رسالتﷺ میں قرنِ اوّل کے مسلمانوں کا مزاج رکھتے تھے۔ انہوں نے باہر آتے ہی مرزائی اُمت کو للکارنا شروع کر دیا۔

ایوب خان کے دور میں اُس کی حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا، اُن مسلمانوں کو ''اینگلو مسلمان'' کا لقب دیا جو قادیانی اُمت کو مسلمانوں میں شمار کرتے اور عقیدۂ ختمِ نبوت کی اساس سے ناواقف تھے۔ مولانا عبدالستار خان نیازیؒ اس دوران میں دو چار دفعہ پکڑے گئے۔ حتیٰ کہ ایوبی غنڈوں اور قادیانی اجیروں نے تنہا پا کر اُن پر حملہ بھی کیا۔ مرزائیوں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ اُنہوں نے علماء کا استخفاف اپنا شعار بنا لیا اور ایوب خان کو بھی اسی راستہ پر لگا لیا''۔

(شورش کاشمیری)

(''تحریکِ ختمِ نبوت'' از شورش کاشمیری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۶۵)



﴿دیوانۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم﴾

''سفر حیات میں اُنہوں (مولانا نیازی) نے آزمائش وامتحان کے کئی ایک مراحل طے کئے۔ یہ دیوانۂ محمد ﷺ، عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تختۂ دار تک پہنچا''۔

(چوہدری حبیب احمد)

(ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور، ''مجاہد ملّت ایڈیشن'' بابت ۲۸۔مئی ۱۹۸۷ء ص ۱۱)

☆☆

﴿حُبِّ رسولؐ کے جرم کی پاداش﴾

''۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں بھی آپ (مولانا نیازی) نے بھرپور کردار ادا کیا اور اس جُرم کی پاداش میں پھانسی کی سزا کا حکم بھی سُنایا گیا جو بعد میں اللہ تعالیٰ ج اور اُس کے رسولؐ کے خاص لطف وکرم سے منسوخ ہو گیا اور اس سزا کو عمر قید میں بدل دیا گیا''

(پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

(مضمون ''دورِ زوال میں اسلاف کی نشانی''۔ از پروفیسر محمد طاہر القادری

مطبوعہ ہفت روزہ ''الہام'' بہاپور، ''مجاہدِ ملّت ایڈیشن'' بابت ۲۸۔مئی ۱۹۸۷ء ص ۱۴)

☆☆

﴿قائدانہ اَور سرفروشانہ کردار﴾

''۱۹۵۳ء کی ''تحریکِ ختمِ نبوّت'' میں قائدانہ اور سرفروشانہ کردار ادا کرنے کی پاداش میں اُنہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور پھر پھانسی کی سزا سُنائی گئی۔ لیکن اُنہوں نے امام احمد بن حنبل اور حضرت مجدّد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کی استقامت کی یاد تازہ کر دی۔ اُن کو پھانسی کے تختہ پر لٹکانے اور جھکانے کا ارادہ رکھنے والے خائب وخاسر ہو کر اقتدار سے محروم اور رُسوائے زمانہ ہوئے اور عبرت کا نشان بن گئے''۔ (قاضی حسین احمد امیر جماعتِ اسلامی پاکستان)

(مضمون، ''اسلام کا مخلص سپاہی'' از قاضی حسین احمد مشمولہ ''نذرِ مجاہدِ ملّت''
مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۰۸)

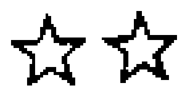


﴿مقدمہ بالکل جھوٹا تھا﴾

''۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کے دوران اُن پر اور اُن کے رفقاء پر سیّد فردوس شاہ ڈی ایس پی کے قتلِ عمد کا مقدمہ بنا تو میں اُن کا وکیل تھا۔ مقدمہ بالکل جھوٹا تھا اور حکومتِ وقت کی انتقامی کاروائی کا نتیجہ تھا۔ میں فوجی عدالت کو معیّنہ جائے واردات پر لے گیا اور انہیں جب تسلّی ہوئی کہ مقدمہ بے بنیاد ہے تو ٹریبونل نے مولانا اور اُن کے رفقاء کو باعزّت بری کر دیا''۔

(چوہدری نذیر احمد خاں سابق اٹارنی جنرل پاکستان)

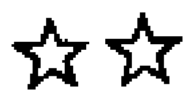
(مضمون، ''بھائی عبدالستار خان نیازی'' از چوہدری نذیر احمد خاں
مشمولہ ''نذرِ مجاہدِ ملّت'' مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء ص ۱۳۵، ۱۳۶)



﴿قادیانیوں کو اقلیّت قرار دینے کی تحریک﴾

''جب قادیانیوں کو اقلیّت قرار دینے کی تحریک چلی تو مولانا نیازی نے اس تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے لاہور کی مسجد وزیر خان کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ جہاں روزانہ سینکڑوں لوگ قطاروں میں کھڑے ہو کر اُن کی خدمت میں اپنی باری آنے پر حاضری دیتے اور اس تحریک کو شعلۂ جوالہ بنانے کیلئے اُن سے ہدایات لیتے تھے۔ مجھے بھی دو تین مرتبہ مسجد وزیر خان میں جا کر اُن کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اس تحریک میں بہت سے نوجوان شہید ہوئے اور بالآخر مارشل لاء لگ گیا اور مولانا نیازی گرفتار ہو گئے''۔ (خواجہ افتخار کارکن تحریک پاکستان)

مضمون، ''ایک عہد ساز شخصیت'' از خواجہ افتخار مشمولہ ''نذرِ مجاہدِ ملّت''
مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء ص ۱۳۹، ۱۴۰)



﴿ پھانسی کی سزا ﴾

''تقریر کا ملکہ مولانا نیازی کا طرّہ امتیاز ہے۔ وہ ہر مکتبِ فکر کی سٹیج پر بولتے رہے ہیں۔ مارشل لاء (۱۹۵۳ء) کے زمانہ میں مرزائی تحریک کے دوران مسجد وزیر خان لاہور میں وہ کئی روز محصور رہے۔

اُس زمانہ میں راقم شفیع روڈ مصری شاہ لاہور میں قیام پذیر تھا۔ حکومتی استبداد کی کاروائیاں سننے دیکھنے میں آتی تھیں۔ کئی سرفروش جن میں بچے بھی تھے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ شہداء کو جلوس کی صورت میں ''سنہری مسجد'' کے قریب دفن کر دیا جاتا تھا۔ لیکن راتوں رات سپاہی قبریں کھود کر اُنہیں لے جاتے تھے۔ اس تحریک کی قیادت کرنے کی پاداش میں مولانا عبدالستار خان نیازی کو پھانسی کی سزا دے دی گئی جو بعد ازاں عمر قید میں تبدیل کر دی گئی''۔

(پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف الحسینی، لاہور)

(مضمون، ''ایک پاکباز شخص'' از ڈاکٹر محمد اشرف الحسینی مشمولہ ''نذرِ مجاہدِ ملّت'' مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴)



﴿ سزائے موت کے مُرتکب ﴾

''مولانا نے ''تحریکِ ختمِ نبوّت'' میں بڑے مجاہدانہ اور جوشیلے انداز میں حصہ لیا۔ اُن کی سوچ، مذہب سے لگاؤ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جھوٹے نبی کے خلاف تقریر ایسی ہوتی تھی کہ بہتا ہوا دریا بھی رک جاتا تھا کہ وہ بھی اُن کا خطاب سن سکے۔ وہ دریا کی موج کی طرح تقریر کرتے تھے۔ اس میں جوش وخروش اور ہوش بھی ہوتا تھا اور قابلیّت بھی ٹپکتی تھی۔ اُن کی تقاریر عالمانہ، محققانہ اور قلندرانہ ہوتی تھیں۔ ۱۹۵۳ء کی ''تحریکِ ختمِ نبوّت'' میں اُن کی اس جرأت وبیباکی کی وجہ سے مقدمہ چلا اور سزائے موت کے مرتکب ٹھہرے۔ بعد ازاں وہ سزائے موت عمر قید میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۹۵۵ء میں مقدمہ ختم ہوگیا اور وہ باعزّت طور

پر بری ہو گئے۔ ان دنوں ہم لاہور میں ہی تھے۔ یہ تمام باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی رہیں۔ وہ بڑے جوشیلے سیاسی ورکر تھے۔ وہ بڑے عالی گفتار تھے اور اُن کے اقوال وافکار بھی سچے تھے۔ وہ کسی کے سامنے جھکتے نہیں تھے، وہ ''سرمایہ مِلّت'' تھے''۔

(پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی، کارکن تحریک پاکستان، لاہور)

(مضمون، ''سرمایہ مِلّت'' از پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی مشمولہ ''خیابانِ مجاہدِ ملّت''
مرتبہ محمد صادق قصوری، مطبوعہ ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۷)



ثابت قدمی سے اپنے مشن پر قائم تھے

''یہ بات ۱۹۵۰ء کی پہلی نصف دہائی کی ہے جب میں بلوچستان میں زیارت کے پہاڑوں کا ارضیاتی اور معدنی سروے کر رہا تھا کہ ایک دن میں زیارت میں ڈپٹی کمشنر جو کہ اس وقت ایک انگریز مسٹر ڈیوی تھے، کے دفتر میں ایک کام کی غرض سے گیا تو ڈپٹی کمشنر کے اسٹینوگرافر مسٹر بخاری نے مجھے بتایا کہ:۔

''ختمِ نبوت کی تحریک چلانے پر لاہور میں مارشل لاء کی ملٹری کورٹ سے مجاہد ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ کو پھانسی کی سزا ہو گئی ہے''۔

میں بھی اس خبر کو سن کر اور لوگوں کی طرح سہم گیا۔ بہرحال بعد میں اس سزا پر ممالکِ اسلامیہ کے زور ڈالنے پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ مگر اس دوران خبریں آئیں کہ مولانا نیازی پر کسی قسم کی گھبراہٹ، پریشانی یا بزدلی کے آثار نہ تھے۔ بلکہ بڑے ہشاش بشاش طریقے سے وقت گزار رہے تھے اور ثابت قدمی سے اپنے مشن پر قائم تھے''۔ (پرفیسر ڈاکٹر سیّد حامد علی شاہ، اسلام آباد)

(مضمون، ''مجاہدِ ملّت میری نظر میں'' از پروفیسر ڈاکٹر سیّد حامد علی شاہ، مشمولہ ''نذرِ مجاہدِ ملّت'' مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء صفحہ ۴۳)



موت نہیں حیاتِ سرمدی

''مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے قلندرانہ اسلوب میں کہا تھا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حُرمت پر
خُدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

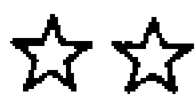
مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ کی پوری زندگی اس شعر کی عملی تصویر ہے۔ تختۂ دار پر بھی لٹکنے کی سزا کو قبول کرلیا، مگر عقیدۂ ختمِ نبوّت کی حُرمت وعظمت سے سرِ مو انحراف نہ کیا۔ سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین اور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حُرمت وآبرو کی خاطر جان دینا، ''موت نہیں حیاتِ سرمدی'' ہے۔ بقول حکیم الامتؒ

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی''

(ڈاکٹر شیر محمد زمان چشتی چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد)

۵۔ اگست ۱۹۹۷ء

(مضمون، ''چہ رُخ چہ قد چہ جبیں لاالٰہ الا اللہ'' از ڈاکٹر شیر محمد زمان مشمولہ ''نذرِ مجاہدِ ملّت'' مرتبہ محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء صفحہ ۵۵)



ایک سیّد اور ایک نیازی

''(مولانا عبدالستار خان نیازی نے) تحریک ختمِ نبوّت میں پھانسی کی سزا کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ اِس جرم میں جن دو علماء کو یہ سزا سُنائی گئی اُن میں مولانا عبدالستار خان نیازی کم عمر تھے دوسرے یہ اعزاز حاصل کرنے والے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی تھے۔ ایک سیّد اور ایک نیازی''۔ (معروف صحافی رفیق ڈوگر، لاہور)

(''چہرے مُہرے'' از رفیق ڈوگر مطبوعہ جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۴۸)



موت کی سزا ملی

''تحریک ختم نبوّت'' میں اُنہیں (مولانا نیازی کو) مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ جب موت کی سزا ملی تو لگا جیسے موت کو سزا ملی''۔ (ڈاکٹر محمد یونس بٹ)

(''غل دستہ'' از ڈاکٹر محمد یونس بٹ، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء ص ۳۱۔۳۲)

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت

''۳۔ مارچ ۱۹۵۳ء کو مولانا نیازی نے ''تحریکِ ختمِ نبوّت'' کی قیادت سنبھالی اور اپنی بے پناہ قائدانہ صلاحیتوں سے دم توڑتی تحریک میں اس طرح جان ڈال دی کہ ایوانِ حکومت میں زلزلہ آ گیا۔

مولانا نیازی کی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ایمان افروز تقاریر سے تحریک میں اس قدر شدّت پیدا ہوگئی کہ حکومت نے اُسے دبانے کیلئے تشدّد کی راہ اختیار کی۔ اس تحریک میں آپ کی بے پناہ جرأت واستقامت اور پامردی اور دلیری کی پاداش میں آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ اس پر یہ مردِ مجاہد پکار اُٹھا''۔

''کیا یہی سزا ہے بس! یہ ایک جان تو کیا اگر میرے پاس
ایک لاکھ جانیں ہوتیں تو سب آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
عزّت وناموس پر قربان کر دیتا''۔

اس طرح یہ عظیم مجاہد غازی علم الدین شہیدؒ کی طرح عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاروالہانہ انداز میں پھانسی کے پھندے کو چومنے کیلئے بے قرار اور تیار رہا۔ اور زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے شہادت کا منتظر رہا۔

جنونِ بے خودی میں پائے استقلال رکھتا ہوں
صراطِ عشق سے لغزش نہیں کرتا قدم میرا
اسے قربان نامِ مصطفیٰؐ پر کر دیا میں نے
یہ ہے کتنا بڑا احسان جانِ زار پر میرا

۱۴۔مئی ۱۹۵۳ء کو سزائے موت عمر قید میں تبدیل کردی گئی۔ بعد میں ۲۹۔اپریل ۱۹۵۵ء کو جیل سے رہائی ملی مگر آپ کی حق گوئی اور صداقت شعاری آپ کو بار بار اسیر زنداں کرتی رہی۔ ہر بار آپ ایک نئے جوش اور ولولہ سے اٹھتے اور باطل کے ایوانوں پر زلزلہ طاری ہو جاتا''۔

(شیخ نظام الدین نقشبندی باروی)

(مجلّہ انوار رضا'' جوہر آباد،''مولانا نیازی نمبر'' ۲۰۰۱ء صفحہ ۴۶۔۴۷)

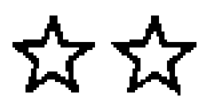


شاہی قلعہ لاہور میں نظر بندی

''۲۰۔مارچ ۱۹۵۳ء کو مجھے''تحریکِ ختمِ نبوّت'' کے سلسلہ میں گرفتار کر کے لاہور شاہی قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔تحریک کے سلسلہ میں وہاں ہم سے پوچھ گچھ کی جاتی رہی۔ مجھے کمرہ نمبر 10 میں رکھا گیا تھا۔ایک دن مجھے وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ منتقل کیا جانے لگا۔ معلوم ہوا کہ **مولانا عبدالستار خان نیازی** کو اس کمرے میں رکھا جائے گا''۔

(مولانا تاج محمود دیوبندی فیصل آبادی)

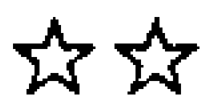
(ہفت روزہ''لولاک''،فیصل آباد،''مولانا تاج محمود نمبر'' بابت ۸۔مئی ۱۹۸۷ء ص ۳۰)



تحریکِ ختمِ نبوّت میں مرکزی کردار

''مولانا عبدالستار خان نیازی نے تحریک ختم نبوّت میں مرکزی کردار ادا کیا اور موت کی سزا ہوگئی''۔

(''انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان'' از اسد سلیم شیخ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۹ء ص ۶۶۸۔۶۶۹)



تحریکِ ختمِ نبوّت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ

''مولانا عبدالستار خان نیازیؒ نے تحریکِ ختم نبوّت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس

تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں مولانا کو سزائے موت سنائی گئی۔ عوامی احتجاج پر سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں رہا ہوئے''۔

(جامع اُردو انسائیکلو پیڈیا جلد دوم مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ ۱۹۸۸ء۔ ص ۹۶۱)

☆☆

موت کی سزا

''مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو ۱۹۵۳ء میں قادنیوں کے خلاف تحریک میں حصہ لینے کی بنا پر فوجی عدالت نے موت کی سزا دی، جو بعد ازاں عمر قید میں بدل دی گئی''۔

(فیروز سنز، اُردو انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۶۷۹)

☆☆

خودکشی نہیں کیا کرتے

''مولانا عبدالستار خان نیازی، ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کے لئے جیل گئے، اُنہیں سزائے موت ہوئی۔ اُن کی نگرانی بہت کی جاتی تھی۔ وہ ہنسے کہ میں عشقِ رسول (ﷺ) کا گرفتار ہوں اور پھانسی کا پھندہ چومنا چاہتا ہوں۔ شہید ہونے کی آرزو والے خودکشی نہیں کیا کرتے''۔

(ڈاکٹر محمد اجمل نیازی، ''کالم بے نیازیاں'' عنوان ''توہین رسالت کے گرفتاروں کی توہین''۔
روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۱۵۔ مارچ ۲۰۰۶ء)

☆☆

آخرت کا توشہ

''جناب مولانا عبدالستار خان نیازی کو جب (۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں) پھانسی کی سزا سنائی گئی تو اُنہوں نے اونچی آواز سے **الحمد للہ** کہہ کر اس سزا کو اپنی آخرت کا توشہ قرار دیا۔ اُن کی ساری زندگی ''عزیمت کی داستان'' ہے۔

''ہاں! میں باغی ہوں'' از مخدوم جاوید ہاشمی مطبوعہ لاہور ۲۰۰۵ء صفحہ ۱۱۳)

☆☆

اُنہیں بدنام کرنے کیلئے۔۔۔۔

''مولانا نیازی کو ۱۹۵۳ء کی ''تحریکِ ختمِ نبوت'' کے سلسلہ میں ۷۔ مئی کو ایک فوجی عدالت نے سزائے موت سُنائی، اُنہیں بدنام کرنے کیلئے بغیر داڑھی کے اُن کی ایک تصویر شائع کرادی گئی، جو کالج کے زمانہ کی تھی اور یہ تاثر دیا گیا کہ وہ داڑھی مونڈنے کے بعد رُوپوش ہو گئے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں اُن کی رہائی عمل میں آ گئی''۔

(ظہور عالم شہید، ''تعارف مولانا نیازی'' ہفت روزہ ''استقلال'' لاہور

بابت ۸ تا ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۷۳۔ ص ۱۹)

مُجاہدِ ملّت رح اور ''رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء

ترتیب:۔محمد صادق قصوری، بُرج کلاں ضلع قصور

''تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء'' میں ضیغمِ اسلام مُجاہدِ ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مجاہدانہ، سرفروشانہ اور عاشقانہ کردار ادا کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک نہایت ہی درخشاں باب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرتِ مجاہدِ ملّت نوراللہ مرقدہٗ تحریک کی قیادت نہ سنبھالتے تو تحریک ناکام ہو جاتی اور آج مرزائیت یوں نیست و نابود نہ ہوتی اور نہ ہی اقلیّت قرار پاتی۔ اللہ کریم جل شانہٗ نے اُن سے یہ کام لے کر امّتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمایا۔

''تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء'' نے جب جسٹس محمد منیر کی سربراہی میں اس تحریک کی انکوائری شروع کی تو حضرت مجاہدِ ملّت علیہ الرحمہ نے عدالت کو درخواست دی کہ اُن کو بھی ایک فریق کی حیثیت دی جائے مگر عدالت نے اپنے مخصوص وضع کردہ اصولوں کی بناء پر اُن کی درخواست کو قبول نہ کیا البتہ ایک تحریری بیان پیش کرنے کی اجازت دے دی جو اُنہوں نے صدہا صفحات پر مشتمل پیش کیا۔ تاہم ''رپورٹ'' میں اکثر مقامات پر حضرت مجاہد ملّت قدس سرہٗ العزیز کا ذکرِ خیر ہے جو من وعن درج ذیل ہے۔ (قصوری)

☆/☆☆/☆

''مولانا عبدالستار خان نیازی بھی اس قسم کے سزا یافتہ قیدی ہیں۔ اُنہوں نے درخواست دی کہ اُن کو بھی کاروائی میں ایک فریق کی حیثیت دی جائے۔ لیکن ہم نے بحث کرنے والے فریقوں کے متعلق جس اُصول کو اختیار کیا ہے، اُس کے ماتحت ہم اُن کی درخواست کو منظور نہ کر سکے۔ البتہ ہم نے اُن کو اِس امر کی اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہیں تو ایک تحریری بیان پیش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے صدہا صفحوں کا ایک بیان پیش کیا جسے ہم نے نہایت احتیاط سے پڑھ لیا''۔ (صفحہ ۵)

☆/☆☆/☆

''عبدالستار نیازی کے متعلق اُن کی رائے یہ تھی کہ اسے فی الحال چھوڑ دیا جائے آیندہ کسی موقع پر اُس کی گوشمالی کر دی جائے گی۔ ڈی آئی جی (سی آئی ڈی) نے یہ کیس ہوم سیکرٹری کو بھیج دیا اور اُن کی توجہ خاص طور پر عبدالستار خان نیازی کی تقریر کی طرف مبذول کرائی۔ ہوم سیکرٹری نے یہ کیس چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جنہوں نے ۲۵۔ جولائی ۱۹۵۴ء کو اس پر مختصر دستخط ثبت کر دیئے''۔ (صفحہ ۸۳)

☆/☆/☆

''وہ فائل جس میں خان عبدالستار خان نیازی ایم۔ ایل۔ اے کی وہ تقریر شامل ہے جو اُس نے ۲۰۔ ستمبر ۱۹۵۲ء کو جھنگ میں کی تھی۔ اُس نے نہ صرف احمدیوں پر نکتہ چینی کی بلکہ یہ بھی کہا کہ پولیس کانسٹیبلوں اور سرکاری کلرکوں کی تنخواہیں بہت کم ہیں جن میں اُن کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی کہا کہ دولتانہ (میاں ممتاز محمد خان دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب) ڈاکو ہے اور ملّت کو لوٹ رہا ہے۔ حکومت کا آخری فیصلہ یہ تھا کہ خان عبدالستار خان نیازی کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی جائے''۔ (صفحہ ۱۲۴)

☆/☆/☆

''۴۔ مارچ (۱۹۵۳ء): اس کابینہ کا ایک اجلاس ہوا جس میں چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس اور ڈپٹی انسپکٹر پولیس بھی شریک ہوئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک تقریر کی رپورٹ پڑھ کر سُنائی جو شب گزشتہ مولانا عبدالستار خان نیازی نے مسجد وزیر خان میں کی تھی، یہ تقریر سخت اشتعال انگیز تھی اور مقرر کی گرفتاری کے لئے ہوم سیکرٹری نے زیر دفعہ ۳۔ پبلک سیفٹی ایکٹ ایک حکم صادر کیا تھا۔ لیکن اس کی تعمیل نہ ہو سکی تھی کیونکہ جس مسجد (مسجد وزیر خان لاہور) میں نیازی نے اپنے آپ کو مسند نشیں کر رکھا تھا، وہ شورش پسندوں کا ایک مضبوط گڑھ بن چکی تھی جس میں داخلہ محال تھا''۔ (صفحہ ۱۵۷)

☆/☆/☆

''سیّد فردوس شاہ ڈی۔ ایس۔ پی ۴۔ مارچ (۱۹۵۳ء) کی شام کو مسجد وزیر خان کے اندر یا دروازے کے عین باہر قتل کر دیئے گئے، جہاں مولانا عبدالستار خان نیازی نے اپنے

آپ کو اس شورش کا واحد حاکم و آمر بنا رکھا تھا''۔ (صفحہ ۲۵۳)

☆/☆/☆

عبدالستار نیازی مسجد وزیر خان میں

''مسجد وزیر خان اندرونِ فصیلِ حصہ شہر کی ایک نہایت اہم عبادت گاہ ہے جس میں چند روز پہلے مولانا عبدالستار خان نیازی قلعہ نشین ہو کر تشدد اور لاقانونی کا وعظ کر رہے تھے اور حکام نے اُن پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ سول حکام کا عام معمول یہ تھا کہ وہ چیرنگ کراس پر جلوسوں کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے (تاکہ اُنہیں گورنمنٹ ہاؤس کی طرف سے روکیں) اور شام کو سول لائنز کے تھانے میں بیٹھ کر مشورے کیا کرتے تھے''۔ (صفحہ ۳۹۱)

☆/☆/☆

''چوتھی مشکل مولانا عبدالستار نیازی (صرف مشکل ہی نہیں بلکہ اُسترے کی دھار!) جنہوں نے اپنا گھر چھوڑ کر مسجد میں اڈا جما لیا تھا اور وہاں سے مذہبی بادلوں کی وہ کڑک اور گرج صادر کر رہے تھے جن کی لرزش گورنمنٹ ہاؤس تک محسوس ہو رہی تھی''۔ (صفحہ ۴۰۰)

☆/☆/☆

نیازی کی گرفتاری

''ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے تجویز پیش کی تھی لیکن دوسرے حضرات مسجد میں گرفتاری کے خلاف تھے''۔

''غالباً یکم۔ مارچ (۱۹۵۳ء) کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو یہ اطلاع ملی کہ مولانا عبدالستار نیازی مسجد وزیر خان میں مقیم ہیں لیکن اُن کی کوئی تقریر ایسی نہیں تھی جس کی بناء پر اُن کو گرفتار کرنا جائز ہوتا۔۔۔۔۔

مجھے معلوم ہوا کہ یہ شورش پسندوں کا گڑھ ہے۔۔۔۔ جب میں نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی تو اس کے بعد پولیس کا کام تھا کہ وہاں جاتی''۔ ہمارے خیال میں اس وقت وہ یہ سمجھے بیٹھے

تھے کہ اُنہوں نے فصیلی شہر کو حکم میں شامل کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اپنی دلیل کو اس مفروضہ پر مبنی قرار دیتے ہیں۔'' ۲۔ مارچ کو یہ اطلاع ملی کہ نیازی برابر حکومت پر نکتہ چینی کر رہے ہیں اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے اس دن مارچ کی تیسری تاریخ تھی میں اُن کو گرفتار کرنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسی اثناء میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں مَیں نے نیازی کی گرفتاری کی تجویز شدّ ومد سے پیش کی لیکن سب اس بات پر متفق تھے کہ مسجد کے اندر گرفتاری نہیں ہونی چاہیئے''۔ اب اس کا مقابلہ اُن کے تحریری بیان سے کیجئے جس میں وہ ۳۔ مارچ کے واقعات کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ میں نے نیازی کو گرفتار کرنے کی تجویز پیش کی کیونکہ وہ تین دن سے عوام کو اشتعال دلا رہے تھے۔ تین دن پیشتر کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ نیازی کم از کم ۲۸۔ فروری سے صرف مسجد میں مقیم ہی نہ تھے بلکہ اُسی وقت سے عوام کو مشتعل بھی کر رہے تھے۔ جب اُن کو اُنہی کا تحریری بیان دکھایا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ تحریری بیان میں جو کہانی لکھی ہے وہ ''اُس غیر واضح معلومات پر مبنی تھی جو مجھے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس سے حاصل ہوئی تھی''۔ ہمارے نزدیک یہ ایسی صورتِ حال ہے جس میں کسی گواہ کو خصوصاً ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہونے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ مجسٹریٹ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے نیازی کو مسجد سے فوراً گرفتار کرنے کی تجویز پیش کی اور دوسرے افسروں نے اُس کی مخالفت کی۔ یہ بیان بھی ۴۔ مارچ کی کانفرنس کے ریکارڈ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ (EX-DE-316) اس ریکارڈ میں ایک فیصلہ شامل ہے کہ ''نیازی کے خلاف انسدادی کاروائی فی الفور کی جائے اور ہوم سیکرٹری زیر دفعہ ۳۔ پبلک سیفٹی ایکٹ اُن کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیں''۔ لیکن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس فیصلے کو اور لفظ ''فی الفور'' کو پڑھنے کے بعد بھی اس پر اصرار کیا کہ جو تجویز ردّ کر دی گئی تھی وہ صرف گرفتاری کی نہ تھی بلکہ (۱) فوری گرفتاری اور (۲) مسجد سے گرفتاری کے متعلق تھی، دوسرے الفاظ میں دیگر افسروں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک نیازی مسجد میں ہے اس کو گرفتار نہ کیا

جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تسلیم کیا کہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ نیازی مسجد سے کب باہر نکلیں گے۔ لہٰذا اگر یہ تاویل کی جاتی تو یہ فیصلہ بالکل مؤثر نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کہتے ہیں، ''بالکل یہی شکایت مجھ کو تھی''۔ علاوہ اس امر کے کہ فیصلے کے الفاظ سے اُن کے بیان کی تردید ہوتی ہے خود ہوم سیکرٹری نے اس سے انکار کیا ہے کہ نیازی کی گرفتاری کے متعلق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی کوئی تجویز رد کر دی گئی تھی۔ فیصلہ یہ تھا کہ انسدادی کاروائی کی جائے یعنی نیازی کو مزید تقریریں کرنے سے روکا جائے اور یہ مقصد نیازی کو فی الفور گرفتار کئے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ ہوم سیکرٹری کا بیان ہے کہ وارنٹ اُسی دن جاری کر دیا گیا تھا جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ہوم سیکرٹری کا یہ بیان دکھایا گیا کہ نیازی پر حکم کی تعمیل نہ کرائی جا سکتی تھی کیونکہ سی۔ آئی۔ ڈی کی اطلاع کے مطابق مسجد جوش میں بھرے ہوئے عوام سے بھری ہوئی تھی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیازی کو مسجد کے اندر گرفتار کرنا مقصود تھا اور نہ یہ میرے اس بیان کے بالکل مطابق ہے کہ اُن کو مسجد میں گرفتار کرنے کے متعلق میری جو تجویز تھی وہ نامنظور کر دی گئی تھی''۔ ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ایسی شہادت کے ساتھ تحقیقات کو جاری رکھنا ناممکن ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کی یہ کوشش نہایت لاحاصل ہے کہ اگرچہ مولانا نیازی مسجد میں گرفتار کئے جا سکتے تھے لیکن اُن کو گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی''۔ (صفحہ ۴۰۳۔۴۰۴)

☆/☆/☆

اگر مسجد وزیر خان کو منقطع کر دیا جاتا

''اب ہم پھر ۴۔ مارچ کا ذکر کرتے ہیں کہ جب سیّد فردوس شاہ قتل کئے گئے تھے۔ اس سے بھی قبل سب کو معلوم تھا کہ مسجد وزیر خان تمام گڑ بڑ کا مرکز ہے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی اس میں مسند نشین ہو چکے ہیں اور ایک ایسی مضبوط نشست سے حکومت کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں کہ اُن کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ کی بھی تعمیل نہیں کی جا سکتی۔ اگر پولیس صورتِ حالات پر قابو پا سکتی تھی تو مسجد کو کھلا کیوں چھوڑ دیا گیا اور اگر اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا

تھا تو اس کو فوج کے حوالے کیوں نہ کیا گیا۔ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر صرف اس ایک ہی صورتِ حالات کو فوج کے حوالے کر دیا جاتا تو بلووں کی رفتار پر نہایت نمایاں اثر پڑ جاتا"۔ (صفحہ ۴۱۹)

☆/☆/☆

☆☆☆

"پاکستانی صرف وہ ہے جو "ختمِ نبوّت" پر یقین رکھتا ہے کیونکہ پاکستان کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے اور اسلام کی تعریف یہ ہے کہ "ختم نبوّت" پر یقین رکھا جائے۔ دستور کی دفعہ نمبر 6 میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ جو دستور پر یقین نہیں رکھتا، اُس کی سزا موت ہے۔ اس لئے جمعیت علمائے پاکستان کا یہ طے شدہ مؤقف ہے کہ قادیانی، اسلام کے دشمن، استعماری ایجنٹ اور برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے۔ ہم نے اس کی چیر پھاڑ کا ہر دور میں فرض ادا کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج قادیانی چھپنے پر مجبور ہو گئے ہیں"۔

(11۔ فروری 2001ء کو لاہور میں جمعیت علمائے پاکستان کی اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی سے مولانا نیازی کا خطاب)

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 12/فروری 2001ء)

/☆/☆/☆/

افتتاحیہ

(حکیم آزاد شیرازی ایڈیٹر ماہنامہ ''تذکرہ'' لاہور)

(کتاب ہذا میں حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ تاریخی خطاب بعنوان ''شہدائے ختمِ نبوت کانفرنس ۱۹۵۷ء'' شامل ہے جو انہوں نے ۱۰۔ مارچ ۱۹۵۷ء کو بیرون دہلی دروازہ لاہور ایک شاندار اور تاریخی ''شہدائے ختمِ نبوت کانفرنس'' میں فرمایا تھا۔ یہ خطاب ''ادارۂ مطبوعات مجلس طلباء اسلام پاکستان چنیوٹ نے بعد میں کتابی صورت میں چھپوا دیا تھا جس پر حکیم آزاد شیرازی ایڈیٹر ماہنامہ ''تذکرہ'' لاہور نے ''افتتاحیہ'' تحریر کیا تھا، جو من وعن درج ذیل ہے۔ خیال رہے کہ کتاب کی ناشر تنظیم اور افتتاحیہ نگار کا تعلق نیازی صاحبؒ کے مکتبہ فکر سے نہیں ہے۔ (قصوری)

رفیقِ محترم جانباز مرزا کے فرزند گرامی عزیزی خالد جانباز اور اُن کے دوست شیخ پرویز صاحب سیکرٹری مجلسِ طلبائے اسلام (چنیوٹ) یہ فرمائش لے کر تشریف لائے ہیں کہ میں شیخ الفاضل محترم عبدالستار خان نیازی ایم اے کے ''شہدائے ختمِ نبوت کانفرنس'' (۱۰۔ مارچ ۱۹۵۷ء) میں خطاب کا افتتاحیہ لکھوں اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اِن عزیزانِ گرامی نے اس بارِ امانت کا ''قرعۂ فال'' مجھ دیوانے پر کیوں دے مارا ہے۔۔۔ کہاں محترم نیازی صاحب کی بلند و بالا شخصیت اور کہاں یہ کوتاہ قامت شیرازی۔ یعنی ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک ۔۔۔لیکن یہ سوچ کر کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اس فرمائش کی تعمیل کر رہا ہوں کہ شاید یہ چند سطور مجھ گنہگار پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہانہ بن جائیں اور قیامت کے روز خاتم النبیین، شفیع المذنبین، رحمۃ العالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامانِ شفاعت میسر آجائے۔

محترم شیخ الفاضل عبدالستار خان نیازی، آغا شورش کاشمیری اور جناب ابوسعید انور

سے راقم الحروف کی یاد اللہ بہت پرانی ہے اور یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتش جوان تھا۔ نیازی صاحب ہندوستان میں خلافتِ اسلامی قائم کرتے کرتے تحریکِ حصولِ پاکستان کے سیاسی مجاہدین کی صف یعنی ''مُسلم لیگ'' میں شامل ہو گئے، آغا شورش، مجلسِ اتحادِ ملت سے ہوتے ہوئے ''مجلسِ احرارِ اسلام'' کی سٹیج پر جلوہ فرما ہوئے، ابو سعید انور ہم وطنوں کو فارسی اور انگریزوں کو اُردو پڑھاتے پڑھاتے ''مسلم لیگی'' بن گئے اور راقم الحروف نے غلبۂ اسلام کی منزل تک پہنچنے کے لئے اس قافلے کی گردِ راہ یعنی ''خاکسار'' بننا قبول کر لیا۔

ما و مجنوں ہم سبق بُو دیم در ایوانِ عشق
اُو بصحرا رفت و ما در کُوچہ ہا رُسوا شُدیم

لیکن جب ہم سب لوگ منزل تک پہنچے تو ہم نے یہ عجیب تماشا دیکھا ۔

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل اُنہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اور ہمارے احساسات کی کیفیت اب تک یہ ہے کہ ۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اپنے آپ کو اقبالؔ میں
آپ ہی گویا مُسافر آپ ہی منزل ہوں میں

ہمارے یہی احساسات جب صورت پذیر ہوتے ہیں تو اُن لوگوں سے جنہوں نے پاکستان کے خطۂ ارضی کے حصول کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑے، اپنے معصوم بچوں کے سروں کو نیزوں کی اَنّی پر رقص بپا کرتے دیکھا، اپنی بہنوں اور بچیوں کی عصمتیں لُٹتے دیکھیں، اپنی ماؤں کی ممتا کو بلکتا دیکھا، اپنی بیویوں کے سہاگ اُجڑنے کا تماشا دیکھا۔ اگر اس سوال کا جواب ''آسودگانِ منزل'' اثبات میں دیتے ہیں تو پھر مجھے یہ کہنے میں ہرگز باک نہیں کہ دنیا کے تختے پر اِن ہندوستانی مسلمانوں سے زیادہ احمق، بیوقوف اور اندھی قوم ہرگز موجود نہیں، اور پاکستان کے عوام اور رہنماؤں کو اپنے ملک کا نام فوراً تبدیل کر لینا چاہئے، ورنہ مستقبل کا مورخ اِس ملک کا تعارف ''احمقستان'' کے نام سے کرانے پر مجبور ہوگا۔

لیکن اگر پاکستان سے عبارت ایک ایسا خطۂ ارضی ہے جہاں اسلام کی حکمرانی،

خدائے بزرگ و برتر کی حکومت اور خاتم الانبیاء سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا قانون نافذ ہوگا اور جو ملک لا الـٰه الا اللّٰـه محمد رسول اللّٰه کے نعرۂ توحید و رسالت کے نتیجے میں ''مملکت خداداد پاکستان'' کہلاتا ہے۔ تو اس ملک میں حکومت کی باگ دوڑ صرف انہیں لوگوں کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے جن کی گردنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا نقش ثبت ہو اور وہ شخص قانونی اور اخلاقی لحاظ سے ہرگز اس ملک کی کلیدی اسامیوں پر فائز نہیں رہ سکتا جو اس غلامی کے شرف سے محروم ہے۔

اسلام، بدھ مت کی طرح انفرادی فعل اور افراد کا ذاتی معاملہ نہیں۔ دینِ اسلام مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا ہے جس سے مسلمان قوم ہر شعبۂ زندگی میں رُشد و ہدایت حاصل کرتی ہے۔

اِس واضح امر کی موجودگی جو لوگ ''دین'' اور ''سیاست'' کو الگ الگ کر کے ''ختم نبوّت'' کے نعرے کو ''مذہبی جنون'' کا نام دیتے ہیں، وہ یا تو جنت الحمقاء میں بستے ہیں یا دیوانہ بکارِ خویش ہشیار کے مصداق ہیں۔ ''ختم نبوّت'' ہی تو وہ مُہر ہے، وہ نقش ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طوق ہے، جس کی بنیاد پر پاکستان کی بلند و بالا عمارت تعمیر اور قائم ہے۔ اس بنیادی پتھر کو نکالنے کی کوشش کرنے والے پاکستان کی عمارت اور اسلام کے ستون کو تباہ و برباد کر دینا چاہتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت'' سے کم و بیش چار برس پیشتر علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے پاکستان کو کچھ پیش آنے والے جن تین بڑے خطروں کی نشاندہی کی تھی، اُن میں سب سے بڑا خطرہ ''قادیانیت'' کا تھا۔ اس خطرے سے پاکستان کے مستقبل کو محفوظ رکھنا آج بھی انتہائی ضروری ہے۔ بابائے صحافت (مولانا ظفر علی خانؒ) کہاں یاد آ گئے ۔

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اِس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں مَیں خواجۂ بطحاؐ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے سلسلے میں جب حکومت نے نیازی صاحب کو تختۂ دار پر چڑھانے کا حکم صادر کیا۔ راقم الحروف نے روزنامہ ''سعادت'' لائل پور میں ''اندھیر نگری چوپٹ

راج'' کے عنوان سے ایک اداریہ سپردِ قلم کیا تھا، جس میں اُس وقت کے اندھے راجاؤں کو توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ ''قادیانیت'' کی گردن میں ڈالنے والا پھانسی کا پھندا نیازیؔ کی گردن میں صرف اس لئے ڈال رہے ہیں کہ نیازیؔ صاحب کی گردن اُنہیں اس پھندے کے مطابق دکھائی دے رہی ہے۔

وقت نے اُن اندھے راجاؤں کی بساطِ سلطنت یوں اٹھا پھینکی کہ اب ان کا نام لیوا بھی کوئی نہیں۔اور نیازی صاحب کی فراخ پیشانی پر ختمِ نبوت کا نور بدستور چمک رہا ہے اور حشر تک چمکتا رہے گا۔(اِن شاءاللہ تعالیٰ)

حضرت شیخ الفاضل عبدالستار خان نیازیؒ صاحب نے اپنی اس جامع ومانع تقریر میں ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت'' کے سیاسی پہلوؤں پر خصوصی توجہ دلا کر عامۃ المسلمین اور اربابِ اقتدار کو اس پر غور وفکر کی جو دعوت دی ہے، فی الحقیقت اس دعوت پر عمل کرنے میں نہ صرف پاکستان کے قیام وبقا اور تحفظ واستحکام کا راز مضمر ہے بلکہ خود اربابِ اقتدار کی فلاح وبہبود، دینوی اور اُخروی نجات اور حسنات اِسی میں پوشیدہ ہے۔

مجلس طلبائے اسلام کے نوجوان کارکن یقیناً لائقِ تبریک وتحسین ہیں کہ وہ اس نایاب تقریر کی اشاعت کا بیڑا اُٹھا کر سعادتِ دارین حاصل کر رہے ہیں۔

خاکپائے شہیدانِ ختمِ نبوت
(حکیم) آزادؔ شیرازی
دفتر ماہنامہ ''تذکرہ'' لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ شہدائے ختمِ نبوّت کانفرنس لاہور 1957ء

(مجاہدِ ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ)

(10/مارچ 1957ء کو بیرون دہلی دروازہ لاہور ایک شاندار اور تاریخی "شہدائے ختم نبوّت کانفرنس" منعقد ہوئی۔ جس سے حضرت مجاہدِ ملّت نے ولولہ انگیز اور فکر خیز خطاب فرمایا، جو من وعن درج ذیل ہے۔ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق پڑھیئے اور اپنے دل و دماغ کو روشن کیجئے۔ قصوری)

نحمده نستعينه ونستغفره نومن به..... الخ

بسم الله الرحمن الرحيم

الذين قالو الاخوانهم وقعد والو اطاعو ناماقتلو ا.. قل فادرؤ واعن انفسكم الموت ان كنتم صدقين.. ولا تحسبن الذين قتلوافى سبيل الله امواتا بل احياء عندربهم يرزقون . فرحين بما انهم الله من فضله ويستبشرون بالذين لم يلحقوابهم من خلفهم الاخوف عليهم ولاهم يحزنون.. يستبشرون بنعمة من الله وفضل وان الله لايضيع اجر المومنين.. الذين استجابوالله والرسول من بعدما اصابهم القرح ط للذين احسنو امنهم واتقوا اجر عظيم.. الذين قال لهم الناس قد جمعولكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل.. فانقلبوابنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء واتبعو رضوان الله ط والله ذوفضل عظيم..

(ركوع 8 آلِ عمران)

یہ کانفرنس اس لئے منعقد ہو رہی ہے کہ آج سے چار سال قبل کی تحریک تحفظ ختم نبوّت کے شہداء کی یادگار منائی جائے، چونکہ یہ ایک کانفرنس ہے، محض ایک جلسہ نہیں، اس لئے میں

خلاف معمول اپنی معروضات تقریر کے بجائے تحریری شکل میں پیش کررہا ہوں۔ تا کہ جو شرکاء کار یہاں موجود نہیں، وہ بھی بیرون جات میں ان مسائل پر غور کرسکیں اور جو احباب یہاں موجود ہیں وہ اس نشست سے اٹھ کر جب واپس جائیں تو زیادہ غور سے ان معروضات کی نسبت سوچ سکیں۔ تحریری شکل میں یہ معروضات پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تحریک ختم نبوت کے جو مخالفین تحریک کے موقف کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اور یوں اس کے متعلق غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں، وہ آسانی سے ایسا نہ کرسکیں۔

یادگار منانے کا مقصد:۔

یادگار منانے سے مفہوم یہ ہے کہ جس واقعہ یا جس شخصیت یا جس پیغام کی ہم یاد منانا چاہتے ہیں، جو ہمیں پسند ہے اور جس کی ہمارے دل میں قدر ہے، اس کی تفصیلات وقت گزرنے سے ہمیں بھول نہ جائیں۔ اس لئے جن کو وہ تفصیلات یاد ہیں وہ انہیں دہرائیں۔ ہم ایک مرتبہ پھر دیکھیں کہ جس شے کی ہم یادگار منارہے ہیں وہ ہمیں کیوں محبوب تھی؟ اس کا کون سا پہلو ہمیں عزیز تھا؟ مدت گزر جانے کے بعد بھی ہم کیوں اسے بھولنے پر آمادہ نہیں؟ اس یاد کو تازہ کرنے سے کیا فائدہ ہے اور جس مقصد کی خاطر وہ شے ہمیں عزیز تھی، بدلے ہوئے حالات میں وہ مقصد کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟

تحریک کیوں شروع ہوئی؟

فروری 1953ء کے آخر میں کراچی اور لاہور سے تحریک تحفظ ختم نبوت نے تین مطالبات کو خواجہ ناظم الدین کی مسلم لیگی وزارت سے منوانے کی خاطر ''راست اقدام'' کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ تحریک کی ابتداء ایک مجلس عمل نے کی تھی۔ جس نے یہ پہلے سے بتادیا تھا کہ تحریک کا مقصد تشدد یا قانون شکنی نہیں، بلکہ اس وزارت کو استعفےٰ دینے پر مجبور کرنا ہے جو رائے عامہ کے مطالبات کو تسلیم نہیں کرتی۔ خود اپنی جماعت کے فیصلے پر بھی عمل نہیں کرتی اور جس نے سوائے راست اقدام کے اور کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑا، جس کے ذریعے یہ تین

مطالبات منوائے جاسکیں نہ یہ وزارت ملک کا آئین ہی مکمل کرنے پر آمادہ تھی۔ آئین کی عدم تکمیل کی صورت میں عام انتخابات کا بھی امکان نہ تھا۔ جہاں رائے عامہ آئینی طریقے سے اپنے مطالبات پورے کرواسکتی۔

وہ تین مطالبات یہ تھے:۔

اوّل............سرظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے ہٹا دیا جائے۔ کیونکہ وہ اپنے اس مذہبی عقیدے کا خود اقرار کر چکے ہیں کہ برطانوی حکومت سے وفاداری ان کے دین وایمان میں داخل ہے اور جو شخص کسی غیر مملکت کی حکومت سے شرعی وفاداری اپنے ایمان میں داخل سمجھتا ہو، وہ پاکستان کی آزاد مملکت میں وزارت خارجہ جیسے اہم عہدے پر متمکن رہنے کا ہرگز اہل نہیں۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ ہر مسئلہ میں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم نہ کرے اور حضور سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات میں سے کسی کی تفسیر، تعبیر یا تاویل کا سوال پیدا ہو تو مسلمانوں کی کثرت رائے کے فیصلے کی پابندی کو اپنے لئے ضروری سمجھے۔ پاکستان اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ یہاں اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خاطر ایک وطن قائم کیا جائے۔ لہذا جو لوگ پاکستان میں رہنا چاہیں لیکن خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کو کسی مسئلہ میں آخری حجت تسلیم نہ کریں یا حضور ﷺ کی کسی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرت رائے کی پابندی قبول نہ کریں، اُنہیں آئین پاکستان کے ماتحت اقلیت قرار دینا چاہیے۔

تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ پاکستان بن جانے کے بعد یہاں سب سے بڑا مسئلہ حکومت کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت لانے کا ہے۔ حکومت صرف وزارت کا نام نہیں بلکہ اس میں سرکاری ملازمین کو بھی بڑا دخل ہے۔ لہذا جب تک پاکستان میں سرکاری محکموں کی کلیدی اسامیوں پر صرف ایسے سرکاری ملازمین کو مقرر نہیں کیا جاتا جو ہر مسئلہ میں خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم کریں اور حضور ﷺ کی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرت رائے کی فیصلے کی پابندی اپنا ایمانی اور منصبی فرض سمجھیں، تب تک پاکستان کو اسلامی مملکت نہیں بنایا جاسکتا۔

اس کانفرنس میں تاخیر کیوں ہوئی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مطالبات تو آج سے پانچ سال قبل پیش کیے گئے تھے۔ ان کے متعلق راست اقدام کی تحریک چار سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ اس وقت کی وزارت نے اس تحریک کو کچلنے کیلئے جب مسلمانوں کو شہید کیا تھا، اس واقعہ کو بھی اتنی ہی مدت گزر چکی ہے۔ لیکن آج تک ان شہداء کی یادگار بنانے کے لئے اس پیمانے پر کانفرنس اس سے پہلے کیوں نہ منعقد ہو سکی۔

مختصر طور پر اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب یہ تحریک شروع ہوئی تو اس وقت ایک ایسی وزارت مرکز میں اور صوبے میں برسر اقتدار تھی جو پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانے کے وہ وعدے بھول چکی تھی کہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

یہ وزارت جس ایوان کے سامنے جواب دہ تھی (جیسا کہ بعد میں ایک عدالتی مقدمے کے دوران ثابت ہوا) وہ ایوان اپنے آپ کو مختار مطلق اور سلطان مطلق سمجھتا تھا اور جب تک ان کو عدالتی پروانے کے ذریعے ان کی کرسیوں سے برطرف نہ کر دیا گیا، تب تک انہوں نے اپنے منصب سے کسی صورت ہٹنے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔

نماند ستمگار بد روزگار

یہ وزارت اور یہ ایوان بعض سرکاری افسروں کے ساتھ مل جل کر من مانی رنگ رلیاں مناتے تھے۔ لہٰذا جب تحریک تحفظ ختمِ نبوّت نے ''راست اقدام'' کا آغاز کیا تو ان ارباب اقتدار نے نہ عوام کے مطالبات مانے، نہ ''راست اقدام'' کرنے والوں کی پُرامن عوامی گرفتاریاں قبول کیں، بلکہ پہلے ان پر لاٹھی چلائی، پھر گولی چلائی اور آخر میں فوج کو دھاوا بولنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد ملک میں ارباب غرض نے ایک ایسی صورت پیدا کر دی کہ ختمِ نبوّت کا نام لینا قانون شکنی کے ہم معنی قرار پایا۔ عام مجرموں کو ارتکاب جرم سے پہلے ارادۂ جرم کی سزا

نہیں دی جاتی، لیکن ختم نبوّت کا عقیدہ بیان کرنا بھی کچھ مدت تک جرم قرار پا گیا تھا۔ جب ملک کے قانون نے پورا ساتھ نہ دیا تو سیفٹی ایکٹ سے کام لیا گیا، جو غدارانِ وطن کے خلاف استعمال کرنے کی خاطر بنایا گیا تھا۔ جب سیفٹی ایکٹ سے بھی تسلی نہ ہوئی تو بنگال ریگولیشن سے کام لیا گیا۔ جب اس سے بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا تو مجلس دستور ساز جو سات سال میں ملک کا دستور نہ بنا سکی تھی، اس نے ساٹھ گھنٹے کے اندر ایک انڈمنٹی ایکٹ منظور کر دیا، جس کے سادے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت جس کو چاہے ختم نبوّت کا نام لینے کے جرم میں جیل کے اندر ڈال دے، پھانسی کے تختے پر لٹکا دے، جائداد قرق کر لے، جو فریاد کرے اس کو بھی شریکِ جرم قرار دے کر جو چاہے سزا دے۔

ظاہر ہے کہ اس سختی اور جبر سے دہشت پھیلی۔ جن کے دل میں دہشت نے اثر نہ کیا ان کے سامنے یہ سوال تھا کہ جب ارباب اقتدار فوج کشی پر آمادہ ہو گئے ہیں، تو ان کا مقابلہ کرنے سے ملک کے اندر خانہ جنگی پیدا نہ ہو جائے۔ جو پاکستان ہم نے لاکھوں قربانیوں سے حاصل کیا ہے، اس کا استحکام اور سالمیت خطرے میں نہ پڑ جائے۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ رقبے اور آبادی کے لحاظ پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے۔ وہ گہوارہ ہے جس میں پرورش پانے والے ان شاء اللہ العزیز ایک دن دنیا کے اندر اسلامی نظام قائم کر کے ہی دم لیں گے۔ اس لئے عارضی طور پر یہاں ختم نبوّت کی تحریک کو کچلنے والے ارباب اختیار سے بھی کھلا تصادم ہمارے مقاصد کیلئے مفید نہ تھا۔ جس قانون کو ہم نے غلط سمجھا اس کا مقابلہ بھی ہم نے قانون کی حد سے آگے بڑھ کر نہ کیا۔ کیونکہ ہم اپنی تلواریں ان دشمنوں کے لئے بچا کر رکھنا چاہتے ہیں جو صرف ہماری گردنیں ہی نہیں کاٹنا چاہتے، بلکہ ہمارے وطن کو ختم کر دینے کے عزائم رکھتے ہیں۔

قربانی دینے والوں کا صبر کام آیا۔ پہلے صوبے کی وہ وزارت ختم ہوئی جس نے تحریک ختم نبوّت کو مکر اور تشدد سے ختم کرنا چاہا تھا۔ پھر وہ مرکزی وزارت ختم ہوئی، جس نے اقتدار کے زعم میں ختم نبوّت سے سرکشی کی تھی۔ پھر وہ مجلس دستور ساز ختم ہوئی جس نے انڈمنٹی جیسے قانون بنا کر تحریک ختم نبوّت کے خلاف قانون بنانا چاہا تھا۔ تب وہ آئین بھی ختم ہو گیا جس

نے اس قسم کی مجلس دستور ساز کو آٹھ سال تک ہمارے سروں پر مسلّط کر دیا تھا۔ لولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع والبيع المساجد يذكر فيها اسم الله . . . الخ الله تعالیٰ' اگر بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں سے ٹکرا کران کا فتنہ دور نہ کر دیتا تو خدا کا نام لینے والے درویشوں کی خانقاہیں اور معابد ویران ہو جاتیں اور کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہتا۔

نئے دستور کی سہولتیں:۔

اس کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ایک نیا دستور پچھلے سال نافذ ہوا۔ ہم اس دستور کو اسلامی لحاظ سے بے نقص نہیں سمجھتے۔ لیکن اس ۔ ستور کے بن جانے کا یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اب ملک میں کوئی گورنر جنرل باقی نہیں رہا جو ملکۂ برطانیہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت میں عوام کے مطالبات کو ہمیشہ قانون کے دائرے کے اندر رہ کر دبا سکے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مرکزی اور صوبائی ایوان کے اراکین ابھی رائے عامہ کے نمائندے نہیں، یہ بھی درست ہے کہ عام الیکشن کی تاریخ ہر سال اگلے برس پر ملتوی کر دی جاتی ہے۔ لیکن یہ کھیل زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ اب ملک کے اندر آئینی جدوجہد کی ایک ایسی راہ کھل چکی ہے کہ ملک کے باشندوں کی اکثریت اگر کسی بات پر تل جائے تو اس کے ارادے پورے ہونے میں تاخیر تو ڈالی جا سکتی ہے، لیکن ان ارادوں کو مٹایا نہیں جا سکتا اور ان کی کامیابی سے مفر نہیں اور جو لوگ رائے عامہ کی مخالفت کریں یا اطاعت نہ کریں، ان کے زیادہ دیر تک برسراقتدار رہنے کا بھی امکان نہیں۔

جب میں کہتا ہوں کہ نیا آئین بن جانے کے بعد رائے عامہ کے فیصلوں کو پاکستان میں زیادہ دیر تک نافذ ہونے سے باز نہیں رکھا جا سکتا تو میرا اشارہ صرف عام الیکشن کی جانب نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ عام الیکشن میں بھی بدعنوانیاں اور بے قاعدگیاں کی جا سکتی ہیں۔ میں عام الیکشن کی تیاری اور اس کے نتائج سے زیادہ اہم ملک کی جمہوری رائے عامہ کی تربیت کو خیال کرتا ہوں۔

نئے آئین کے ماتحت عوام کو جو بنیادی حقوق حاصل ہو چکے ہیں اور ان بنیادی حقوق

کے نفاذ کیلئے عدالتی پروانہ حاصل کرنے کا جو آسان طریقہ رائج ہو چکا ہے اور اس طریقے کو استعمال کرتے ہوئے ارباب اقتدار کی متعدد بدعنوانیوں کو روکنے میں جو کامیابی حاصل ہو چکی ہے، وہ ختم نبوت پر حتمی عقیدہ رکھنے والوں کے لئے یہ راہ کھول دیتے ہیں کہ وہ ملک کی رائے عامہ پر اپنے مقاصد کی اہمیت واضح کریں۔ انہیں اپنا ہم نوا بنائیں اور مخالفین نے سچائی کے سورج کو چھپانے کے لئے جھوٹ کے جو بادل پھیلا رکھے ہیں، ان کو چاک کر دیں۔ اگر یہ کام سلیقے اور صبر سے انجام دیا جائے تو ان مٹھی بھر مفاد پرستوں کی سازشوں کو ناکام بنایا جا سکتا ہے جو تحریک کو بدنام کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

کانفرنس اب منعقد ہونے کی وجہ:۔

یہ وجہ تھی کہ شہداء ختم نبوت کانفرنس چار سال تک اس پیمانے پر منعقد نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے تازہ حالات میں نہ ''راست اقدام'' کی ضرورت باقی ہے، نہ تحریک کے عزائم کو آئین اور قانون کی حدود کے اندر پروان چڑھنے سے دشمنوں کی کوئی سازش روک سکتی ہے اور نہ آج کوئی ایسی طاقت ملک کے اندر موجود ہے، جو تشدد اور جبر سے اس تحریک کو کچل سکے۔

جب قدرت نے یوں ہمیں چار سال پہلے شمع نبوت پر قربان ہو جانے والے ان پروانوں کی یادگار منانے کا موقع دیا تو آیئے ہم ذرا غور کریں کہ شہادت کیا ہے؟ شہادت کا منصب کیا ہے؟ اسلامی شہید کی وہ کیا خصوصیت ہے جو اسے دنیا کے دوسرے نامور سورماؤں سے ممتاز کرتی ہے، جو کسی قومی یا دنیاوی مقصد کی خاطر اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

موت سے بڑی قربانی کوئی نہیں:۔

اس دنیا کی تمام تکالیف اور مصیبتوں کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ موت کے ایک جزو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے اگر کافر بھی کسی مقصد کی خاطر اپنی جان قربان کرتا ہے تو ہمیشہ احترام کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ مسلمان جب کسی دنیا کے جھگڑے میں اپنی جان پر کھیل جاتا ہے تو چاہے اس میں دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی بھی کی گئی ہو تب بھی مرنے والے سے

ایک عجیب قسم کی ہمدردی محسوس کی جاتی ہے۔

دیکھیے چند سال پہلے ڈھاکہ میں بعض بنگالی نوجوانوں نے اس مقصد کی خاطر بلوہ کردیا کہ سرکاری زبان بنگالی ہونی چاہیے۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح بنگالیوں کو سرکاری نوکریاں زیادہ ملیں، بلوہ میں چند نوجوان مارے گئے۔ اس وقت انہیں مجرم، قوم کے دشمن وغیرہ القاب دیئے گئے۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ کچھ مدت بعد ایک ایسی پارٹی برسراقتدار آگئی، جوان مرنے والوں کو شہید کے نام سے یاد کرتی ہے۔ پھر مرکز میں ایک ایسی حکومت بن گئی، جو اس بنگالی پارٹی کے ووٹوں کے بغیر حکومت کی گدی پر نہیں بیٹھ سکتی۔ مرکزی اسمبلی کا حالیہ اجلاس جاری تھا کہ کسی نے ان بنگالی زبان کے شہیدوں کی یاد میں اسمبلی کا اجلاس 5 منٹ تک ملتوی کرنے کی تجویز پیش کردی۔ ایوان کی ہر قابل ذکر پارٹی نے اس تجویز کی تائید کی۔

اسی طرح 1930ء میں جب انگریز کے خلاف کانگرس کی تحریک زوروں پر تھی اور صوبہ سرحد کی سرخ پوش تحریک نے کانگرس کے ساتھ شرکت اختیار کرلی تھی تو قصہ خوانی بازار پشاور میں کچھ پٹھان انگریزی فوج سے الجھتے ہوئے مارے گئے۔ بعد میں ان کو بھی شہید کا لقب دے دیا گیا۔ ان کی یاد بھی اب ہر سال دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔

مغربی ممالک میں یہ عام دستور ہے کہ جنگ میں کام آنے والے کسی ایک گمنام سپاہی کی قبر ملک کے دارالحکومت میں بنا دیتے ہیں اور باہر سے آنے والا ہر معزز مہمان اس قبر پر اسی طرح پھول چڑھاتا ہے، جیسے پاکستان میں قائداعظم علیہ الرحمۃ اور شہید ملتؒ کے مزارات پر گلدستے چڑھائے جاتے ہیں۔

مسلمان شہید کی خصوصیت:۔

بلاشبہ وہ تمام لوگ جنہوں نے اپنی قوم کی کوئی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی جان قربان کردی وہ اوران کی یاد ایک احترام کی مستحق ہے۔ لیکن ہم مسلمان جو اپنے آپ کو اسوۂ ملّت ابراہیمی کا نام لیوا سمجھتے ہیں، ہمارے ہاں شہید کے معنی، اس کا مقام اور اس کی یاد منانے کے معنی کچھ مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں قوم کا مفہوم بھی دوسری قوموں سے

بالکل مختلف ہے۔ ہماری قوم کے قومی مفاد بھی ان معنوں میں قومی نہیں جس طرح دنیا کی دوسری قوموں کے ہاں اجتماعی مفاد کی نگہداشت ہوئی ہے۔

ملت ابیکم ابراھیم ط ھو سمکم المسلمین .. من قبل وفی ھذا الیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونو شھداء علی الناس .. (الحج، رکوع 17)

تمہاری ملت کا انتساب تمہارے بزرگ ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی تمہیں مسلمان کے نام سے پکارا۔ قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے بھی تمہیں اسی وجہ سے مسلمان کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں بھی تمہیں مسلمان ہی کا نام دیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے منصب پر شہادت دیں اور تم انسانیت کے مرتبے کی شہادت دو۔

دوسرے مقامات پر ملت ابراہیمی کو دوسری قوموں سے ممتاز کرنے والے اوصاف کی یوں تشریح کی گئی ہے کہ

قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراھیم والذین معه اذقالو القومھم انا برآء ومنکم ومما تعبدون من دون الله کفرنا بکم وبرا بیننا وبینکم العداوة والبغضاء ابداحتی تؤ منو ابالله وحده ..... (الممتحنه رکوع 1)

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی سنت کی پیروی مسلمانوں کے لئے بہترین دستور ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: "اے کافرو! تم اللہ کے سوا جن کی پرستش کرتے ہو، ہم ان سے اور تم سے بے تعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے مابین ہمیشہ عداوت اور بغض رہے گا۔ جب تک کہ تم ایک خدا پر ایمان نہیں لاتے"۔

کافر، خدا کے سوا جن کی پرستش کرتے ہیں ان کی وضاحت کرتے ہوئے ابراہیمؑ نے جس رائے کا اظہار کیا وہ قرآن مجید میں ایک مقام پر یوں بیان کی گئی ہے:

وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بینکم فی الحیوة الدنیا ثم یوم القیمة یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا وما ولکم النار وما لکم من ناصرین.. (العنکبوت رکوع 3)

ابراہیم علیہ السلام نے کافروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "تم لوگ خدا سے جدا جن بتوں کی پرستش کرتے ہو تمہاری اس پرستش کی بنیاد بتوں سے بھی کسی مخلصانہ وابستگی پر نہیں، بلکہ دراصل تم کو دنیا کی زندگی کا لالچ ہے اور دنیا سے یہ مشترکہ لالچ رکھنے کے باعث تمہارے اندر ایک باہمی لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور اس لگاؤ کی مجسم شکل تم نے بتوں کو بنالیا ہے۔ لیکن تمہاری اس وابستگی کا پول قیامت کے دن کھل جائے گا۔ (جب دنیاوی تعلقات کے رشتے کٹ چکے ہوں گے) تب تم ایک دوسرے سے ان تعلقات کا انکار کرو گے اور باہم لعنتیں بھیجو گے۔۔۔الخ"۔

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ:۔

غرض مسلمان اس لئے ایک ملت ہیں کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کا دین قبول کرلیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کائنات کے حقائق پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ ستارے چاند نکلنے پر مدھم پڑ جاتے ہیں، چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے زائل ہو جاتی ہے اور خود سورج بھی ایک وقت غروب ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کے محسوس حقائق بدلتے رہتے ہیں، کوئی اصلیت نہیں رکھتے۔ اصلیت اس پائیدار طاقت کو حاصل ہے جو ان سب حقائق کو پیدا کرتی ہے۔ مسلمان اس دنیا کے مٹ جانے والے واقعات سے توجہ ہٹا کر خدا کی ہمیشہ رہنے والی قدرت کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے کا خواہشمند ہے۔ وہ دنیا کی قدر صرف اسی حد تک کرتا ہے جس سے آخرت کی فصل کاٹی جا سکے۔ مسلمان مل کر جب ایک قوم کی شکل اختیار کرتے ہیں تو اس قومیت کے نظام سے بھی ان کا مقصد ایک ایسا طریقۂ زندگی رائج کرنا ہے، جو انہیں دنیا کے رشتوں سے پاک کر کے اور اونچا اٹھا کر آخرت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع دے۔

دنیا کی دوسری قومیں قومیت کے نظام اس لئے قائم کرتی ہیں کہ کوئی اپنی نسل کو دنیا کی دوسری نسلوں کے حصہ کی زمین چھین کر دینا چاہتا ہے، کوئی دوسروں کو غلام بنانا چاہتا ہے، کوئی تجارت یا دولت کی ترقی چاہتا ہے۔ لیکن مسلمان اپنی شخصیت کی اس نشو ونما کا خواہش مند ہے، جس کے لئے زمین، نسل اور دولت وسائل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

موت حقیقی زندگی کا آغاز ہے:۔

مولانا رومؒ نے حضرت امیر حمزہؓ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جوانی میں زرہ پہن کر جنگ کرتے تھے، لیکن مسلمان ہوئے تو زرہ اتار کر جہاد میں شامل ہوئے۔ کسی نے پوچھا: ''آپ جوان تھے تو زرہ پہنتے تھے، اب بڑھاپے میں بغیر زرہ کے لڑنا کہاں مناسب ہے''۔ آپ نے جواب دیا: ''جوانی میں طبعی شجاعت کے بل پر جنگ کرتا تھا، جیسے پروانہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر آگ کی طرف جاتا ہے۔ تب مقصد موت نہ تھا، بلکہ طبیعت کی تسکین کی خاطر موت کے کھیل میں حصہ لیتا تھا۔ بہرصورت خواہش یہی ہوتی تھی کہ موت سے بچ کر دنیاوی کامیابی حاصل کرلوں۔ لیکن اب ایمان لانے کے بعد یہ راز کھلا ہے کہ وہ ناموری جس کی خاطر جنگ میں حصہ لیتے تھے اصل حقیقت نہیں بلکہ اصل حقیقت اس سے ایک قدم آگے ہے۔ طبیعت کو جو سکون خطرات برداشت کرنے سے ملتا تھا، اس طبیعت کو تسکین دینا ہی اصل مقصد نہیں بلکہ اصلیت اس سے آگے ہے۔ اس لئے اب ایمان لانے کے بعد میں جنگ میں جاتا ہوں تو طبعی جوش کی تسکین یا ناموری حاصل کرنے نہیں جاتا، بلکہ ایک برتر زندگی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اب مجھے نہ موت سے بچنے کی خواہش ہے اور نہ ناموری کی آرزو میں زندہ رہنے کی خاطر زرہ پہننے کی حاجت''۔

لیک از نور محمد ﷺ من کنوں
نیستم من شہر خاکی را زبوں (رومیؒ)

میں نے اس تقریر کے آغاز میں جن آیات کریمہ کی تلاوت کی تھی، ان میں بھی اس نکتے کی وضاحت ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ کہتے ہیں، وہ خود زندگی اور موت کی حقیقت سے جاہل ہیں۔ اگر یہ دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے تو پھر اعتراض کرنے والو! تم خود کیوں آخرکار اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا لیتے۔ موت یہ ہے کہ جس میں تم دنیا کے قیام کے دوران گرفتار ہو اور زندگی وہ ہمیشہ رہنے والی حالت ہے، جو اس دنیاوی موت سے چھٹکارا پانے کے بعد تمہیں حاصل ہوگی، اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ یہ تو

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے پاس زندگی حاصل کرلی، وہاں وہ کھاتے پیتے بھی ہیں اوراللہ کا فضل پانے کی خوشی سے بھی مسرور ہیں۔ اپنے سے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی اپنے جیسی زندگی کی بشارت دیتے ہیں، ان کی زندگی میں نہ خوف ہے نہ غم۔ وہ یہ بشارت دیتے ہیں کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اللہ کا فضل اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کی راہ کھلی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو چوٹ کھانے کے بعد ہی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ جب انہیں دشمنوں کے غلبے سے بددل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو ان کی قوتِ ایمانی میں اوراضافہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ بہترین کارساز ہے۔ یہ لوگ اللہ کے فضل سے لدے پھدے واپس آتے ہیں۔ بے شک اللہ بڑا صاحبِ فضل ہے۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے:۔

شہید کے مقام کے متعلق مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ وہی ہے جو میں نے آیاتِ قرآنی کے حوالے سے ابھی بیان کیا ہے، ممکن ہے جولوگ دنیاوی زندگی کی لذتوں کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں، شاید وہ شہداء کی اس روحانی عظمت کو پوری طرح نہ سمجھ سکیں، ایسے لوگوں کو سمجھانے کی خاطر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس دنیاوی کامیابی اور ترقی کو انہوں نے اپنا معیار بنالیا ہے، علاوہ شہداء کی روحانی اور آخروی عظمت کے۔ یہ دنیاوی کامیابی بھی شہداء کے کارناموں ہی کا ایک ادنٰی کرشمہ ہوتی ہے۔

آج ہم فخر سے سراونچا کر کے کہتے ہیں کہ روسی اور امریکی بلاک کے مقابلے میں انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک اسلامی بلاک بننے کا امکان موجود ہے۔ ذرا غور کرو، اگر بدر وحنین اور احد واحزاب کے وہ شہداء اپنی جانیں نچھاور نہ کرتے جن کی تعداد شاید انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے تو آج ہمارا یہ اسلامی بلاک کدھر ہوتا۔ صرف یہی نہیں، اس تیرہ سو سال کی مدت میں کیا کیا سلطنتیں بنیں اور بگڑیں۔ چشم فلک نے کیا کیا عظمتیں ابھرتی ہوئی دیکھیں، تہذیب وتمدن اور علوم وفنون نے دہلی، کابل، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ میں کیا کیا بلندیاں حاصل کیں، نہ معلوم روزِ قیامت تک اسلامی تمدن ابھی مزید کیا کیا عروج حاصل کرتا ہے۔ کیا یہ سب کارنامے، یہ

سب فضیلتیں، اگر ہم محض ان کے مادی پہلو پر ہی توجہ دیں اور تھوڑی دیر کے لئے ان شہداء کی ان روحانی عظمتوں سے قطع نظر بھی کر لیں جو میرے اور آپ کے ایمان کے مطابق ان تمام دنیاوی دولتوں سے زیادہ پرشکوہ ہیں، تو کیا یہ تاریخ کے تمام درخشندہ صفحات ان چند شہداء کی ذات میں اسی طرح مضمر نہ تھے، جس طرح شاہ بلوط کا ایک تناور اور عظیم درخت ایک رائی کے برابر بیج میں چھپا ہوتا ہے، صدیوں تک لوگ اس کے سائے میں بیٹھتے ہیں۔ اس کی ایک ایک شاخ سے شاندار محلات کی چھتیں تعمیر ہوتی ہیں، فرنیچر بنتے ہیں، لیکن کیا یہ سب کچھ اس ننھے بیج کی قربانی کے بغیر ہو سکتا تھا۔ جس نے اپنی جان نچھاور کر دی تا کہ ان عظمتوں کو جنم دے سکے۔

پاکستان کے اصل معمار شہداء تھے:۔

خود پاکستان کی گزشتہ تاریخ پر ایک نگاہ ڈالئے۔ ابھی 28 سال ہی تو گزرے ہیں کہ اسی شہر میں ایک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تھی کہ ایک گستاخ ہندو نے ”رنگیلا رسول“ نامی کتاب شائع کر کے خاتم النبیین ﷺ کے ناموس پر ہاتھ بڑھانے کی جرأت کی تھی۔ ملک کا قانون ملتِ اسلامیہ کے اس مرکز اور محور کو بچانے سے انکار کر چکا تھا، ایک غریب بڑھئی کا نحیف لڑکا اُٹھا اور اس نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جو بڑی بڑی علم دین رکھنے والی شخصیتوں اور بارسوخ سیاسی لیڈروں کے بس کا روگ نہ رہا تھا۔ اس ایک شہید کی کوشش سے یہ نتائج برآمد ہوئے کہ قانون بھی بدل گیا، عدالت عالیہ کے فیصلے بھی بدل گئے اور جو مسلمان اقلیت کی پوزیشن میں اپنے رسول ﷺ کے ناموس کے تحفظ کے لئے مطالبات کیا کرتے تھے، انہیں ایک جداگانہ قوم کی حیثیت میں ایک مستقل وطن کے مدعی ہونے کا حوصلہ مل گیا۔ مؤرخ کہتا ہے کہ پاکستان کا مطالبہ علامہ اقبالؒ کے الہٰ آباد کے خطبے سے شروع ہوا۔ میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ فلسفی کا خواب شہید کے جہاد کا محض ایک عکس تھا، جو ہم اور آپ دیکھ سکتے ہیں۔ خبر نہیں اس کے اور کتنے عکس لوح سے لے کر عرش تک ابھی تک ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اور آنے والی نسلیں ان کے آثار سے کیا کیا برکتیں حاصل کریں گی۔

یہ غازی علم دین شہیدؒ کا دکھایا ہوا راستہ تھا۔ جس پر چل کر شہید گنج کی مسجد کو غلط

قانون کے پنجے سے چھڑانے کی کوشش کی گئی۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ وہ کوشش ناکام رہی، لیکن چشم بصیرت دیکھ سکتی ہے کہ غیر مسلموں کو شہید گنج سے نکالنے کی جو کوشش شروع ہوئی تھی، اسی نے تمام مغربی پاکستان کو غیر مسلموں کے غلبے سے نجات دلانے کی مہم کی صورت اختیار کر لی۔

قیام پاکستان کی تحریک میں جن شہدا نے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں، اگر آج ہمیں اپنے گناہوں کے باعث یہ نظر حاصل نہیں کہ ہم عالم اخروی میں ان کی روحانی بلندیوں کو دیکھ سکیں، تو کم از کم ان کا یہ اثر ہماری یہ گنہگار آنکھیں بھی دیکھ سکتی ہیں کہ جن کو آخرت کی پروا تھی، ان کو اللہ نے آخرت کے انعامات سے نوازا اور ان کے جن بھائیوں کو فقط دنیا کی ہوس تھی انہیں شہداء کی قربانیوں کے طفیل ملت کے ان دنیا پرست عناصر کو دنیاوی انعاموں سے یوں سیراب کیا کہ جن کو قلم پکڑنا نہ آتا تھا اُن کے قلم دفتروں پر حاوی ہو گئے اور جن کو کلرکی میں ترقی کی آرزو رہتی تھی وہ دنیا کے بادشاہوں کی صفوں میں ہم نشین ہو گئے لگے۔

تحریک ختمِ نبوّت ایک سیاسی انقلاب کا پیش خیمہ تھی:۔

شہداء ختم نبوّت کی ابھی تک تعداد معین نہیں ہو سکی۔ مغربی پاکستان کے مختلف شہروں، قریوں اور دیہات میں جو دور ابتلا آیا۔ اس کی تفصیل بھی یک جا قلم بند نہیں ہوئی، لیکن میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، قیام پاکستان سے لے کر 1953ء تک اسلام کے نام پر جس طرح چند پیشہ ور سیاست دانوں نے ایک پولیٹیکل پارٹی کے سوا تمام سیاسی جماعتوں کے گلے گھونٹ دیئے تھے اور بقول پاکستان کی عدالت عالیہ کے جس طرح مجلس دستور ساز نے یہ پوزیشن حاصل کر لی تھی کہ اگر وہ ابدالاباد تک ملک کا آئین تیار نہ کرتی تو انہی گنے چنے سیاسی بازی گروں نے پاکستان کے سیاسی اقتدار پر اجارہ داری قائم رکھنی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ تحریک ختم نبوّت سے پہلے ملک میں اس جور و استبداد سے نجات دلانے کیلئے کوئی عوامی تحریک نہ اُٹھی؟ یہ ٹھیک ہے کہ بظاہر گورنر جنرل نے اس دستور یہ سے نجات دلائی۔ لیکن گورنر جنرل کے اس اقدام کے لئے سازگار صورت حال کس تحریک نے پیدا کی۔ اگر گورنر جنرل ہی اس اصلاحی قدم کے محرک اولیٰ تھے تو وہ کیا قوت تھی جن نے گورنر جنرل کی مطلق العنانی کے دور کو استقامت حاصل نہ کرنے

دی۔ شاید کہا جائے کہ یہ ملک کی رائے عامہ تھی یا دانشور طبقہ کا جمہوری شعور تھا جس نے یہ کارنامے انجام دیئے لیکن میں اس صورت حال میں یہ دوسرا سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا مضراب تھی جس نے ملکی رائے عامہ اور دانشور طبقہ کی رگوں میں چھ سال سے منجمد خون کو پھر زندگی کی گردش سے حرارت عطا کی۔ بلاشبہ یہ شہداء ختم نبوت کے گرم خون کی تپش تھی جس نے اس جمود و تعطل کو دور کیا۔

دنیا کی ہر نعمت شہداء کی قربانی کے طفیل حاصل ہے:۔

اگر خدانخواستہ اس تمام مجمع میں کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے، جسے شہداء کی اخروی عظمتوں کے باور کرنے میں ذرا شک ہے۔ تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسے شخص کی توجہ اس کھلی حقیقت کی طرف مبذول کروا دے کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی اسلامی تحریک جس طرح وطن پرستی کی آڑ میں جانب منفعت اور استبدادی حکومت کے استقلال کے راستے پر چل نکلی تھی اس کی باگیں موڑ کر اسے جمہوریت، آئین اور اسلامی اقتدار کے راستے پر لانے والی واحد قوت ان شہداء کی قربانی تھی۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسے شخص کے سینے کو اس سیاسی کارنامے کی قدر و قیمت سمجھا کر اس کی بلند تر روحانی عظمتوں کا اندازہ کرنے کی جانب متوجہ کر دے۔

اے حاضرین جلسہ! اگر ہم اپنی روز مرہ کی زندگی پر نگاہ ڈالیں۔ اگر ہم صرف ان چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھیں، جن سے ہمیں مادی فائدے اور جسمانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے مکانات اور زمینیں جو باپ دادا سے ورثے میں حاصل ہوتی ہیں، یہ باپ، بیٹے اور بہن بھائی کے رشتے جن سے آنکھوں کو سرور اور دلوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے، یہ لذیذ کھانے جو کھائے جاتے ہیں اور پینے کی چیزیں جنہیں پیا جاتا ہے، یہ دوستوں کی محفلیں اور برادریوں کی رسمیں جن سے میل جول اور دنیا کے ملاپ قائم ہیں۔ غرض دنیا کی ہر وہ شے اور ہر وہ رشتہ جس سے یہاں آرام ملتا ہے یا دنیا کی زندگی با معنی بنتی ہے۔ کیا یہ سب چیزیں اس بات پر قائم نہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر ایک اپنائیت کا رشتہ قائم ہے اور ہم میں کم از کم کچھ لوگ بعض اقدار پر متفق

ہیں؟ خدانخواستہ اگر ہمارے اندر سے حرام اور حلال، جائز اور ناجائز، برے اور بھلے کی تمیز مٹ جائے تو کون کس کا رہے گا۔ نہ کوئی کسی کا باپ ہوگا اور نہ کوئی کسی کا بیٹا۔ نہ کوئی کسی جائیداد کا مالک ہوگا اور نہ کوئی کسی کا وارث۔ نہ کوئی اپنا ہوگا اور نہ کوئی بے گانہ وغیرہ۔

ہماری قومیّت کی بنیاد عشقِ ناموسِ رسول ﷺ ہے:۔

اب ذرا ایک لمحہ کے لئے غور کرو کہ یہ سارے رشتے اور یہ سارے بندھن کس کے واسطے سے قائم ہیں۔ کیا یہ ہمارا پیارا اور آخری نبی ﷺ ہی نہیں جس نے ہمیں سکھایا ہے کہ اس کائنات کا ایک رب بھی ہے اور کیا اسی نے ہمیں آگاہ نہیں کیا کہ قرآن اس برتر اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اور یہ قرآن نہیں جس کے بتائے ہوئے دستور سے خاندان قائم رہتے ہیں۔ ان نکات کو فلسفیانہ موشگافیاں نہ سمجھو۔ ذرا سوچو اگر نبی ﷺ کا نام بیچ سے اٹھ جائے تو وہ کیا حد ہوگی، وہ کون سی دیوار ہوگی جو تمہیں پٹیل، تارا سنگھ یا نہرو سے جدا رکھے گی اور تمہیں تم نہ ہوگے تو پاکستان کہاں ہوگا۔ اور اگر پاکستان نہ ہوگا تو یہ حکومت کہاں ہوگی اور قومی غیرت کس شے کا نام ہوگا۔ پھر اگر یہ موٹی بات ہے کہ ان سب رشتوں اور ان تمام وابستگیوں کی جڑ خاتم النبیین ﷺ ہیں، تو جو طاقت تمہیں اس نبی ﷺ سے جدا کرتی ہے، وہ کیا تمہارے ماں باپ، بھائی بہن، تمہاری جائیداد اور تمہاری زندگی کی ہر اس خوشی سے محروم نہیں کرنا چاہتی جس سے تمہاری دنیاوی زندگی کے یہ سہارے بھی قائم ہیں۔ ایسی شیطانی قوت سے جو تمہیں تمہارے نبی ﷺ سے بیگانہ کرنے کیلئے کوشاں تھی، بچانے کی خاطر جن نوجوانوں نے اپنا شباب قربان کر دیا، جن بوڑھوں نے بڑھاپے میں جواں ہمتی دکھائی اور جن بچوں نے لڑکپن میں پیرانہ سالی کی دوراندیشی کا ثبوت دیا گیا، ان تمام شہداء کے متعلق یہ کہنا کسی قسم کا مبالغہ ہوگا کہ ان کی ہمت کے بغیر تم دنیا کی ہر نعمت سے بھی محروم ہو جاتے؟

دنیا کی سرسبزی خونِ شہیداں کی سرخی سے سیراب ہے:۔

موسم آئیں گے اور رتیں بدل جائیں گی۔ بارانِ رحمت ہوگی اور شہداء کی قبروں کو دھو کر

بہہ جائے گی۔ خزاں کے پتے ہوا سے اڑیں گے اور قبرستانوں میں بکھر جائیں گے۔ موسم بہار میں شبنم اپنے ٹھنڈے آنسو اُن مزارات پر ٹپکائے گی جن کو شاید کبھی لوح مزار بھی نصیب نہ ہو۔ لیکن کیا ہم اور ہماری آئندہ نسلیں ان شہداء کا دنیاوی احسان بھی کبھی فراموش کر سکتے ہیں، جنہوں نے اپنی جانیں دیں تاکہ تم زندہ رہو۔ جنہوں نے موت کی تلخی چکھی تاکہ تم نشوونما کی مٹھاس سے بہرہ ور ہوسکو، جنہوں نے اس دنیا میں اپنا سب کچھ تج دیا تاکہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ بھی محفوظ رہے اور آئندہ تم مزید بھی حاصل کرسکو۔ خدانخواستہ اگر ہمارے اندر کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جو مرنے کے بعد ان شہداء کی شفاعت سے رحمتیں حاصل کرنے کی توقع سے محروم ہو چکا ہے تو میں پوچھتا ہوں وہ کون بدبخت ہوگا جو اس جہاں کی برکتوں سے محرومیت قبول کرنے کے بعد اس جہاں کی ایک ایک گھڑی کو بامعنی بنانے والے عالی حوصلہ عاشقانِ پاک طینت کی عظمت کا بھی انکار کرے۔

تحریک ''صرف مذہبی'' نہیں تھی:۔

اے دوستو! جب ہم ان پاکیزہ روحوں کو فاتحہ کا ثواب پہنچانے سے فارغ ہوں، تو آؤ چند منٹ اس پر بھی غور کریں کہ ان جان پر کھیل جانے والے دلیروں کے روحانی اور مذہبی عزائم پر جہاں ہم نے نگاہ ڈالی ہے، وہاں اس عالم اسباب میں وہ کیا حالات تھے، جنہوں نے خاص مارچ 1953ء میں انہیں اس تحریک کا علم بردار بننے کی رغبت دی۔

یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ مسلمان کا دین اس کی دنیا سے جدا نہیں۔ مسلمان کی سیاست اس کی عبادت سے منقطع نہیں۔ باوجود اس کے تحریک تحفظِ ختم نبوّت کے متعلق یہ ایک افسوسناک سانحہ ہے کہ اس تحریک کو ان معنوں میں بار بار مذہبی تحریک کہا گیا ہے۔ گویا یہ ایک سیاسی، اقتصادی اور عالم گیر تحریک نہ تھی۔ جب ''مذہبی'' کا لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کی وہی گت بن جاتی ہے جس طرح ''مذہبی سکھوں'' کی ترکیب لفظی میں، مذہبی کا اسلامی مفہوم مسخ ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ''تحریک تحفظِ ختم نبوّت'' ان معنوں میں ایک مذہبی تحریک تھی جن معنوں میں ''تحریک قیام پاکستان'' ایک مذہبی تحریک تھی، جن معنوں میں ''تحریک حصول

کشمیر" ایک مذہبی تحریک ہے اور جن معنوں میں سود کی ممانعت سے پاکستان کی اقتصادیات کو مغربی بنکاری کے انسانیت کش اثرات سے نجات دلانے کی تحریک ایک مذہبی تحریک ہوگی۔

اس غلط لفظ اور غلط بیانی کی ابتداء اس ماحول میں ہوئی جب کہ "راست اقدام" کو بغاوت کے مترادف قرار دینے کی ناجائز کوشش جاری تھی۔

تحریک کا مقصد سیاسی بھی تھا:۔

جس شخص نے تحریک تحفظ ختم نبوّت کی ابتداء اور ارتقاء کے مراحل کا مطالعہ کیا ہے اور اس وقت کی تقاریر اور جلسوں کی کاروائی اور کارکنوں کی جدوجہد اور تنظیم کی سرگرمیوں پر اس کی نگاہ ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس تحریک کے چلانے والوں کو صرف یہ خیال دامن گیر نہ تھا کہ وہ الٰہیات، فقہ یا علم عقاید کا کوئی اصولی مسئلہ بجائے مدرسہ میں طے کرنے کے مسند حکومت پر بیٹھ کر سلجھانے کے خواہشمند تھے۔ بات یہ تھی کہ الٰہیات، فقہ اور علم عقاید کے ایک مسلمہ مسئلہ کو بعض سیاسی، اقتصادی اور عملی سازشوں کی مصلحت نے یوں الجھا دیا تھا کہ بغیر اس مسئلہ کو مسند حکومت پر بیٹھ کر طے کئے نہ ان سیاسی غداروں کا علاج کیا جا سکتا تھا جو نبوّت کا نور ملکہ وکٹوریہ کے نور سے اخذ کرنا چاہتے تھے نہ ان اقتصادی رخنہ اندازوں کا قلع قمع ہو سکتا تھا جو امریکہ میں پیدا ہونے والے وافر غلے کی منڈی پاکستان میں مہیا کرنے کی خاطر ایک طرف پاکستان کے دریاؤں کا رُخ بدلے جانے پر کسی عملی مداخلت کی بجائے یو۔این۔او میں ساڑھے بارہ گھنٹے تقریر کرنا کافی سمجھتے تھے اور دوسری طرف ملکی غلے کو بھارت میں سمگل ہونے کا موقع دے کر یہاں مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر رہے تھے، نہ ہی ان عالم گیر سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا جو روس اور امریکہ کی لڑائی میں اسلام کے نام پر پاکستانی سپاہیوں سے وہی کام لینا چاہتے تھے جو پہلی اور دوسری عالم گیر جنگوں کے دوران راولپنڈی اور جہلم کے رنگروٹوں نے بغداد اور مصر میں حکومت انگلشیہ کی زرّین خدمات بجالا کر انجام دیا تھا۔

تحفظِ ختم نبوّت کے مسئلہ کے دینی پہلو کو یکسر علیحدہ رکھتے ہوئے تین سراسر دنیاوی مسائل ایسے تھے جو پاکستان کو درپیش تھے اور درپیش ہیں اور جن کا حل ختم نبوّت کے اصول

کو پاکستان کی سیاست، پاکستان کی اقتصادیات اور پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور اور مرکز بنائے بغیر ممکن نہ تھا۔

پاکستان کی سالمیت ختمِ نبوت کے اعتقادات سے وابستہ ہے:۔

(۱) پہلا مسئلہ پاکستان کی سیاسی ہیئت تشکیل قائم رکھنے اور نشوونما دینے کا تھا۔ میں منصب شہادت کے متعلق قرآنی آیات نقل کرتے وقت آپ کو توجہ دلا چکا ہوں کہ ملت ابراہیمؑ دنیا میں ایک انوکھی قومیت کی ابتداء تھی۔ امت محمد یہ ﷺ اسی ملتِ ابراہیمؑ کے احیا کا نام ہے۔ اس ملت کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کی دوسری تمام قوموں کے برخلاف یہ ملت محض ان افراد کی حفاظت اور بہبودی کی خاطر قائم نہیں جو اس کے اندر شامل ہیں، بلکہ یہ ملت اپنے آپ کو کائنات کی تمام مخلوقات اور دنیا کی تمام دیگر اقوام کی صحیح رہبری کیلئے بھی جواب دہ تصور کرتی ہے۔ اس ملت کی اپنی کوئی نسل نہیں۔ اس میں ہر دوسری نسل کے افراد کے لئے شامل ہونے کا راستہ ہمیشہ کھلا ہے لیکن یہ ملت دنیا میں انسانیت کی ایک نئی نسل پیدا کرنا چاہتی ہے جس کی نسلی خصوصیات سنت ابراہیمؑ کی تقلید ہے۔ بیسویں صدی میں پاکستان کا قیام ایک عجوبہ تسلیم کیا گیا۔ اس لئے کہ پاکستان کے دو منطقوں میں نہ جغرافیائی ہمسانگت ہے نہ زبان مشترکہ ہے، نہ پٹ سن اور روئی کی کاشت اور فروخت یکساں اقتصادی اصولوں کی پابند ہے۔ صرف دین کا رشتہ ہے جس کی بناء پر ملک قائم ہوا اور قائم رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں، دین کے عام فہم معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آخری نبی ﷺ کی تعلیمات کو زندگی کے ہر مسئلے میں آخری حجت مانا جائے اور زمانے میں جن لوگوں نے اس نبی ﷺ کی تعلیمات کو زندگی

کے ہر مسئلے میں آخری حجت تسلیم کیا ہے، ان کی کارگزاری کی روشنی میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا مفہوم سمجھا جائے۔ جسے فقہا کی اصطلاح میں سنت سلف صالحین کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں بھی قرآن وسنت کو سارے آئین کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کی سالمیت برقرار رکھنے کی خاطر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہونے والی کتاب اور کس نبی کی سنت آئین کا سرچشمہ ہے۔

ختمِ نبوّت کے بغیر دوقوم کا نظریہ باقی رہے گا نہ ایک پاکستانی قوم:۔

گویا ختم نبوّت صرف فقہ اور عقائد کا مسئلہ نہیں۔ یہ پاکستان کے آئین اور قانون کا مسئلہ ہے۔ یہ مشرقی پاکستان، کشمیر، سرحد، بلوچستان، پنجاب، اور سندھ کو ایک دوسرے سے پیوست کرنے یا ایک دوسرے سے اکھاڑ کر ریزہ ریزہ کردینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں یہ پاکستان کو بھارت سے جدا کرنے یا بھارت کے ساتھ واپس ملحق کردینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں یہ ہر پاکستانی خاندان کے اندر نسب اور صلہ رحمی کے رشتے قائم رکھنے یا منقطع کردینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلمان کے کسی مسلمان کی شخصیت کو قائم رکھنے یا ایک دیوانے کے خواب کی طرح اس کی شخصیت کے متعلق اجزا کو ایک دوسرے سے برسرپیکار کر کے اس کی اخلاقی اور ذہنی موت وارد کردینے یا توحید سے اس کو بامعنی بنادینے کا مسئلہ ہے۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ کسی شاعر کی مبالغہ آرائی یا کسی واعظ کی محفل آرائی نہیں۔ تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ جس دن سے ''تحریک تحفظ ختم نبوّت'' کو کچلا گیا ہے اس دن سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین مساوات نمائندگی اور مساوات تقسیم کے مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ جس پختونستان کو ہم جاہلانہ عصبیت کا نام دیا کرتے تھے، وہ ہمارے صدر مملکت اور ایک بیرونی بادشاہ کے مابین موضوع گفت وشنید بن چکا ہے۔ ملک کی ایک کے بجائے دو زبانیں مقرر ہو چکیں ہیں۔ جس پنجاب نے پاکستان بنانے کیلئے سب سے زیادہ قربانی دی، جس نے

سب سے زیادہ مہاجرین کو آباد کیا، آج اس کو ساٹھ فی صدی کی بجائے چالیس فی صدی نیابت ملتی ہے اور ادنیٰ ملازمتوں میں یہ تناسب بیس سے لے کر تیس فی صدی تک گر چکا ہے۔ مجھ سے زیادہ صوبائی عصبیتوں کا مخالف کوئی نہ ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک مسلمان بھائی کا حق دوسرے مسلمان بھائی کو منتقل کر دینا ظلم ہے۔ ظلم سے تعصب مٹا نہیں کرتے بلکہ ہر تعصب کی پرورش کسی ظلم سے ہوتی ہے۔ کل پنجاب کے نام پر بنگال کو اس کے کثرت آبادی کے حق نیابت سے محروم کیا گیا تھا۔ بعض نادان پنجابی اس پر خوش ہوئے کہ بنگالی بڑے متعصب ہیں۔ اچھا ہے کہ ان کی نیابت کم ہوگئی ہے۔ اس کا صلہ یہ ملا ہے کہ آج خود پنجاب ساٹھ فیصد کے بجائے چالیس فیصد نیابت پاتا ہے اور قبائلی نمائندگی کے نام پر پولیٹیکل ایجنٹوں کے بنائے ہوئے جرگے اسمبلیوں میں نمائندے بھیجتے ہیں۔ غرض ظلم کی جڑ سے ہمیشہ ظلم کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ ظلم اور انصاف کے مابین حد سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اور کسی پیمانے سے کھینچی نہیں جاسکتی۔ نبی ﷺ کی شخصیت کو ملک کی سیاست سے خارج کرنے کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ خود ملک کی سیاست مجہول اور معدوم ہو کر رہ گئی ہے۔ جن بوالعجبیوں پر کبھی مسلم لیگ کا مذاق اڑایا جاتا تھا آج ملک کی ہر سیاسی پارٹی ان بوالعجبیوں کا عجائب گھر بن کر رہ گئی ہے۔ اور خود مسلم لیگ جو پاکستان کے مخالفین کے مسند اقتدار پر قابض ہو جانے کے شکوے کیا کرتی تھی وہ ملک کی وحدت کی جڑ پر کلہاڑے چلانے والوں کے ساتھ سودا بازی پر مجبور ہے۔

اقتصادی مشکلات کا حل بھی ختم نبوّت ہے:۔

(2) دوسرا مسئلہ پاکستان کی اقتصادیات کو کوئی واضح شکل دینا اور اقتصادی مشکلات کو حل کرنے کا تھا۔ یہ مسئلہ آگے تین ضمنی مسائل پر منقسم ہے۔ ایک یہ کہ خوراک کی کمی کس طرح دور ہو۔ اگر ہر سال یہی چلن رہا کہ قرض لے کر ادھار کھاتے رہے تو ایک دن اپنے ساتھ اولاد اور باپ دادا کے ورثے کو بھی خاکم بدہن رہن رکھنے کی نوبت آجائے گی۔ دوسرا ضمنی مسئلہ صنعت کو ترقی دینے اور صنعت کو

زراعت کے مابین توازن قائم رکھنے اور بین الاقوامی تجارت کا کوئی منصوبہ بنانے پر مشتمل ہے۔ تیسرا ضمنی مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے اندر جو دولت یا جائیداد فراہم ہو اس کی تقسیم کسی منصفانہ بنیاد پر ہونی چاہئے۔ تاکہ خواہ مخواہ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر نہ ہوتے چلے جائیں۔ کسی پرہنر سے کمانے کا راستہ بند نہ ہو اور کسی بے ہنر پر دوسروں کی کمائی ہتھیا لینے کے راستے کھلے نہ رہیں۔

یہ موقع ان مسائل پر تفصیلی بحث کا نہیں۔ مختصر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک ضمنی مسئلے کے مختلف حل ہیں۔ مثلاً خوراک کے متعلق کوئی کہتا ہے کہ پہلے کاشتکاروں کو حقوق ملکیت ملنے چاہئیں۔ کوئی کہتا ہے کہ بڑے زمینداروں کو ملکیت سے محروم کر دینا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے کہ قومی ملکیت مسئلے کا اصل حل ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جس حکومت سے گندم اور چینی کی تقسیم منصفانہ نہیں ہو سکتی، زرعی اراضی بھی اسی کے ڈپٹی کمشنروں کی قومی ملکیت بن گئی تو زعفران کی طرح پنساری کی پڑیوں میں تلاش کرنی پڑے گی۔ علیٰ ہذا القیاس صنعت سے متعلق کسی کا خیال ہے کہ ملکی صنعت کاروں پر بے جا قیود عائد ہیں اور کسی کا خیال ہے کہ ان کو ناجائز نفع کمانے کے مواقع مہیا ہیں۔ دولت اور جائیداد کی مساوی اور منصفانہ تقسیم کے متعلق بھی کمیونزم سے لے کر سرمایہ داری تک مختلف نظریات ہیں۔

میں یہاں ان میں سے کسی نظریہ کی مخالفت یا موافقت بے موقع سمجھتا ہوں لیکن ایک سوال پوچھنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کیا ان میں سے کوئی حل بھی اس وقت تک قابل عمل ہو سکتا ہے یا اس سے کوئی مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں، جب تک ملک میں کوئی ایسی قوت پیدا نہ ہو جو اس حل پر واقعی کچھ عرصہ تک استقلال اور ہمت سے عمل کروا سکے۔ یہ تو نہ ہو کہ چار سال میں ایک پنج سالہ منصوبہ بنے اور چار ہفتوں میں اس کو نئی وزارت نامنظور کر دے۔ مزید برایں کوئی حل اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب ملک کے وسیع رقبوں میں اس پر عمل درآمد ہو سکے اور ملک کے مختلف طبقات کے معتدبہ عناصر دلجمعی اور حسن نیت سے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر آمادہ ہوں۔

زرعی اصلاحات بھی ختم نبوّت کے سہارے ہی ممکن ہیں:۔

یہ دونوں باتیں یعنی کسی حل پر عمل کرانے کے لئے کسی زبردست قوت کا مہیا ہونا اور ملک کے وسیع رقبوں میں غالب اکثریت کا اس حل کو خوش دلی سے قبول کرنا اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک ملک کی آبادی میں کوئی مشترکہ معیار ایسا نہ ہو جس کے مطابق مختلف خیالات اور مختلف دلائل کو جانچا نہ جا سکے۔

میں پوچھتا ہوں کہ پاکستان میں سوائے آخری نبی ﷺ کی تعلیمات کے وہ کون سا معیار ہے جسے ملک کے ہر حصے میں ہر شخص بغیر چون وچرا کے قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہمارا ملک ایک دیہاتی ملک ہے جس کی اکثر آبادی ناخواندہ ہے۔ سوائے اسلام کی اصطلاحات کے یہ لوگ نہ کوئی زبان جانتے ہیں، نہ کسی علم سے واقف ہیں، جس کی وساطت سے مسائل ان کو سمجھائے جا سکیں۔ اکنومکس، فزکس، بیالوجی، سائیکالوجی اور سوشیالوجی کے فارمولے اور باتوں سے قطع نظر محض اس لئے بے کار ہیں کہ خود نسخہ لکھنے والوں کو بھی اکثر اجزا کا کچھ حال سوائے اس کے معلوم نہیں کہ کسی نے کچھ اس کے متعلق کہیں کسی زمانے میں بیان کیا تھا اور اس نسخہ کی عطاری کے لئے تو سوائے لندن یا نیویارک کے غیر ملکی ماہرین کے اور کوئی کارآمد نہیں ہو سکتا۔ کسی گاؤں میں جایئے، کسی شخص کو یہ سمجھایئے کہ بھئی فلاں فعل نہ کرو۔ یہ بڑا اینٹی سوشل ایکٹ ہے یا فلاں منصوبے کی تائید کرو، اس سے جمہوریت کو نشو ونما ہوگی۔ کیا سو میں سے ننانوے آدمیوں کی سمجھ میں خاک بھی پلے پڑے گی؟ برعکس اس کے خیبر سے لے کر چٹاگانگ تک کسی شخص کو یہ سمجھایئے کہ بھئی یہ فعل مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور فلاں تجویز کی اس لئے تائید کرو کہ کالی کملی والے ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا تو یہ دوسری بات ہے کہ وہ آپ کی رائے سے متفق ہو یا نہ ہو، لیکن ایسا کون ہوگا جو اس بات کو سمجھ نہ جائے۔ عورتیں اور بچے بھی اس زبان کو بخوبی سمجھتے ہیں۔

خارجہ پالیسی بھی ختم نبوّت کے اصول کی محتاج ہے:۔

(3) تیسرا مسئلہ عالمگیر حکمت عملی اختیار کرنے کا تھا۔ جدید ایجادات نے دنیا کی ایسی کایا پلٹ دی ہے کہ دور دراز کے ملک ایک رشتے میں بندھ گئے ہیں۔ بوڈاپسٹ میں بغاوت ہوتی ہے تو کراچی کی سیاست پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ واشنگٹن میں صدر منتخب ہوتا ہے تو بھائی پھیرو (ضلع قصور) کی میونسپلٹی کے عہدے داروں میں تغیر و تبدل کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جمہوری سرمایہ داری سویز اور الجزائر کے زخموں پر پھایہ رکھنے میں قاصر ثابت ہو رہی ہے۔ اور ''دنیا بھر کے مزدور متحد ہو جاؤ'' کا نعرہ لگانے والے ہنگری کے مزدوروں پر گولی چلانے سے باز نہیں رہ سکتے۔ اس کیفیت میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ اسلامی ملکوں سے رشتے مضبوط کئے جائیں۔

لیکن اسلامی ملکوں سے رشتے مضبوط کرنے کا مطلب کچھ عرصے سے یہی سمجھا گیا ہے کہ دو مسلمان ملکوں کے انگریزی بولنے والے اور پتلون پہننے والے لیڈر کسی سینما میں اکٹھے بیٹھ کر کوئی اطالوی فلم دیکھ کر ایک دوسرے کی صحت کے جام نوش کر لیں۔ چاہے از روئے تقویٰ قلقل و مینا میں سوائے سادہ پانی کے اور کچھ نہ بھرا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی ملاقات کا انتظام و اہتمام جس فرنگی لارڈ یا امریکی بینکر کی مدد سے ہوگا اس کے پڑھائے ہوئے میاں مٹھو اپنے استاد کی سکھائی ہوئی ''دریں چہ شک'' سے زیادہ اور کیا بات کر سکیں گے۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ ملک فیروز خان نون صاحب کو اسرائیل کی یہودی حکومت کے قیام کی ابدیت میں کوئی شک باقی نہ رہے گا اور وہ پکار اُٹھیں گے کہ ''پندرہ لاکھ یہودیوں کو سمندر میں تو نہیں دھکیلا جا سکتا''۔ وہ یہ بھول جائیں گے کہ ان یہودیوں سے زیادہ تعداد رکھنے والے فلسطینی عربوں کو ان کے وطن دھکیلا جا چکا ہے۔

یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ پاکستان، کنیڈا اور فلپائن کی مدد سے کشمیر حاصل کرانے کی امید سے مست ہو کر مصر اور شام کے ساتھ تعلقات بگاڑ لے گا۔ غرض نہرو بڑا بھائی قرار پائے گا اور افغانستان سے سرحد کا جھگڑا نمٹنے میں نہ آئے گا۔

اتحاد عالم اسلام بھی مسئلہ ختم نبوّت کے تصفیہ کا منتظر ہے:۔

کیا اس الجھن کا حل سوائے اس کے ہو سکتا ہے کہ مسلمان ممالک سے پاکستان کے تعلقات صرف بادشاہوں، رئیسوں اور رقاصوں کے تبادلے تک محدود نہ رہیں، بلکہ مسلمان عوام ایک دوسرے کے حالات اور مسائل سے آگاہ ہوں۔ لیکن جب ہمارے خارجہ تعلقات کی بنیاد یہ ہو تو کیا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کے سوا کوئی اور وسیلہ بھی ایسا ہے جو نعت کی موسیقی، مسجد کی عبادات اور قرآن کی زبان کی مانند مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے مسلمانوں کو ایک کر سکے۔

یہ تین مسائل ایسے تھے جو سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے ہٹائے بغیر حل نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ بیرونی ممالک میں آخری نبی ﷺ سے زیادہ پرچار قادیان کے نبی کی تعلیمات کا کیا کرتے تھے۔ نہ ہی ملک میں اس وقت تک سیاسی استحکام پیدا ہو سکتا تھا، جب تک حکومت کے اندر ایک دوسری حکومت قائم کرنے والے نظام کا خاتمہ نہ کر دیا جاتا جس کی جداگانہ پولیس، جداگانہ عدالتیں، جداگانہ خزانہ اور جداگانہ بیرونی سفارتیں قائم ہو چکی تھی۔ غضب یہ ہے کہ اس خانہ ساز حکومت کا پاکستان کی حکومت کے محکموں سے براہ راست رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ خود فوج بھی اس مداخلت کا نشانہ بنائے جانے سے محفوظ نہ تھی، جو کام ملکی حکام کے اشارے سے نہ ہو سکتا تھا، وہ خلیفہ ربوہ کی سفارش سے ہو سکتا تھا۔

راست اقدام کے متعلق غلط فہمیاں:۔

یہ سیاسی، اقتصادی اور بین الاقوامی وجوہات تھیں جن کی بناء پر ’’تحریک تحفظ ختم نبوّت‘‘ نے 1953ء میں ’’راست اقدام‘‘ کا آغاز کیا۔ ’’راست اقدام‘‘ کے مفہوم کے متعلق غلط فہمی پھیلانے کی ایسی منظم کوشش کی گئی کہ خود تحریک کے سادہ لوح بھی اس کا مفہوم بھول چکے ہیں۔ یا کم از کم اس کے متعلق الجھاؤ محسوس کرتے ہیں۔ ہم جن شہداء کی یادگار منانے کیلئے جمع ہوئے ہیں اگرچہ ان کا جذبۂ قربانی ان روحانی اور دینی مقاصد سے متعلق تھا جن کا ہم ذکر

کر چکے ہیں، لیکن ان کی اس قربانی کے سیاسی، اقتصادی اور بین الاقوامی نتائج بھی اس قدر اہم ہیں کہ ان کی جدوجہد کے مادی اسباب کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ ''راست اقدام'' کے مفہوم کو سمجھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ تحریک کو آئندہ چلانے کیلئے اس کی گزشتہ تاریخ سے واقف ہونا ازبس ضروری ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ بحالات موجودہ ''راست اقدام'' کی ضرورت نہیں، لیکن 1953ء میں جو''راست اقدام'' کیا گیا تھا اس کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنا اور حقیقت حال کو معلوم کرنا ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' کے آئندہ پروگرام کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

راست اقدام کی تاریخ:۔

''راست اقدام'' کی تاریخ سمجھنے کیلئے ہمیں 1919ء اور 1920ء کے پُر آشوب دور کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ وہ مردِ مجاہد تھے جنہوں نے اس برصغیر کے دورِ غلامی کے حالات پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انگریزی استبداد کو ملک کے اندر متشدد بغاوت سے ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ فقہ اسلامی کا بھی یہ مسئلہ ہے کہ جب نہ قدرت ہو اور نہ امکان قدرت بلکہ جہاد کے آغاز میں ہی ہلاکت یقینی ہو تو امیر کو حتی الوسع قتال شروع کرنے میں توقف کرنا چاہئے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ مرحوم نے اس وقت کے تمام سرکردہ علماء سے مشورہ کیا کہ اسلام دین فطرت ہے۔ وہ ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس وقت جب کہ ملک میں فرنگی کا غلبہ ہے۔ غدار طاقتوں نے انگریز کا ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس وقت مسلمان جنگ آزادی کے لئے کیا حربہ استعمال کریں۔ ان لوگوں نے بین الاقوامی حالات پر نگاہ کی۔ برصغیر میں مسلمانوں کی قوت کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب کفر کا مقابلہ مادی لحاظ سے ناممکن ہو جائے تب بھی یہ امکان تو ہمیشہ باقی رہتا ہے کہ کفر کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے۔ کفر کو ظلم کرنے میں بھی ایسے مجبور کیا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ظلم کرنے پر مجبور ہوتا جائے۔ حتیٰ کہ ظلم شدت کی اس انتہا کو پہنچ جائے جہاں اس کا جاری رکھنا ظالم کیلئے ناممکن ہو جائے۔ اس نئے حربۂ جنگ کو اور نئے اصول جنگ کو ''تحریک عدم تعاون'' اور ''ترک موالات''

کا نام دیا گیا۔ غالباً اس اصول اور حربے کا سر چشمہ آیہ قرآنی تھی کہ "تعاونو اعلی البر والتقوے ولا تعاونو اعلی الاثم العدوان" ۔"نیکی اور بھلائی کے کام میں تعاون کرو، لیکن گناہ اور سرکشی سے تعاون نہ کرو"۔ خود جواہر لال نہرو کو اپنی خودنوشتہ سرگزشت میں یہ اقرار ہے کہ برصغیر میں پہلی سول نافرمانی مولانا محمد علی جوہرؒ نے جمعیۃ العلماء کے تعاون سے شروع کی۔ گاندھی اور انڈین نیشنل کانگریس نے کہیں ایک مہینہ بعد جا کر مسلمانوں کی پیروی میں اس سول نافرمانی میں حصہ لینا شروع کیا۔ انگریزی زبان میں تو مسلمانوں کے اخبارات بہت ہی کم تھے اور پھر ان اخبارات میں سے بھی کئی حکومت وقت کا ساتھ دیتے تھے۔ برعکس اس کے ہندوؤں کے کارخانے اور اخبارات ملک کے اکثر حصوں میں قائم ہو چکے تھے۔ اس لئے گاندھی گو ایک ماہ بعد تحریک آزادی میں مولانا محمد علی جوہر کا پیرو بنا تھا، لیکن ہندو پریس نے اس کو یوں اچھالا اور اس کا اتنا چرچا کیا، دوسری طرف ہندو مالدار طبقہ اور وکلاء نے اس کثرت سے اور اس گرمجوشی سے گاندھی کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے اس طبقے نے جس کی حکومت میں رسائی تھی، مولانا محمد علی جوہرؒ سے ایسی کنارہ کشی رکھی کہ تحریک عدم تعاون گاندھی سے منسوب ہو گئی۔ گاندھی نے اس تحریک پر اپنا ہندو روغن پھیرنے کی خاطر ایک تو اہنسا کے اصول کا زیادہ چرچا شروع کیا جس کا مطلب عدم تشدد تھا۔ دوسرا اس نے ستیہ گرہ یعنی سچائی پر زیادہ زور دیا۔ انگریزی اخبارات نے اس تحریک کا نان کوآپریشن اور سول ڈس او بیڈینس (Non Co- Operations & Civil Disobedience) کا نام دیا۔ 32-1930ء میں جب کانگرس نے دوبارہ اسی طریقے پر حکومت چلائی تو برصغیر میں یہ سیاسی طریقہ کار ایک مسلمہ سیاسی اسلوب فکر و عمل کی شکل اختیار کر گیا۔ اس زمانے میں جب کانگریس کے عہدے دار انگریزی حکومت کو یہ تحریک شروع کرنے کی دھمکیاں دیتے تھے تو اس وقت عدم تعاون کے مقابلے میں سول نافرمانی کی تحریک کو ڈائریکٹ ایکشن کا نام دیا گیا۔

مسلم لیگ کا ڈائریکٹ ایکشن:۔

1940ء میں مسلم لیگ نے پاکستان کی قرارداد منظور کی۔ 1947ء میں جب پنجاب

کے اندر مسلم لیگ نیشنل گارڈز پر پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلم لیگ نے بھی سول نافرمانی کی۔ کچھ عرصہ بعد صوبہ سرحد میں بھی مسلم لیگ نے ایسی ہی سول نافرمانی کی۔ قائد اعظم جب کانگرس اور انگریزوں پر قیام پاکستان کے مطالبے کو منوانے کیلئے زور دے رہے تھے تو انہوں نے سارے ہندوستان میں 26 جولائی 1946ء کو ڈائریکٹ ایکشن ڈے بھی منوایا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کلکتے کے اندر سچ مچ ہی ہندو اور مسلمانوں میں کچھ مدت کھلی جنگ شروع ہو گئی تھی۔

برصغیر کی سیاسی تاریخ کا یہ پس منظر تھا جس میں ''راست اقدام'' کی اصطلاح نے یہ خاص مفہوم اختیار کر لیا تھا کہ جب حکومت وقت عوام کے مطالبات کو تسلیم نہ کرے اور کوئی ایسا آئینی راستہ بھی نہ چھوڑے جس کے ذریعے عوام حکومت کو اپنے مطالبات منوانے پر مجبور کر سکیں اور عوام کی مصلحت کسی بناء پر حکومت کے ساتھ کھلی جنگ پر آمادہ نہ ہوں اور متشدد تصادم بھی شروع نہ کرنا چاہیں تو ایسی صورت حال میں عوام یہ چارۂ کار بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ کسی ایک قانون کی پُرامن اور اصطلاحی نافرمانی سے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں۔ حکومت جو ووٹ بیلٹ میں ڈال کر فیصلہ نہیں کرنے دیتی، ووٹر جیل میں داخل ہو کر انہی ووٹوں کا شمار دنیا کی رائے عامہ پر ظاہر کر دیں اور اس اخلاقی دباؤ سے حکومت کو اپنے مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیں۔

پُرامن سول نافرمانی مسلّمہ جمہوری سیاسی طریقہ کار ہے:۔

پُرامن سول نافرمانی کا یہ طریقہ کار برصغیر ہندو پاکستان میں ایک ایسے مسلّمہ سیاسی طریقہ کار کی شکل اختیار کر چکا ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ غالباً دونوں ڈومینیوں میں لکھے ہوئے آئین کا کوئی اصول اتنا پرانا اور ایسا مسلّم نہیں جیسا کہ پُرامن سول نافرمانی کا اصول۔ کیونکہ پاکستان اور بھارت دونوں کے آئین خود اسی سول نافرمانی سے حاصل کی ہوئی آزادی کے مرہون منت ہیں ________ تاریخ کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ حصول آزادی کے بعد بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں میں جن سیاسی لیڈروں نے پُرامن سول نافرمانی کے نام پر انگریز سے آزادی کے اختیارات حاصل کئے تھے جب خود انہوں نے اپنے عوام کے بعض حقوق کو دبانا چاہا اور عوام نے اپنے مطالبات ان لیڈروں سے منوانے کی خاطر پُرامن سول نافرمانی

کا راستہ اختیار کیا۔ تو ان لیڈروں نے ایک الٹی زقند لگائی اور یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ سول نافرمانی تو ہمارے لئے انگریز کے خلاف جائز تھی۔ اب جب ہم حاکم بن چکے ہیں تو عوام کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ خود ہمارے خلاف بھی یہی ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیں۔ انگریز بیرونی حاکم تھا۔ ہم ملکی حاکم ہیں۔ لہٰذا انگریز کے خلاف سول نافرمانی آزادی کے مترادف تھی۔ ہمارے خلاف سول نافرمانی وطن سے غداری اور بغاوت کے مترادف ہے۔

آئین کے تحت وزارت بدلنا عوام کا جمہوری حق ہے:۔

یہ منطق اس قابل نہیں کہ اس کا کوئی جواب دیا جائے لیکن یہ نامناسب نہ ہوگا کہ امریکہ کے 4/ جولائی 1976ء کے تاریخی اعلان آزادی سے ایک پیراگراف ان لوگوں کی شرح صدر کے لئے نقل کرایا جائے جن پر آیات قرآنی اور فطری عدل وانصاف کے تقاضوں سے زیادہ اثر ''مہذب ممالک'' کی آئینی روایات کا ہوا کرتا ہے۔

We hold this truth to be self-evident that all men are created equal. That they are endowed by their creature with certain unalienable rights, that among their rights are life, liberty and the persuit of happiness. That to secure these rights governments are instituted among men, deriving their just powers form the consent of the governed, that when ever only form of government becomes destructive of there ends, it is the right of the people to alter or abolish the government, and to institute a new government laying its foundations an such principles and organizing its powers in such form, as to them shall seem most likely to effect either safety and happiness".

''حسب ذیل اصول ہمارے ایک حق کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی سچائی ازخود ظاہر ہے۔ یہ کہ سب انسان برابر ہیں۔ یہ کہ انسان کے خالق نے ہر فرد کو چند ایسے حقوق عطا کئے ہیں جو کوئی اس سے چھین نہیں سکتا۔ ان حقوق میں زندہ رہنے کا حق، آزاد رہنے کا حق اور اپنی خوشی اپنی مرضی سے تلاش کرنے کا حق شامل ہیں۔ انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے جو نظام کھڑا کیا جاتا ہے اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان حقوق کو حق دار تک پہنچا دیا جائے۔ ہر حکومت کا اقتدار رعایا کی رضامندی سے اخذ کیا جاتا ہے۔ جب کوئی حکومت اس اصل مقصد سے منحرف

ہو جائے تو رعایا کا حق ہے کہ ایسی حکومت کو موقوف کر دے یا اسے بدل ڈالے۔ پہلی حکومت کی جگہ ایک نئی حکومت قائم کر لے۔ نئی حکومت کی بنیاد ایسے اصولوں پر رکھی جائے اور اس کو صرف وہ اختیارات سونپے جائیں جو رعایا کے نزدیک رعایا کے تحفظ اور خوش حالی کے لئے مفید مطلب ہوں"۔

1953ء میں کئی دوسری اسلامی جمہوری تحریکیں بھی کچلی گئی تھیں:۔

امریکیوں نے یہ تاریخی اعلان آزادی تب شائع کیا تھا جب آج سے قریباً پونے تین سو سال پہلے انگریز انہیں کہتے تھے کہ تمہارا ملک ہم سے آباد کیا ہے۔ تم شاہ برطانیہ کی رعایا ہو۔ لہذا ہم تم سے پوچھے بغیر تم پر ٹیکس لگا سکتے ہیں اور امریکی باشندے احتجاج کرتے تھے کہ

"No Taxation without representation"

یعنی جس سیاست میں ہمیں نیابت حاصل نہیں، اس سیاست کو ہم سے ٹیکس وصول کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ لیکن تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ جو اہل امریکہ اس اعلان آزادی کے نام پر ایک قوم بنے 1953ء میں اسی امریکہ کے اثر و رسوخ نے مصر کے اندر کرنل ناصر سے "اخوان المسلمین" کا معصوم خون بہایا، ایران میں مصدق جیسے بطل جلیل اور محب وطن کو پابند سلاسل اور قید تنہائی کا اسیر کر دیا گیا، فاطمی کو گولی مار دی گئی اور فدایان اسلام کا وہ نواب صفوی جو قرآن مجید بغل میں لے کر شب و روز اسلامی حکومت کے قیام کی تبلیغ کرتا تھا، مارشل لاء کے ماتحت شہید کر دیا گیا۔ کم و بیش یہ وہی ایام تھے جب پاکستان میں شہداء ختم نبوّت اپنی جانیں جان آفرین کو سپرد کر رہے تھے۔ شاید قدرت جب اپنے بندوں کا امتحان لیتی ہے تو ایک ہی وقت میں مختلف ممالک کے اندر یکساں عقیدے رکھنے والوں کو ایک ہی قسم کے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے۔

سابقہ معروضات کا لب لباب:۔

ہم شہداء ختم نبوّت کی یادگار بنانے کے لئے اس کانفرنس میں جمع ہوئے ہیں۔ اس وقت تک میں نے آپ کو بتایا ہے کہ یادگار آج سے چار برس پہلے اس پیمانے پر کیوں نہ منائی جا سکی۔ وہ کیا مطالبات تھے جن کی خاطر ان شہیدوں نے جانیں دیں۔ وہ مطالبات کیوں پیش

کئے گئے تھے۔ جنہوں نے ان مطالبات کو نامنظور کیا اور بزعم خود شہداء کو نیست و نابود کر دیا، آج وہ خود اور ان کی سیاسی جماعتیں اور ان کا اقتدار اور وہ تمام ادارے جن کی بناء پر وہ ظلم و ستم کرتے تھے سب نیست و نابود ہو چکے ہیں۔

اس مرحلے پر میں اپنی گزارشات ختم کرنے سے پہلے دو مزید موضوعات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں:

اول:۔ ــــــ یہ کہ کیا ہم صرف شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے پر اکتفا کریں گے اور ان کے ورثا کی دست گیری کا کوئی اہتمام نہ کریں گے۔ کیا ہماری یہ کانفرنس صرف کانفرنس تک محدود رہے گی اور ہم شہداء کی یادگار کے لئے کوئی ٹھوس آثار کھڑے نہ کریں گے؟

دوسرے:۔ ــــــ یہ کہ یادگار تو ہم نے منالی۔ جس کی یادگار منانی تھی اُن کا چرچا بھی ہم نے کر دیا۔ لیکن کیا ہم ان قابل یادگار ہستیوں کی زندگی سے خود کوئی سبق حاصل نہ کریں گے اور ان کی پیروی میں ہم دین و ملّت کی خدمت انجام دینے کا کوئی منصوبہ نہ بنائیں گے؟

جدید سرکاری تحقیقات کی ضرورت:۔

جہاں تک شہداء کے ورثا کی نگہداشت کا تعلق ہے، میں حسب ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں:۔

1۔ ــــــ 1919ء میں جب برطانوی حکومت نے پنجاب میں مارشل لاء لگایا تھا تو اس کے بعد مارشل لاء کے دوران جن لوگوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا کسی افسر نے اپنے فرائض منصبی سے تجاوز کیا، اس کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ اس کمیشن کی سفارشات کے مطابق نقصان اٹھانے والوں کو معاوضہ بھی دیا گیا تھا۔ معاوضہ کی رقم کا تعین کرنے کیلئے لنگلے کمیشن مقرر ہوا تھا۔ جس میں عوام کے نمائندے بھی شامل تھے۔ 1953ء کے مارشل لاء کے متعلق اگرچہ ایک عدالت

انکوائری کر چکی ہے لیکن اس انکوائری میں عوام کے جانی اور مالی نقصان کا اندازہ کرنا شامل نہ تھا، نہ ہی فرائض منصبی سے تجاوز کرنے والے افسروں کی کوئی پرسش کی گئی، بلکہ یہ عدالت تو اس مفروضے پر مقرر کی گئی تھی کہ مارشل لاء کا نفاذ بہر صورت ضروری تھا۔ اس کے نفاذ میں تاخیر کیوں ہوئی۔ اب جب کہ حالات بدل چکے ہیں اور act indimnity کو منظور کرنے والی نہ وزارت باقی ہے نہ وہ پارلیمینٹ باقی ہے تو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عوام اور پارلیمینٹ کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایسا کمیشن مقرر کیا جائے جو یہ تحقیق کرے کہ عوام کو کس قدر جانی اور مالی نقصان پہنچا۔ اختیارات سے تجاوز کی کون سی مثالیں ہیں۔ علاوہ ازیں مجروحین اور شہداء کے ورثاء کو معقول مالی معاوضہ دیا جائے۔ شہری جن املاک کو نقصان پہنچا ان کی مرمت کی جائے، جن جماعتوں یا افراد کا سرمایہ ضبط کر لیا گیا تھا وہ انہیں واگزار کر دیا جائے، جن لوگوں کو ناواجب جرمانے کیے گئے وہ واپس کیے جائیں، جن کو ناجائز سزائیں ملیں ان کو ہرجانہ دیا جائے اور جن افسروں نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ان کو مناسب سزا دی جائے۔

2۔____ شہداء ختم نبوت کے اعزاز میں چھ مارچ کو مکمل تعطیل ہوا کرے۔

3۔____ تمام مغربی پاکستان کے جن جن مقامات پر شہداء پر آتش باری کی گئی، وہاں یادگاری مینار نصب کیے جائیں اور ان پر ایک تختی لگا کر اس پر مختصر حالات درج کیے جائیں اور جو لوگ شہید ہوئے ان کے نام، ولدیت، جائے سکونت اور عمر کی بھی وضاحت کی جائے۔

4۔____ شہداء کے مزارات کی جہاں نشاندہی ہو سکے وہاں سرکاری خرچ پر ان کے مزارات کی تعمیر کی جائے اور الواح مزار نصب کی جائیں۔

5۔____ دہلی دروازہ لاہور کے باہر جو نیا چوک تعمیر ہو رہا ہے اس کا نام ''چوک شہیدانِ ختم نبوت'' رکھا جائے اور چاروں جانب یہ نام مناسب حروف میں لکھے جائیں۔ ان حروف پر چراغاں کا مناسب انتظام کیا جائے۔

6۔____ جہاں تک تحریک کے مطالبات کا تعلق ہے ان میں سے سر ظفر اللہ کو منصب سے ہٹائے جانے کا مطالبہ پورا ہو چکا ہے۔ لیکن کلیدی آسامیوں پر تقررات اور پاکستان میں اقلیتوں کے تعین کے مسائل بدستور قائم ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس پاکستان کے اندر جن مذہبی یا سیاسی جماعتوں نے متوازی حکومت کے نمونے قائم کر رکھے ہیں اور حکومت پاکستان کی طرح ان کی جداگانہ وزارتیں اور فوجیں ہیں، انہیں خلاف قانون جماعتیں قرار دے کر ان کے ناپاک عزائم کی تفتیش اور قابل اعتراض لٹریچر کی ضبطی نہایت ضروری ہے۔

ہمارا فرض:۔

اب میں اس موضوع کی جانب رجوع کرتا ہوں کہ شہداء ختم نبوت کی یادگار منانے سے ہم خود کیا عملی سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ آج دنیا میں جو اضطراب، بدامنی اور نفسا نفسی کا عالم ہے اس کے اثرات ہم سب کی زندگی پر پڑتے ہیں۔ اگر ہم میں کوئی ایسے افراد بھی شامل ہیں جو احساس اخلاق سے عاری ہو چکے ہیں اور دین کی خاطر یا اجتماعی مفاد کی خاطر کسی کوشش پر آمادہ نہیں، تو ان کی انفرادی زندگی کے مفاد بھی انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ اصلاح احوال کی جانب مائل ہوں۔

میں اس نکتے کے متعلق اپنی معروضات پہلے پیش کر چکا ہوں کہ تحفظ ختم نبوت کس طرح پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا مرکزی نقطہ ہے۔ میں خاص طور پر تین طبقات سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ان کے فوری طور مفاد کا تقاضا ہے کہ وہ تحریک تحفظ ختم نبوت

کے پروگرام کی روشنی میں اپنی روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیں۔

نوجوانوں کو دعوت عمل:۔

ا۔_____ میرا پہلا خطاب نوجوانوں اور طالب علموں سے ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے زندگی کے امکانات ختم نہیں ہوئے۔ نہ ان کی عادات میں ٹھہراؤ پیدا ہو چکا ہے بلکہ وہ مستقبل کے منتظر ہیں۔ دنیا کی تمام قوموں اور ملکوں میں انقلاب ہمیشہ طالب علموں نے پیدا کیا ہے۔ مصر کو انگریز کے پنجے سے قاہرہ کے طلباء کی طول وطویل جدوجہد نے چھڑایا، روس میں انقلاب طالب علموں کی مدد سے آیا۔ چین میں چیانگ کائی شیک کو طالب علموں نے بھگایا اور خود پاکستان کی تاریخ پر غور کیجئے کہ جب قائداعظم کو یونینسٹ پنجاب میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے تو کہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نوجوان اراکین ہی تھے، جنہوں نے سیاست کا رُخ اور اقتدار کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ آج ملک میں جو بیماری، بھوک، افلاس، بے حیائی، فحاشی اور انحطاط وزوال پرورش پا رہا ہے، بوڑھوں کو تو شاید اس کی پرواہ نہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی گزار چکے اور اب ان میں یہ سکت بھی باقی نہیں کہ وہ نامساعد حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ حالات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نوجوانوں سے پوچھتا ہوں کہ تم اپنے راستے سے وہ کوڑا کرکٹ ہٹانا نہیں چاہتے جس کی سڑاند سے تمہارے نتھنے نفرت کرتے ہیں۔ اٹھو! اور پاکستان کے دیہات کے کونے کونے میں پھیل جاؤ۔ تمہیں ہر جگہ ایسے نوجوان ملیں گے جو تمہاری طرح بدی سے نفرت اور نیکی کی آرزو رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس وہم سے بددل ہو چکے ہیں کہ کوئی ان کا ساتھی نہیں۔ شاید ان کی

کوششیں کوئی پھل نہیں لا سکتیں۔ ان کی تمناؤں کو آواز بازگشت سے ہرا کر دو۔ آرزوؤں کے بیج بو کر تو دیکھو ایک ہی فصل کے اندر وہ کھیتی کھڑی ہو جائے گی جس سے تمہاری جھولیاں بھرپور ہو جائیں گی۔

العلماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل:۔

ب۔______ میرے دوسرے مخاطب علماء، ائمہ مساجد اور مشائخ ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جن سے تخت حکومت چھن جاتا ہے وہ تو اس امید پر صابر ہو کر گوشہ نشین ہو جایا کرتے ہیں کہ حجرے اور بوریے پر قناعت کر کے گزارہ کر لیں گے۔ لیکن تم سے تو مصلیٰ اور منبر، حجرہ اور مسجد چھینا جا رہا ہے، یہاں سے نکل کر کہاں گزارہ کرو گے۔ بادشاہوں سے تو بیزاری اختیار کی جا سکتی ہے لیکن تحریک تحفظ ختم نبوّت سے روگردانی کی تو صرف اس دنیا میں تم پر آوازے نہ کسے جائیں گے کہ دیکھو قوم کے نونہالوں کے خون کی قربانی دے کر یہ لوگ جو رسول ﷺ کے نائب ہونے کا دعویٰ کیا کرتے تھے، اب ناموس رسول ﷺ کی نسبت اپنے فرض سے بھی غافل ہو گئے ہیں۔ بلکہ جب اس روز کا سامنا ہوگا جس سے کسی کو مفر نہیں تو بتاؤ شافع محشر کو جا کر کیا جواب دو گے۔ تم اس لئے بددل ہو گئے کہ تمہاری داڑھیوں کی بے حرمتی کی گئی تھی یا جیل میں تم سے وہ سلوک نہ ہوا تھا جس کے تم مستحق تھے۔ لیکن ان دین کی محبت رکھنے والوں کو اور علم دین سے تمہارے جتنا حصہ نہ پانے والوں کا بھی خیال تو کرو جنہوں نے گردنیں کٹا دیں۔ اپنے سلف سے سبق حاصل کرو۔ اپنے مقام کو پہچانو۔ آپ وہ لوگ ہو جو وقت سے منہ موڑا نہیں کرتے بلکہ وقت کے دھارے کا رُخ پھیر دیا کرتے ہیں۔ اگر تدبیر میں کوئی غلطی رہ گئی تھی تو اس کی تصحیح

کر لیجئے اور نیت میں ہی کچھ کمی تھی تب بھی وقت باقی ہے، اس کمی کو بھی پورا کر لیجئے۔

چھوٹے سرکاری ملازم کلرک اور غریب تاجر توجہ کریں:۔

ب۔____ تیسرے درجہ پر میرے مخاطب متوسط تجارتی طبقے اور ادنیٰ سرکاری ملازمت پیشہ افراد ہیں۔ ممکن ہے یہ طبقہ جیالے پن اور دلیری میں عوام سے کچھ پیچھے ہو، لیکن بہرصورت وہ اپنے خاندان میں شرافت کا کچھ معیار باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ حرام وحلال کی تمیز سے بالکل بے بہرہ نہیں۔ عاقبت کا خوف انہیں ہر وقت نہیں تو کبھی کبھار آ ہی جاتا ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جن کو خدا نے دنیا سے زیادہ حصہ دے دیا ہے وہ تو شاید اس لئے تحفظ ختم نبوت سے غافل ہیں کہ ان کو زندگی کے دوسرے نشے میسر ہیں، لیکن جس نے شراب بھی نہیں پی، خنزیر بھی نہیں کھایا اور بدکاری بھی نہیں کی۔ آخر وہ ایسا کرنے والوں کو خالی دیکھ کر ذہنی تصورات میں ہی ایسا کیوں الجھ گیا ہے کہ نہ حلال میں اپنے جائز حصہ کی فکر ہے اور نہ حرام کی سزا سے اپنے آپ کو بچانے کا خیال۔ ذرا تو غور کرو کہ یہ تہذیب اور یہ تعلیم جو ہمارے اندر نفوذ کر رہی ہے آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ یہی نہ کہ کتے کی طرح حکم مانو اور دسترخوان سے بچی کھچی ہڈیاں کھا کر پیٹ موٹا کر لو۔ پھر ریچھ کی طرح رقص کرو اور بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے تکے نوچو۔ فرصت ملے تو گدھ کی طرح مردار کھا کر اپنے تودۂ غلاظت پر خود ہی بیٹھے اور اونگھتے رہو۔

ان تمام آلودگیوں سے نجات دلا کر تمہاری جائز توقعات کو پورا کرنے، تمہاری خاندانی شرافت کو بچانے اور جن چیزوں کی تم قدر کرتے ہو ان

کو محفوظ رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس نبی (ﷺ) کے منصب کی
ختمیت کو فراموش نہ کرو۔ جس کی تعلیم کے بغیر تمہاری اس دنیا کو
سنوارنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔

جمہور کی اسلامی تربیت اور بیداری:۔

اگر یہ تینوں طبقات میری معروضات پر کان دھریں تو میں کہتا ہوں کہ جس کے پاس فرصت ہے لیکن استطاعت نہیں وہ اپنے کچھ اوقات تحفظ ختم نبوّت کے لئے وقت کر دے۔ جس کے پاس استطاعت ہے لیکن فرصت نہیں وہ اپنی استطاعت سے ان کا ہاتھ بٹائے جو اپنے اوقات فراغت کو اس نیک کام پر صرف کرنے کے خواہشمند ہیں۔ جس کے پاس اہلیت اور صلاحیت کار ہے، لیکن فرصت اور استطاعت دونوں نہیں وہ ان دونوں کو صحیح راستے پر چلنے کے لئے صائب مشورے دے۔

اس طرح ہر پاکستانی اپنی ضروریات کو کچھ کم کر کے اپنی استطاعت کا ایک حصہ تحریک کیلئے وقف کر دے۔ آخر مضان میں روزے بھی رکھتے ہو۔ ایک دن ایک وقت کا کھانا نہ کھاؤ۔ جو سینما اور اس قسم کی دوسری لغو تفریحات میں اپنے اوقات اور اپنی استطاعت دونوں ضائع کرتے ہیں وہ مہینے کے کچھ روز اپنی وافر آمدن تحریک کے لئے وقف کر دیں۔ یہ پس انداز پونجی خود اپنے ہی پاس علیحدہ رکھو۔ تم ہی اس کو رسول ﷺ کی منّت سمجھ کر خود ہی اس کے امانت دار بن جاؤ۔ پھر ہر ہفتے میں ایک یا دو روز اس کام کیلئے وقف کر دو۔ جو لاہور سے باہر نہیں جا سکتے وہ کسی ایسے محلّے میں جائیں جہاں ان کی واقفیت ہے۔ جو باہر جا سکتے ہیں وہ کسی ایسے شہر یا قصبے میں جائیں جہاں ان کی شناسائی ہے اور جو صاحب ہمّت اپنے اندر یہ اہلیّت محسوس کریں وہ دور افتادہ دیہات میں پہنچیں۔ ''تحفظ ختم نبوّت'' کیوں ضروری ہے اور اس کے لئے کیا عمل ہم سب پر فرض ہے۔ یہ مسئلہ خود آپ پر پوری طرح واضح نہیں تو میں نے ابھی آپ کے سامنے جو معروضات پیش کی ہیں وہ آپ کو ایک پمفلٹ کی شکل میں ''تحریک تحفظ ختم نبوّت'' کے لاہور کے دفتر کی معرفت سے مل سکتی ہیں۔ انہیں کو پڑھ لیجئے جس حصہ کو آپ پسند نہ کریں

اس قلم کو ذکر دیجیے۔آپ کو جو بہتر تجویز سوجھے اسے خود لکھ لیجئے۔ بہر حال اس پیغام کو ایک ایک پاکستانی گھرانے کے ایک ایک بچے، بوڑھے اور مستورات تک پہنچا دیجیے۔ خواتین گھروں کے اندر رہ کر خود اپنے خاندان کے افراد کو تلقین کریں، عورتیں جب چاہتی ہیں تو رشتے داروں کے پرانے جھگڑوں کو مٹا دینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اپنے شوہروں اور اپنے بھائیوں کو اپنی منت سماجت سے ہمیشہ قائل کر سکتی ہیں اور جب اس کے الٹ چاہیں تو دوستوں کے اندر پھوٹ بھی ڈلوا دیتی ہیں۔ ان کے لئے بھی توشہ آخرت یہی ہے کہ کسی مرد کو اس وقت تک کھانے، سونے اور آرام سے بیٹھنے کی مہلت نہ دیں، جب تک کہ وہ "تحفظ ختم نبوت" کے لئے کسی نہ کسی ذمہ داری کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔

ایک انقلاب کروٹ لے رہا ہے:۔

جب ساری قوم اس ایک عزم سے سرشار ہو کر اُٹھے گی تو حالات بدل جائیں گے۔ فضا بدل جائے گی۔ سیاست کا رُخ بدل جائے گا۔ تمہاری قسمت اور تمہاری بیچارگی بھی بدل جائے گی۔ تمہیں ان لیڈروں سے نجات مل جائے گی جو "تحفظ ختم نبوت" کی نسبت اپنی نفس پروری ضروری سمجھتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہم ان جھوٹے رہنماؤں کو چھوڑ کر اس کی پیروی نہ کریں جو دونوں جہانوں کا بادشاہ ہونے کے باوجود ایک کالی کملی پر گزارہ کرتا تھا، ایک کھجور کے بوریے پر سوتا تھا، کبھی دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتا تھا۔ قوم کو یہ سبق دیتا تھا کہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے تو اسکے ہاتھ کاٹ دوں گا۔ غلطی سے کسی مسکین کو کوڑا لگ جائے تو اپنی کمر ننگی کر کے اس کے سامنے عاجزی سے کھڑا ہو جاتا تھا کہ بھائی! امتی ہو تو کیا ہوا، مجھ سے تمہیں تکلیف پہنچی اپنا بدلہ لے لو۔

ختم نبوت ایک نئی دینی اور دنیاوی زندگی کا پیغام ہے:۔

اگر تمہاری نگاہیں ان رموز و اسرار کو نہیں پہنچ سکتیں جو معراج میں پوشیدہ تھے، اگر تم ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

مقام سے آگاہ نہیں ہو سکتے تو کم از کم اتنا تو دیکھ سکتے ہو کہ وہ کیمونزم جس کا سٹالین غریبوں کے نام پر امیریاں کرنے لگ گیا تھا اور وہ امریکہ اور برطانیہ اور فرانس کی جمہوریتیں جو الجزائر اور فلسطین کے مظلوموں کو گولیوں سے حریّت کا سبق دیتی ہیں اور مسلمان ممالک میں وطن پرستی کی تحریکوں کے وہ سربراہ جو اپنے مفاد کی خاطر قومی مفاد کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، تمہیں تمہاری زندگی بہتر بنانے، ترقی کرنے اور تمہارے دکھوں اور تکالیف سے نجات دلانے کی خاطر وہ مثال مہیا نہیں کر سکتے جو تمہارا اپنا آقا ﷺ اور مولا ﷺ مہیا کر سکتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و اله و اصحابه والتابعین وتبع التّابعین وسلف الصالحین وبارک وصلم علیهم اجمعین ۔

☆/☆/☆

''علامہ اقبالؒ نے ہی سب سے پہلے قادیانیوں کو کافر اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ہم نے اینٹی قادیانی تحریک میں حصہ لیا اور ہمارا کوئی سیاسی مقصد نہیں تھا بلکہ ہم نے خدا کی رضا کے مطابق اس تحریک میں حصہ لیا تھا''۔ (مورخہ 21/اپریل 1972ء کو لاہور میں ''یوم اقبال'' کی تقریب سے مولانا نیازی کا خطاب)

(روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور 22/اپریل 1992ء)

☆/☆/☆

بین الاقوامی اسلامی مذاکرہ

(محمد صادق قصوری، برج کلاں ضلع قصور)

۲۹۔ دسمبر ۱۹۵۷ء کو پنجاب یونیورسٹی نے ''بین الاقوامی اسلامی مذاکرہ'' منعقد کیا جس میں دنیا بھر سے مستشرقین کو مدعو کیا گیا تھا۔ علامہ علاء الدین صدیقی (1907-1977) اُس وقت پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ ٔ اسلامیات کے سربراہ تھے۔ میاں افضل حسین (1889-1970) وائس چانسلر تھے۔ ان لوگوں نے قادیانی رہنما چوہدری سر ظفر اللہ خان (1893-1985) کو ہیگ سے بلوایا۔ اُس نے اسلامی شریعت کے موضوع پر خطاب کرنا تھا۔

مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ (1915-2001) کے نزدیک یہ بات انتہائی قابل اعتراض تھی۔ اوّل تو چوہدری ظفر اللہ خان اسلام کی وکالت نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ مستشرقین ہر مسئلے پر بحث کر سکتے ہیں لیکن ہمارے اصول اور مسلماتِ دین جو طے شدہ ہیں اُن پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ جیسے خدا ایک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں، قرآن حکیم الہامی کتاب ہے۔ اور تیسرے یہ کہ جہاں مقالات کا ترجمہ انگریزی اور عربی میں کیا جائے، اُس کے ساتھ ساتھ یہ کام اُردو میں بھی ہونا چاہئے۔ چوتھا مطالبہ یہ تھا کہ اس اجتماع میں ہمارے علماء کو بھی اظہارِ خیال کی دعوت دی جائے۔

اِس موقع پر مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے ''مجلسِ تحفظ اسلام'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی گئی۔ لاہور ہوٹل میکلوڈ روڈ لاہور میں ہر مکتبہ ٔ فکر کے ایک سو دو علماء اکٹھے ہوئے جن میں مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری (1896-1961)، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن (1912-1984)، ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ (1904-1986)، مولانا احمد علی لاہوری (1886-1962)، مولانا محمد داؤد غزنوی (1896-1963)، مولانا غلام غوث ہزاروی (1896-1981)، ماسٹر تاج الدین انصاری (1891-1970) بھی شامل تھے۔ حضرت مجاہد ملّت کو اس تنظیم کا صدر چنا گیا۔ اُنہوں نے علماء کرام کی طرف سے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''پنجاب یونیورسٹی میں

ہونے والے مذاکرے میں تین طرح کے لوگ شریک ہو رہے ہیں۔

(۱) غیر مُسلم مستشرقین

(۲) قادیانی

(۳) پاکستان اور اسلامی ملکوں کی یونیورسٹیوں کے مُسلمان پروفیسر

اِن میں سے ہمیں صرف قادیانیوں کی شرکت پر اعتراض ہے۔ ان کے علاوہ باقی سب مسلم اور غیر مسلم مستشرقین کا ہم پُر جوش استقبال کریں گے اور اُن کی عزت افزائی کی کوشش کریں گے۔

قادیانیوں پر ہمیں شدید اعتراض اس لئے ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان کے کھلے دشمن ہیں اور دوسری نبوّت کے قائل ہیں۔ تحفظ ختم نبوّت کی بے مثال قربانیاں بھی اسی عقیدے کے تحفظ کے لئے دی گئی تھی۔ قادیانی، پاکستان کے بھی کھلے دشمن ہیں جیسا کہ حال ہی میں حکومت نے خود اُن کے متعلق انکشاف کیا ہے۔ مسلمانوں کی سب مستند مذہبی جماعتیں اُن کو خارج از اسلام قرار دے چکی ہیں اور اُن کو اسلام اور پاکستان کے لئے شدید خطرے کی حیثیت سے دیکھتی ہیں۔ اس وجہ سے ہم قادیانیوں کی شرکت کے سخت خلاف ہیں۔ اسی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس اجتماع میں قادیانیوں کو غیر مسلم مستشرقین کی نظر میں پاکستان میں عزت اور وقار کا مقام حاصل ہو جائے گا، جس سے قادیانی، اسلام اور پاکستان کے خلاف ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ ہم مجلسِ مذاکرہ کے منتظمین کی اس حرکت کے خلاف نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو اسلامی قانون کے شعبہ کا صدر بنایا اور اس طرح اُس کو شریعت اسلامی کا خود ساختہ ترجمان بنا کر اُس کو اسلام کے نمائندے کی حیثیت دی، جس سے پاکستان اور اسلام دونوں کو گزند پہنچنے کا شدید خطرہ ہے۔ ہم یونیورسٹی وائس چانسلر کی اس حرکت کے خلاف بھی شدید احتجاج کرتے ہیں۔

اس بارے میں ہمارا واضح مؤقف یہ ہے کہ ہم سر ظفر اللہ خان اور دوسرے قادیانیوں کی شرکت کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کریں گے، کیونکہ یہ اجتماع اسلامی مذاکرہ ہے اور قادیانیوں کو ہم کسی طرح مسلمانوں کے اُمور میں مداخلت اور اُن پر بحث وتنقید کا حق نہیں

دیتے۔ کیونکہ وہ اِس پردے میں بھی قادیانیت کی تبلیغ کریں گے جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا۔

ہماری یہ بھی سوچی سمجھی ہوئی رائے ہے کہ موجودہ اسلامی مذاکرہ کے بارے میں منتظمین نے (خواہ خود خواہ مرکزی حکومت کے اشارے سے) کچھ ایسا طریق کار اختیار کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس میں علماء شرکت سے بالکل محروم رکھے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ 22 علماء بھی شریک نہیں کئے گئے جن کو حکومت نے دستورِ اساسی کی تشکیل کے وقت اپنا مشیر بنایا تھا۔

مذاکرہ کے منتظمین کی یہ پالیسی بڑی مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا ممکن ہے کہ اسلامی مذاکرہ میں قادیانیوں تک کو شریک کرلیا گیا ہے مگر مسلمان علمائے شریعت کو اس سے بے دخل اور محروم رکھا گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ دانستہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت لاء کمیشن کے تقرر سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی ہے، اس میں علماء کی پوزیشن کمزور ہو جائے اور باقی وہ حضرات جو قرآن وسنت کے متعلق کامل واقفیت نہیں رکھتے اور اُن میں سے بعض سخت خلاف بھی ہیں، اُن سب کو اُن اُمور میں سند بن جانے کا حق حاصل ہو جائے۔ ہم اس مذاکرہ کے اس پہلو کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں اور علماء کو شرکت سے محروم رکھنے کے خلاف بھی شدید احتجاج کرتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۵۳ء کے مذاکرہ کی طرح اس مرتبہ بھی ایسے مقالات پیش ہونے ہیں جن میں بہت سا مواد اسلام، تاریخ اسلام اور شریعت اسلام کے خلاف ہے اور ہمیں اِس وقت تک یہ اطمینان نہیں دلایا گیا کہ ایسے مقالات کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہم یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب سے ملے تھے۔ انہوں نے ہمارے بعض مطالبات تسلیم کر لئے تھے مگر ہمارے بنیادی مطالبات کے بارے میں اُنہوں نے ہمیں کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔ ہمارے بنیادی مطالبات صرف یہ ہیں۔

(۱) چونکہ یہ اسلامی مذاکرہ ہے؛ اس لئے تحریری طور پر یہ اطمینان دلایا جائے کہ اس مذاکرے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جو قرآن وسنت اور شریعت اسلام کے خلاف ہو یا تاریخ وثقافتِ اسلام کے متعلق غلط فہمی پیدا کرتی ہو یا پاکستان کے دستورِ اساسی کے ان تحفظات کو کمزور کرتی ہو جو اسلامی شریعت کے نفاذ کے بارے میں ہیں۔

(۲) قادیانیوں کو اس مذاکرے میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے۔ ہم یونیورسٹی وائس چانسلر کا احترام کرتے ہیں مگر اُن کی روش علومِ اسلام کے خلاف ہمیشہ معاندانہ رہی ہے۔ ہمیں وائس چانسلر صاحب کی روش کے بارے میں اب تک اطمینان نہیں۔ ہماری رائے میں مذاکرے کے متعلق جملہ بنیادی غلط فہمیوں کی ذمہ داری بھی وائس چانسلر کے سر ہے۔ انہوں نے شروع سے مذاکرہ کو اس طرح چلایا ہے کہ اس سے بے اطمینانیوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ مثلاً قادیانیوں اور غیر مسلموں کو شریک کرنا مگر علمائے اسلام کو شریک نہ کرنا اور ''مجلسِ تحفظ اسلام'' کے ساتھ کے وعدوں کو پورا نہ کرنا''۔

حضرت مجاہد ملّت علیہ الرحمہ نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تو اخبارات میں شور مچ گیا۔ آپ نے مطالبہ کیا کہ اوّل تو چوہدری سر ظفر اللہ خان اس اجتماع میں نہ آئے، آئے تو اجلاس میں شریک نہ ہو، شریک ہو تو مسلمانوں کی طرف نہ بیٹھے بلکہ غیر مسلم سکالروں کے ساتھ بیٹھے، وہ اسلامی نشست کی صدارت نہیں کر سکتا۔

اس جدوجہد کا اثر یہ ہوا کہ اس مذاکرہ کے منتظمین نے مولانا نیازی اور اُن کے حامی علماء مثلاً مولانا ابوالحسنات قادری (1896-1961) وغیرہ کو بھی دعوت نامے بھیجے لیکن مولانا کا مؤقف یہ تھا کہ ہمارے تمام مطالبات کو تسلیم کیا جائے تب ہم شرکت کریں گے۔ مولانا نیازیؒ نے اس معاملے میں بہت زور ڈالا۔ ہوم سیکرٹری اور گورنر سردار عبدالرب نشتر (1899-1958) سے ملے۔ پھر دھمکی دی کہ تم جانتے ہو کہ ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے لوگوں کے ساتھ ہمارا رابطہ ابھی تک باقی ہے۔ اگر ظفر اللہ خان یونیورسٹی میں آ گیا تو ہم یونیورسٹی پر ہلّہ بول دیں گے، آگ لگا دیں گے۔

مولانا نیازی کی اِن مساعی کا اثر یہ ہوا کہ مقالات کا ترجمہ اُردو میں بھی کیا گیا۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ ہمارے اُصول و مسلّماتِ دین کو مستشرقین نہیں چھیڑیں گے اور ظفر اللہ خاں بھی کانفرنس میں نہیں آئے گا۔ منتظمین نے ظفر اللہ خان کو آمدورفت کا خرچہ چھ ہزار روپیہ دیا تھا، ٹکٹ بھیجا تھا، وہ پاکستان تو آیا لیکن کانفرنس ہال میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکا۔ پریس والوں نے اُس سے سوال کیا کہ آپ آئے تو ہیں لیکن کانفرنس ہال کے اندر کیوں نہیں گئے۔ اُس

نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ یہاں پر ایجی ٹیشن ہے۔تحریک ختم نبوّت پر جس شخص نے لاہور میں آگ لگا دی تھی وہ لوگوں کو بھڑکا رہا ہے۔مصلحت اسی میں ہے کہ میں نہ جاؤں۔
اس موقع پر علماء نے مکمل اتحاد و یکجہتی کا ثبوت دیا تھا۔مولانا نیازی کی ولولہ انگیز قیادت میں علماء نے سردھڑ کی بازی لگا دی اور یوں اسلام دشمن اور نام نہاد مفکرّین کی سازشیں ناکام ہوگئیں۔اور ظفر اللہ خاں قادیانی کو کانفرنس میں آنے کی جرأت نہ ہوسکی۔تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی علماء کرام جمع ہوئے ،مسئلہ مشترکہ ہوا اور ضیغم اسلام مجاہد ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی نور اللہ مرقدہٗ جیسا دیوانہٗ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قائد بنا تو پھر بات بن ہی گئی۔

ے
خرّم کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤ گے اب اُسے
وہ ''جانثارِ ختمِ نبوّت'' چلا گیا

................ماخذ................

(۱)''اسلامی کالوکیم کے بارے میں ''مجلس تحفظ اسلام کا موقف'' از مولانا محمد عبدالستار خان نیازی مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء ص ا تا ۸۔

(۲)''مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خان نیازی جلد اوّل'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء ص ۱۰۸ تا ۱۱۳)

(۳)''مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خان نیازی'' (حیات ،خدمات ،تعلیمات) از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء ص ۱۴۳ تا ۱۵۰)

☆☆☆

''ہم نے مولانا عبدالستار خان نیازی کو موت کی کال کوٹھڑی میں اُس وقت دیکھا، جب موت اُن کا انتظار کررہی تھی اور تختۂ دار اُن کو پکار رہا تھا۔مگر:

ے
وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر''

(''مجالس علماءؒ'' ،علامہ اقبال احمد فاروقی ،لاہور ۲۰۰۷ء ص ۳۲۳)

☆/☆/☆/

ختمِ نبوّت

(ختم نبوّت پر مجاہد ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے جو کام کیا ہے اُس کی نظیر رہتی دنیا تک نہ ملے گی۔ آپ نے تحریری، تقریری اور عملی طور پر ''تحفظِ ختم نبوّت'' کے لئے اپنی عمر تمام کردی۔ ۱۹۵۳ء میں اسی عظیم مقصد کے لئے پھانسی کے پھندے کو بھی چوما، قید وبند کی اذیتیں بھی برداشت کیں مگر بفضل خدا اور بطفیلِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء ہمّت واستقلال میں ذرہ برابر بھی لرزش نہ آئی۔

ذیل کا مضمون اُن کے اُس مقالے سے لیا گیا ہے جو اُنہوں نے ۲۷۔۲۸ فروری وکیم مارچ ۱۹۵۹ء کو کے، جی اے گراؤنڈ کراچی میں ''بین الاقوامی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس'' میں پڑھا۔ جو صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ حضرت مجاہد ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں ''پیغمبرِ عالم (مقام رسول عقل کی روشنی میں)'' کے عنوان سے ایک پُر مغز مقالہ پڑھا۔ جس کے اختتام پر فی البدیہہ تقریر کرتے ہوئے بہانگِ دہل کہا کہ:۔

> ''اگر ایوب خان کی حکومت کو چیلنج کیا جائے تو اُس کے لئے ریگولیشن موجود ہے۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو چیلنج کرنے والوں پر کوئی قدغن نہیں۔ یہ کہاں کا قانون ہے کہ ایوب خان کے خلاف بات کرنے والوں کو قانون کے شکنجہ میں جکڑ دیا جائے مگر سیّد الانبیاء مالک کون ومکاں باعثِ تخلیق کائنات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ڈاکے ڈالنے والے سرِ عام پھر رہے ہیں، اُن کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں''۔

اس پر کانفرنس ہال نعروں سے لرز اُٹھا، ایوب خاں گھبرا کر عقبی دروازے سے نکل گیا اور حکام کو ہدایت کی کہ یہ شخص بہت بے باک ہے، اس پر کڑی نظر رکھی جائے۔ (قصوری)

''اس لئے چودھویں صدی میں تمام عالم اسلام کے اندر ہر محب اسلام کا یہ فرض ہے

کہ ختمِ نبوّت کے مسئلہ کو تمام دوسرے مسائل پر ترجیح دے۔ اگر ہم ناموسِ ختمِ نبوّت کو محفوظ رکھنے کے ذریعے اپنی بقا کا اہتمام کر لیتے ہیں تو توحید، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قرآن شریف، شریعت کسی اصولِ دین کو ضعف نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن خدانخواستہ مستشرقین یا منافقین اس تعریفِ کو ہماری لوحِ قلب سے ذرا بھی اوجھل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ اسلام محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو کچھ نازل ہوا، اُس کی غیر مشروط اتباع کا نام ہے۔ تو پھر ہمیں ناموسِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ہمارا ایمان برقرار رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ نہ وِلائے اہل بیت ہماری نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے، نہ ہی قرآن کے اَوراق میں ہمارے لئے ہدایت باقی رہ جاتی ہے، نہ ہی مساجد کے محراب و منبر میں کوئی تقدیس باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کی نسبتیں جاری رہ جاتی ہیں، نہ ہی علمائے کرام کی تدریس و وعظ میں اثر باقی رہ جاتا ہے، نہیں نہیں صرف یہی نہیں خاکم بدہن اُمت محمدیہ کے تسمیہ اور وجود دونوں پر زد پڑتی ہے، اُمت محمدیہ مِلَل میں تقسیم ہو جاتی ہے، ملتیں حکومتوں میں بَٹ جاتی ہیں اور حکومتیں گروہوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں، فقط اتنا ہی نہیں خاندان ملت سے خارج ہو جاتے ہیں، خود خاندان کے اندر صلہ رحمی، قطع رحمی سے مُبدّل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر خاتم النبیین علیہ ﷺ ایک نہیں تو پھر شریعت ایک نہیں، جب شریعت ایک نہیں تو حرام و حلال بھی ایک نہیں، جب حرام، حلال میں یکسانیت نہیں تو باپ بیٹے، ماں بہن، خاوند اور بیوی غرض دُنیا کے سب رشتے اپنی تقدیس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ختم نبوّت کا انکار آسمان پر فرشتوں کا انکار ہے، زمین پر قبلہ اور حج کا انکار ہے، سیاست میں مسلمانوں کے غلبے اور جداگانہ وجود کا انکار ہے۔ غرض ختمِ نبوّت سے انکار خود مسلمان کے مُسلمان ہونے سے انکار ہے، یہاں پہنچ کر زبان گُنگ ہو جاتی ہے، قلم ٹوٹ جاتا ہے، اور الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سما اُبھار کر
اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

﴿پاکستان کی سالمیّت اور عقیدۂ ختمِ نبوّت﴾

(مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ)

(حضرت مجاہدِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز اور باطل سوز مضمون ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور بابت جولائی 1972ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ پڑھیئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے اور پاکستان سے اپنی عقیدت ومحبت کو مستحکم کر لیجئے۔ (قصوری)

دین کے عام فہم معنی سوائے اِس کے کچھ نہیں کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر مسئلہ میں آخری حُجت مانا جائے اور ہر زمانے میں جن لوگوں نے نبی ﷺ کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر مسئلہ میں آخری حُجت تسلیم کیا ہے، اُن کی کارگزاری کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیمات کا مفہوم سمجھا جائے جسے فقہاء کی اصطلاح میں ''سُنتِ سلفِ صالحین'' کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہر آئین میں قرآن وسنت کو سارے آئین کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ اِن حالات میں پاکستان کی سالمیّت برقرار رکھنے کی خاطر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس نبی پر نازل ہونے والی کتاب اور کس نبی کی سُنت آئین کا سرچشمہ ہے۔

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت بایکدگر پیوستہ ایم

گویا ختمِ نبوّت صرف فقہ اور عقائد کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ پاکستان کے آئین اور قانون کا مسئلہ ہے۔ یہ مشرقی پاکستان، کشمیر، سرحد، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کو ایک دوسرے سے پیوست کرنے یا ایک دوسرے سے اکھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کو بھارت سے جُدا کرنے یا بھارت کے ساتھ واپس ملحق کر دینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں یہ ہر پاکستانی خاندان کے اندر نسب اور صلہ رحمی کے رشتے قائم رکھنے یا منقطع کر دینے کا مسئلہ ہے، صرف یہی بلکہ بحیثیت ایک مسلمان کے کسی مسلمان کی شخصیت کو قائم رکھنے یا دیوانے کے خواب کی طرح اس کی شخصیت کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار کر کے اُن کی

اخلاقی اور ذہنی موت وارد کر دینے یا توحید سے اس کو بامعنی بنا دینے کا مسئلہ ہے۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ کسی شاعر کی مبالغہ آرائی یا کسی واعظ کی محفل آرائی نہیں۔ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ جس دن سے ''تحریک تحفظِ ختمِ نبوت'' کو کچلا گیا تھا اُس دن سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین مساواتِ نمائندگی اور مساواتِ تقسیم کے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ جس پختونستان کو ہم جاہلانہ عصبیت کا نام دیا کرتے تھے وہ ہمارے ایک سابق صدرِ مملکت اور ایک بیرونی بادشاہ کے مابین موضوعِ گفتگو بن چکا ہے اور اب کابل برانڈ اور اتمان زئی برانڈ میں تقسیم ہو کر اسے ریشمی غلاف میں ملفوف کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ (جب صوبجاتی خود مختاری پیشِ نظر ہے تو پختونستان کے گمراہ کن نام کے بجائے صوبۂ خیبر سے کیوں موسوم نہیں کیا جاتا) جس پنجاب نے پاکستان بنانے کے لئے سب سے زیادہ قربانی دی اور جس نے سب سے زیادہ مہاجرین کو آباد کیا اُس کو گزشتہ دس سال ساٹھ فیصدی کے بجائے چالیس فیصد نیابت ملتی رہی اور ادنیٰ ملازمتوں میں یہ تناسب بیس سے لے کر تیس فیصدی تک گر گیا اور جب تلافیٔ مافات کا موقع آیا تو وحدت کو ہی کالعدم قرار دے کر

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

کا نقشہ پیش کر دیا گیا۔ بلکہ زونل فیڈریشن کے چکر میں لا کر پنجاب کو ساٹھ کے بجائے بیس فیصدی نمائندگی دے کر مساوات کا ہمرنگِ زمین دامِ فریب پھیلایا جا رہا ہے۔ مجھ سے زیادہ صوبائی عصبیتوں کا مخالف کوئی نہ ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک مسلمان بھائی کا حق بلا رضامندی دوسرے کو منتقل کر دینا ظلم ہے۔ ظلم سے تعصبات مٹا نہیں کرتے بلکہ ہر تعصب کی پرورش کسی ظلم سے ہوتی ہے۔ کل پنجاب کے نام پر بنگال کو اُس کی کثرتِ آبادی کے حق نیابت سے محروم کیا گیا تھا تو بعض نادان پنجابی خوش ہوئے کہ بنگالی بڑے متعصب ہیں۔ اچھا ہے اُن کی نیابت کم ہو گئی۔ اس کا صلہ یہ ملا کہ بعد میں خود پنجاب کو ساٹھ فیصد کی بجائے چالیس فیصد نیابت مل گئی۔ آخر وحدتِ مغربی پاکستان کے پُرزے اُڑ گئے اور علاقائی خود مختاری کی آڑ میں مرکز کی بے دست و پائی مُلکی سالمیت میں اختلاف و انتشار کے اسباب پیدا کر گئی۔ غرض ظلم کی جڑ سے ظلم کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ ظلم اور انصاف کے مابین حد سوائے نبی ﷺ کی شریعت کے

اور کسی پیمانے سے نہیں کھینچی جا سکتی ۔حضور خاتم النبیین علیہ ﷺ کی شخصیت (ختمیتِ احکامِ رسالت) کو ملک کی سیاست سے خارج کرنے کی ناپاک مساعی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ خود ملک کی سیاست مجہول و معدوم ہو کر رہ گئی ہے ۔جن بُوالعجبیوں پر کبھی مسلم لیگ کا مذاق اُڑایا جاتا تھا آج ملک کی ہر سیاسی جماعت اُن بُوالعجبیوں کا عجائب گھر بن کر رہ گئی ہے ۔تلبیس و منافقت کے زور سے جو پارٹی کتاب و سنت کی فرمانروائی کا نعرہ بلند کرتی ہے وہ حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشتراک اور جمہوریت کے آقاؤں کی غلامی کو بھی لازمۂ حیات سمجھتی ہے ۔حضور خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا مطلب بقول حکیم الامت یہ ہے کہ ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی است

دین کے تمام قائدین ،مفکرین اور فلاسفہ کو ٹھکرا کر صرف والئ بطحا صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کو زندگی اور آخرت کے تمام مسائل میں ہر پہلو سے حرفِ آخر قرار دیا جائے اور اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ ؎

باطل دُوئی پسند ہے ،حق لاشریک ہے
شرکتِ میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت :۔

افسوس ہے کہ عقیدۂ خاتمیّت کی اہمیت اور دائرہ گیرائی کو افرنگ زدہ طبقہ نے نظر انداز کر کے اسلامی معاشرہ میں خلل اور دوغلاہٹ پیدا کر دی اور اسلام کو دیگر مذاہب کی صف میں کھڑا کر کے زندگی کا پرائیویٹ مسئلہ قرار دے دیا ۔حالانکہ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ مسلمان کا دین اُس کی دنیا سے جُدا نہیں اور مسلمان کی سیاست اُس کی عبادت سے منقطع نہیں ۔باوجود اس کے ''تحریک ختم نبوت'' کے متعلق یہ افسوس ناک سانحہ ہے کہ اس تحریک کو اِن معنوں میں بار بار مذہبی تحریک کہا گیا ہے گویا یہ کہ ایک سیاسی ،اقتصادی اور عالمگیر تحریک نہ تھی ۔جب ''مذہبی'' کا لفظ اِن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے کہ اُس کی وہی درگت بن جاتی ہے جس طرح مذہبی

سکھوں کی ترکیبِ لفظی میں مذہب کا اسلامی مفہوم مسخ ہو جاتا ہے۔ بلا شبہ ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت'' ان معنوں میں ایک مذہبی تحریک تھی جن معنوں میں ''تحریکِ قیامِ پاکستان'' ایک مذہبی تحریک تھی، جن معنوں میں ''تحریکِ حصولِ کشمیر'' ایک مذہبی تحریک ہے اور جن معنوں میں سُود کی ممانعت سے پاکستان کی اقتصادیات کو مغربی بنکاری (Banking) کے انسانیت کش اثرات سے نجات دلانے کی تحریک ایک مذہبی تحریک ہو گی۔ اس غلط فہمی اور غلط بیانی کی ابتداء اس ماحول میں ہوئی جبکہ ''راست اقدام'' (Direct Action) کو بغاوت کے مترادف قرار دینے کی ناجائز کوشش جاری تھی۔

جس شخص نے ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی ابتداء اور ارتقاء کے مراحل کا مطالعہ کیا ہے اور اُس وقت کی تقاریر اور جلسوں کی کاروائی اور کارکنوں کی جدوجہد اور تنظیم کی سرگرمیوں پر اُس کی نگاہ ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس تحریک کے چلانے والوں کو صرف یہ خیال دامنگیر نہ تھا کہ وہ الٰہیات، فقہ یا علمِ عقائد کا کوئی اصولی مسئلہ بجائے مدرسہ میں طے کرنے کے مسندِ حکومت پر بیٹھ کر سلجھانے کے خواہش مند تھے۔ بات یہ تھی کہ الٰہیات، فقہ اور علمِ عقائد کے ایک مسلمہ مسئلہ کو بعض سیاسی، اقتصادی اور عملی سازشوں کی مصلحت نے یوں اُلجھا دیا تھا کہ اس مسئلہ کو مسندِ حکومت پر بیٹھ کر طے کئے بغیر نہ اُن سیاسی غدّاروں کا علاج کیا جا سکتا تھا جو نبوّت کا نور ملکہ وکٹوریہ کے نور سے اخذ کرنا چاہتے تھے، نہ اُن کی اقتصادی رخنہ اندازیوں کا قلع قمع ہو سکتا تھا جو امریکہ میں پیدا ہونے والے وافر غلّے کی منڈی پاکستان میں مہیا کرنے کی خاطر ایک طرف پاکستان کے دریاؤں کا رُخ بدلے جانے پر کسی عملی مداخلت کی بجائے یو۔این۔او میں ساڑھے بارہ گھنٹے تقریر کرنا کافی سمجھتے تھے (سر ظفر اللہ کی تقریر بازی) اور دوسری طرف مُلکی غلّے کو بھارت میں سمگل ہونے کا موقع دے کر یہاں مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر رہے تھے۔

مقامِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم:۔

''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت'' سے قطع نظر جب اس عقیدۂ خاتمیت کی عالمگیر آفاقیت کا علمی اور تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس سے انکار و انحراف نہ صرف کفر کو

مستلزم ہے بلکہ امتِ محمدیہ کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے۔جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم الرسلینی کے خلاف اقدام کرتا ہے تو سوادِ اعظم اُمتِ محمدیہ سے جنگ آزما ہوکر وحدتِ ملّی کو پارہ پارہ اور دارالاسلام پاکستان کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتا ہے۔بنابریں اُمت کو سنگین حصار بنا کر اس کے تحفظ کا مستقل انتظام کرنا پڑے گا اور اسلام کی آڑ میں عقیدہ خاتمیّت کے خلاف ہر قسم کی حرکت کو قانوناً روک دینا ہوگا۔اس عقیدہ کی اہمیّت کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بدیں الفاظ بیان کیا ہے:۔

''اس نقطۂ خیال سے دیکھا جائے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ''دنیائے قدیم'' اور ''دنیائے جدید'' کے درمیان بطور حدِ فاصل کھڑے دکھائی دیں گے۔اگر یہ دیکھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا سرچشمہ کیا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام ''دنیائے قدیم'' سے متعلق نظر آئیں گے۔لیکن اگر اس حقیقت پر نظر کی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی رُوح کیا ہے تو جناب ﷺ کی ذات گرامی ''دنیائے جدید'' سے متعلق نظر آئے گی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت زندگی نے علم کے اُن سرچشموں کا سُراغ پالیا جن کی اُسے اپنی شاہراہوں کے لئے ضرورت تھی۔اسلام کا ظہور استقرائی علم (Inductive Knowledge) کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوّت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیّت کی ضرورت کو بے نقاب دیکھ لیا۔اس میں یہ لطیف نقطہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ عہدِ طفولیت کی حالت میں نہیں رکھا جا سکتا۔اسلام نے دینی پیشوائی اور وراثتی بادشاہت (Priest Hood & Hereditary King Ship) کا خاتمہ کردیا۔قرآن حکیم غور وفکر اور تجارب ومشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے اور تاریخ وفطرت دونوں کو علمِ انسانیت کے ذرائع ٹھہراتا ہے۔یہ سب اسی مقصد کے مختلف گوشے ہیں جو ختمِ نبوّت کی تہہ میں پوشیدہ ہے۔''

''پھر عقیدۂ ختمِ نبوّت کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اسے لوگوں کے باطنی واردات (Mystic Experience) کے متعلق ایک آزادانہ اور ناقدانہ طرزِ عمل قائم ہوتا ہے۔ اس لئے ختمِ نبوّت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوعِ انسانی کی تاریخ میں کوئی شخص اس امر کا مدّعی نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی مافوق الفطرت اختیار (Super Natural Authority) کی بناپر دوسروں

کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ختمِ نبوت کا ہی عقیدہ ایک ایسی نفسیاتی قوت ہے جو اس قسم کے دعویٰ اقتدار کا خاتمہ کر دیتا ہے۔اب کسی کے باطنی مشاہدات کیسے ہی غیر معمولی کیوں نہ ہوں، اُن پر اس طرح تنقیدی نگاہ ڈالی جا سکتی ہے جس طرح انسانی مشاہدات کے دوسرے پہلوؤں پر"۔

(Reconstruction of Religious Thoughts In Islam (P.126)

پس خدا برما شریعت ختم کرد　　بر رسولِؐ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را　　اُو رُسل راختم وما اقوام را
خدمتِ ساقی گری باما گذاشت　　داد ما را آخریں جامے کہ داشت
"لا نبی بعدی" زِاحسانِ خدا است　　پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ است

(بشکریہ ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہو بابت ماہ جولائی ۱۹۷۲ء)

//☆☆//

☆/☆/☆

"انگریز نے جب پورے ہندوستان میں تسلط قائم کر لیا تو وہ پریشان تھے کہ مسلمان ابھی تک غلامی قبول نہیں کر رہے۔چنانچہ انہوں نے ایک کانفرنس منعقد کی۔اس کانفرنس میں انگریز کو یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کو الجھانے کے لئے ہندوستان میں ایک جعلی نبی پیدا کیا جائے، چنانچہ یہ سازش کی گئی"۔(ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے زیر اہتمام آواری ہوٹل لاہور میں 13/ستمبر 1991ء کو "امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس" سے مولانا نیازی کا خطاب)

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 14/ستمبر 1991ء)

//☆☆//

مولانا عبدالستار خان نیازیؒ

سے ایک ملاقات

(محمد اقبال اظہری ناظم انجمن طلباء اسلام صوبہ پنجاب)

سوال: کیا آپ تحریک قادیانیت کو ہندو پاکستان میں انگریز کی سازش سمجھتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کن دلائل کی روشنی میں؟

جواب: دراصل میں ہر انحرافی اور الحادی تحریک کو اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہو گی کہ جب یہود و نصاریٰ نے یہ دیکھا کہ اسلام کو فوجی طاقت سے ختم نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے اسلام کو فنا کرنے کے لئے اسلامی نظریات اور عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ مثلاً سب سے پہلی تحریک جو عبداللہ بن سبا یہودی نے شروع کی۔ وہ تاریخ میں پہلا جاسوس تھا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے اتحاد اور طاقت کو تلوار کے زور سے نہیں ختم کیا جا سکتا تو انہیں آپس میں لڑانے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے اس شخص نے اسلام میں فتنہ ڈالا اور آہستہ آہستہ یہ چیز ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں یہ فتنہ اتنی ترقی کر گیا کہ ہر جگہ مصر، کوفہ اور بصرہ میں فسادات شروع ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے مستقل طور پر اسلام میں یہ تحریک چلائی کہ خلفاء ثلاثہ غاصب تھے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہی تحریک آج تک تخریبی تحریک کی صورت میں ہمارے ملک میں بھی موجود ہے۔

اس کے بعد ایک دور آیا جس میں رسول کو خدا سے جدا کرنے کی تحریک اُٹھائی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک بھی یہودی اور عیسائی کی چلائی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت اور ان کی عزت و وقار کو کم کرنے کیلئے یہ تحریک چلائی گئی۔

پھر ایک اور گروہ اُٹھا اور اس کا مقصد قرآن پاک کے تحفظ کی آڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نیابت الٰہی کر ختم کرنا تھا اور لوگوں کو براہِ راست قرآن میں غور کرنے کی

تلقین کی اور نبی کی حیثیت کو تاریخی قرار دیا اور ان کی دینی اور مذہبی حیثیت کو ختم کرنے کی کوشش کی ۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا یہ کہ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریک ہی تھی ۔

۱۹۵۷ء میں ایک جلسہ ہوا اس میں ہمارے علماء بھی تھے اور مستشرقین بھی تھے اور عالم اسلام کے علماء بھی ۔ اس سے پہلے ۱۹۵۳ء میں ایک یونیورسٹی میں ایک جلسہ منعقد ہوا ۔

اس میں جو قراردادیں پاس ہوئی تھیں ان سے ہمیں بہت خطرہ لاحق ہوا کیوں کہ ان میں کہا گیا تھا کہ یہ مسلمان بھی عجیب ہیں کہ آج سے چودہ سو سال قبل ایک شخص پیدا ہوا ۔ وہ کامیاب ریفارمر تھا ۔ اس نے ایک انقلاب پیدا کیا ۔ اپنے زمانے میں اس کا قول و فعل قطعی حیثیت رکھتا تھا ۔ لیکن یہ مسلمان اب بھی اس کی تعلیمات کو حجت کا درجہ دیتے ہیں ۔ اس میں یہ بھی کہا گیا کہ پردہ ختم کر دیا جائے ۔ حج پر ہر ایک کو جانے کی کیا ضرورت ہے اور اسی قسم کی بہت سے باتیں جو اسلام سے بالکل منحرف کرنے والی تھیں کہی گئیں ۔ اور اس کی آڑ میں یہاں پر بھی وہی فتنہ پھیلایا گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے علماء کو ہمت دی اور اس عاجز و خاکسار کی مساعی کو بارآور کیا کہ ہم نے اس ناپاک تحریک کا مقابلہ کیا اور مستشرقین کی نہیں چلنے دی ۔ آپ اسمتھ (Smith) کی کتاب دیکھیں "اسلام ان ماڈرن ہسٹری" ۔ (Islam In Modren History) اس میں آپ دیکھیں گے کہ وہ کہتا ہے کہ مسلمان مشرک ہیں ۔ اس کے الفاظ ہیں کہ "وہ خدا کی عبادت نہیں کرتے اور اسلام کی پوجا کرتے ہیں" ۔ اس میں بھی ایک بڑا فتنہ موجود ہے ۔ جب ہم اسلامک سسٹم (Islamic System) کی بات کرتے ہیں تو یہ زندگی کا ایک مکمل لائحہ عمل ہے اور جب خدا کی وحدانیت کا سبق دیا جاتا ہے تو یہ ایک (Theory) نظریہ ہے ۔ خدا کی وحدانیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے رسول آتا ہے ۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان سے نکال دیا جائے اور قادیانی تحریک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و مقام نبوت کو ختم کرنے کے لئے وجود میں آئی جیسے کہ اس نے خود کہا کہ میں فرنگیوں کا پروردہ ہوں اور میں نے انگریز کی تعریف میں ۵۰ الماریاں لکھی ہیں ۔ ہزارہا صفحات بھر دیئے ہیں ۔

مولانا ظفر علی خان نے فرمایا تھا ۔

قسم ہے قادیاں کے گل رخوں کی گلعذاری کی
غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی

اس نے یہاں تک لکھا ہے کہ مجھے انگریز حکومت میں وہ اطمینان نصیب ہے جو مجھے مکہ اور مدینہ میں بھی میسر نہیں۔ پھر جب جنگ عظیم میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہوں نے گھی کے چراغ جلائے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی تحقیق اور مرزا کی تحریروں سے ثابت کیا کہ وہ انگریز کے جاسوس ہیں۔ میں نے ۱۹۵۳ء میں ۱۵۰ صفحے کا بیان انکوائری کمیشن کے سامنے دیا تھا اور ثابت کیا تھا کہ یہ کہتا ہے کہ میں ملکہ وکٹوریہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔ اور انگریز کی اطاعت جزو ایمان ہے۔ انگریز کو مسلمانوں کی تحریک جہاد سے بہت خطرہ لاحق تھا اور انہیں معلوم تھا کہ اگر یہ تحریک جاری رہی تو ہم تباہ ہو جائیں گے اس لئے انہوں نے اس تحریک کے خاتمہ کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہا جو مسلمانوں میں انتشار پیدا کر دے۔ یہ فرض انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو سونپا اور اس کی تحریروں سے یہ چیز عیاں ہے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے کی کوشش کی اور عجیب و غریب قسم کے عقائد مرزا کے ذریعے پھیلانے شروع کئے۔ اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تحریک یقیناً فرنگیوں کی چلائی ہوئی ہے اور مرزا جیسا کہ وہ خود کہتا ہے کہ انہی کا پروردہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے ۲۱ جون ۱۹۳۶ء کو جواہر لال نہرو کو لکھا تھا، واضح طور پر لکھا کہ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ خط اسلام اور ہندوستان کے بہترین مفاد کے تحت تحریر کر رہا ہوں اور مجھے اس چیز میں کوئی شبہ نہیں کہ احمدی اسلام اور ہندوستان کے باغی ہیں۔"

سوال: ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کی جو تحریک چلی تھی اس کے کیا اسباب تھے؟

جواب: دراصل ۱۹۵۳ء کی تحریک سے پہلے "بی پی سی" رپورٹ آ چکی تھی۔ خواجہ ناظم الدین صاحب نے بنیادی اصولوں پر غور وخوض کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس کمیٹی میں یہ تو کہا گیا تھا کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہوگا لیکن یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان کون ہے۔ یہ تحریک اسی لئے چلی کہ مسلمان کی تعریف کی جائے اور اسلامی شریعت کے مطابق جو شخص مسلمان نہیں اور اسلام کا دشمن ہے وہ کلیدی اسامیوں پر نہیں رہ سکتا۔ اس دور میں ظفر اللہ وزیر خارجہ تھا اور وزیر

خارجہ ہوتے ہوئے وہ عالم اسلام اور پاکستان کے خلاف سازش کر رہا تھا۔ ہر جگہ مرزائیوں کو سفارت خانوں میں رکھ رہا تھا اور اس کا دماغ اس حد تک خراب ہو گیا تھا کہ اس نے قائد اعظم کی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی اور جب اُس سے پوچھا گیا کہ نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی تو جواب دیا کہ یہ سمجھ لو کہ ایک مسلمان نے کافر کی نماز جنازہ نہیں پڑھی یا ایک کافر نے مسلمان کی۔ میں نے اپنی ایک تقریر میں جو ۱۰۔ مارچ ۱۹۵۷ء کو یوم شہداء کے موقع پر کی تھی اس میں اس کی وجوہات لکھی ہیں جو اس کے صفحہ ۹ پر ہے۔

تحریک کیوں شروع ہوئی:۔ (تحریک ختم نبوّت ۱۹۵۳ء۔ صفحہ ۹ کا متن)

فروری ۱۹۵۳ء کے آخر میں کراچی اور لاہور سے تحریک تحفظ ختم نبوّت نے تین مطالبات کو خواجہ ناظم الدین کی مسلم لیگی وزارت سے منوانے کی خاطر ''راست اقدام'' کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ تحریک کی ابتداء ایک مجلس عمل نے کی۔ جس نے پہلے یہ بتا دیا تھا کہ تحریک کا مقصد تشدد یا قانون شکنی نہیں بلکہ اس وزارت کو استعفیٰ دینے پر مجبور کرنا ہے جو رائے عامہ کے مطالبات کو تسلیم نہیں کرتی۔ خود اپنی جماعت کے فیصلے پر بھی عمل نہیں کرتی اور جس نے سوائے راست اقدام کے اور کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑا۔ جس کے ذریعے یہ تین مطالبات منوائے جا سکیں نہ ہی وزارت ملک کا آئین مکمل کرنے پر آمادہ تھی۔ آئین کی عدم تکمیل کی صورت میں عام انتخابات کا بھی امکان نہ تھا، جہاں رائے عامہ آئینی طریقے سے اپنے مطالبات پورے کروا سکتی۔ وہ تین مطالبات یہ تھے۔

(۱) سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے ہٹا دیا جائے کیوں کہ وہ اپنے اس مذہبی عقیدے کا خود اقرار کر چکے ہیں کہ برطانوی حکومت سے وفاداری ان کے دین وایمان میں داخل ہے اور جو شخص کسی غیر مملکت کی حکومت سے شرعی وفاداری اپنے ایمان میں داخل سمجھتا ہو، وہ پاکستان کی آزاد مملکت میں وزارت خارجہ جیسے اہم عہدے پر متمکن رہنے کا ہرگز اہل نہیں۔

(۲) دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا

جب تک وہ ہر مسئلہ میں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم نہ کرے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سے کسی کی تفسیر، تعبیر یا تاویل کا سوال پیدا ہو تو مسلمانوں کی کثرت رائے کے فیصلے کی پابندی کو اپنے لئے ضروری نہ سمجھے۔ پاکستان اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ یہاں اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خاطر ایک وطن قائم کیا جائے۔ لہذا جو لوگ پاکستان میں رہنا چاہیں لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو کسی مسئلہ میں آخری حجت تسلیم نہ کریں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرت رائے کی پابندی نہ کریں۔ اُنہیں آئین پاکستان کے ماتحت اقلیت قرار دینا چاہیے۔

(۳) تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ پاکستان بن جانے کے بعد یہاں سب سے بڑا مسئلہ حکومت کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت لانے کا ہے کہ حکومت صرف وزارت کا نام نہیں بلکہ اس میں سرکاری ملازمین کو بھی بڑا عمل دخل ہے۔ لہذا جب تک پاکستان سرکاری محکموں کی کلیدی اسامیوں پر صرف ایسے سرکاری ملازمین کو مقرر نہیں کیا جاتا جو ہر مسئلہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرت رائے کے فیصلے کی پابندی اپنا ایمانی اور منصبی فرض سمجھیں۔ تب تک پاکستان کو اسلامی مملکت نہیں بنایا جا سکتا۔

سوال: آپ نے اس تحریک میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا، کیا آپ اس کی کچھ تفصیل بتائیں گے؟

جواب: اس تحریک میں علماء۔ نے جب حصہ لیا تو برکت علی ہال لاہور میں ایک کنونشن ہوا۔ یہ قصہ ۱۹۵۳ء کا ہے۔ اس میں ہم سب نوٹ شریک ہوئے۔ وہاں یہ طے پایا تھا کہ کراچی میں

ایک آل پاکستان کنونشن ہو۔اس کے لئے تیرہ آدمیوں کو منتخب کیا گیا تھا۔ میں بھی ان میں پنجاب کی طرف سے بطور نمائندہ منتخب ہوا تھا۔احرار کے ساتھ ہم نے ایک مجلس تحفظِ ختم نبوت بنائی تھی اور اس میں علماء اہلسنّت کو بھی شامل کیا گیا۔مولانا ابوالحسنات صاحب کو مجلس عمل کا قائد بنایا گیا۔علماء اہلسنت نے بہت سرگرمی سے کام کیا۔لیکن میں نے اس مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام ضوابط کے تحت کام نہیں کیا۔کیونکہ انہوں نے مجھے اس میں شامل نہیں کیا تھا۔بہرحال میں نے اپنی بساط کے مطابق ملک بھر کا دورہ کیا اور یہ تین مطالبات کہ مسلمان کی تعریف کی جائے، یہ طے کیا جائے کہ قادیانی مسلمان نہیں؟ ظفر اللہ کو ہٹایا جائے اور کلیدی اسامیوں پر غیر مسلموں کا تقرر نہ کیا جائے۔یہ مطالبات تفصیل سے پہلے آچکے ہیں۔ مجھے ایک خصوصیت یہ حاصل تھی کہ میں پنجاب اسمبلی کا ممبر تھا اور ممبران اسمبلی سے میرا تعلق رہتا تھا۔علاوہ ازیں میں نے تحریک پاکستان میں جو کام کیا تھا اس کی وجہ سے مسلم لیگ کے کارکنان وغیرہ سے میرے تعلقات تھے اور کالجوں وغیرہ میں بھی طلباء سے تعلقات تھے۔مجلس تحفظ ختم نبوّت نے کراچی میں کنونشن کیا۔اس کے تیرہ نمائندوں میں میرا بھی نام تھا لیکن مجھے اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ان کا یہ خیال تھا کہ یہ گرم اور تیز آدمی ہے اور اس کی وجہ سے وقت سے پہلے تصادم نہ ہو جائے۔بالآخر دولتانہ (میاں ممتاز محمد خان وزیراعلیٰ پنجاب) نے ایک چال چلی، اس کا مقصد یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ میں نشانہ بنوں، نشانہ مرکز کو بننا چاہیے۔ابتداء میں دولتانہ نے تحریک کی مخالفت کی لیکن جب تحریک نے زور پکڑا تو اس نے یہ چال چلی کہ اپنے صوبہ میں مخالفت نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ کہا کہ آپ کا مطالبہ آئینی ہے اور آپ کو مرکز سے رجوع کرنا چاہیے۔احراری حضرات چاہتے تھے کہ دولتانہ ناراض نہ ہو اور انہیں معلوم تھا کہ میں حزب اختلاف میں ہوں اور میری شمولیت سے دولتانہ اس تحریک میں رکاوٹیں ڈال سکتا ہے۔ان کی اس مصلحت کو میں برا نہیں سمجھتا۔کیوں کہ یہی صوبہ انہیں کام کرنے کے لئے بہت مناسب تھا۔جب یہ تحریک تیز ہوگئی اور کراچی میں ملاقات کے لئے یہ حضرات گئے تو پتہ چلا کہ یہ گرفتار ہوگئے۔ یہ ۲۵۔ فروری ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔میرا ان سے یہ اختلاف تھا کہ لاہور سے آپ کے قافلے کراچی یعنی ۷۵۰ میل دور جا کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں، یہ کوئی پُراثر چیز نہیں ہوگی۔

دولتانہ غلط کہتا ہے کہ میں تمہاری تحریک سے متفق ہوں۔ اگر تحریک سے متفق ہے تو صوبائی اسمبلی میں جا کر قرارداد پاس کرے اور دوسری بات یہ کہ دولتانہ بھی خواجہ ناظم الدین ہی کا بنایا ہوا ہے، میری رائے یہ تھی کہ کراچی والے کراچی میں، پنجاب والے پنجاب میں اور سرحد والے سرحد میں کام کریں اور یہ تحریک ملک گیر صورت اختیار کر لے اور صوبے مجبور ہو کر مرکز پر دباؤ ڈالیں اور ہمارے مطالبات مرکز تسلیم کر لے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ کراچی جانے سے مجھے اختلاف ہے۔ علماء کی گرفتاری کی اطلاع مجھے جمعہ کے دن داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تقریر کے دوران ملی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ قافلہ جانے والا ہے۔ تو میں نے کہا کہ اس کی بجائے پنجاب اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائے اور انہیں مجبور کر دیا جائے کہ وہ مرکز سے ہمارا مطالبہ تسلیم کرائیں۔ تحریک چلتی رہی یہاں تک کہ سب قائدین گرفتار ہو گئے۔ ان کی گرفتاری کے بعد تحریک ختم ہونے لگی۔ لیکن میں نے کہا کہ یہ تحریک ختم نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ ۲۷۔ اور ۲۸۔ مارچ کو میں نے علماء سے ملاقات کی اور پھر ہم لوگ مل کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ یہ تحریک آگے بڑھانی ہے۔ مولانا نے کہا کہ آپ کچھ دیر بعد آئیں تا کہ کچھ اور لوگ آ جائیں اور پھر فیصلہ کیا جائے۔ وہاں مولانا مودودی نے کہا کہ میں ابھی تحریک میں شامل نہیں ہوتا۔ جب تحریک فیل ہونے لگے گی تو میں اس کو سنبھال لوں گا۔ میں نے کہا کہ مولانا! آپ اس کو نہیں سنبھال سکتے۔ میں نے علماء اور کارکنان کو جمع کیا اور ایک پُرامن جلوس کا پروگرام بنایا۔ اس وقت بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا رابطہ جیل میں مجلس عمل کے حضرات سے تھا۔ ان کی معرفت ہم نے ان کی رائے معلوم کی۔ انہوں نے کہا کہ اب کراچی میں گروپ بھیجنے کی بجائے لاہور میں ہی کام کیا جائے کیونکہ لاہور اور پنجاب سے جو گروپ بھیجے جاتے تھے اُنہیں راستے ہی میں اتار لیا جاتا تھا۔ غرضیکہ میں نے تحریک کو ازسرِ نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا اور ۲۸۔ فروری کو اعلان کیا کہ آج تک یہ مذہبی تحریک تھی اب یہ سیاسی تحریک بھی ہے۔ چنانچہ میں نے اس تقریر میں صفحہ نمبر ۲۸۔ اور ۲۹ پر لکھا ہے۔

تحریک صرف مذہبی نہیں تھی:۔

یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ مسلمان کا دین اس کی دنیا سے جدا نہیں ۔ مسلمان کی سیاست اس کی عبادت سے منقطع نہیں ۔ باوجود اس کے تحریک تحفظ ختم نبوّت کے متعلق یہ ایک افسوس ناک سانحہ ہے کہ اس تحریک کو ان معنوں میں بار بار مذہبی تحریک کہا گیا ہے گویا یہ ایک سیاسی، اقتصادی اور عالمگیر تحریک نہ تھی ۔ جب ''مذہبی'' کا لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کی وہ گت بن جاتی ہے جس طرح ''مذہبی سکھوں'' کی ترکیب لفظی میں مذہب کا اسلامی مفہوم مسخ ہو جاتا ہے ۔ بلاشبہ تحریک تحفظ ختم نبوت ان معنوں میں ایک مذہبی تحریک تھی ۔ جن معنوں میں ''تحریک پاکستان'' ایک مذہبی تحریک تھی جن معنوں میں ''تحریک حصول کشمیر'' ایک مذہبی تحریک ہے اور جن معنوں میں سود کی ممانعت سے پاکستان کی اقتصادیات کو مغربی بنکاری کے انسانیت کش اثرات سے نجات دلانے کی تحریک ایک مذہبی تحریک ہوگی'' ۔

اس غلط فہمی اور غلط بیانی کی ابتداء اس ماحول میں ہوئی جبکہ ''راست اقدام'' کو بغاوت کے مترادف قرار دینے کی ناجائز کوشش جاری تھی ۔

تحریک کا مقصد سیاسی بھی تھا:۔

''جس شخص نے تحریک تحفظ ختم نبوّت کی ابتداء اور ارتقاء کے مراحل کا مطالعہ کیا ہے اور اس وقت کی تقاریر اور جلسوں کی کاروائی اور کارکنوں کی جدوجہد اور تنظیم کی سرگرمیوں پر اس کی نگاہ ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس تحریک کے چلانے والوں کو صرف یہ خیال دامن گیر تھا کہ وہ الٰہیات، فقہ یا علم عقائد کا کوئی اصولی مسئلہ بجائے مدرسہ میں طے کرنے کے مسند حکومت پر سلجھانے کے خواہشمند تھے ۔ بات یہ تھی کہ الٰہیات فقہ اور علم عقائد کے ایک مسلمہ مسئلہ کو بعض، سیاسی، اقتصادی اور عملی سازشوں کی مصلحت نے یوں الجھا دیا تھا کہ بغیر اس مسئلہ کو مسند حکومت پر بیٹھ کر طے کئے نہ ان سیاسی غداروں کا علاج کیا جا سکتا تھا جو نبوّت کا نور ملکہ وکٹوریہ کے نور سے اخذ کرنا چاہتے تھے نہ ان اقتصادی رخنہ اندازوں کا قلع قمع ہو سکتا تھا جو امریکہ میں پیدا ہونے والے وافر غلے کی منڈی پاکستان میں مہیا کرنے کی خاطر ایک طرف پاکستان کے دریاؤں کا رُخ بدلے جانے پر کسی عملی مداخلت کی بجائے یو۔این۔او میں ساڑھے بارہ گھنٹے تقریر کرنا کافی

سمجھتے تھے اور دوسری طرف ملکی غلے کو بھارت میں سمگل ہونے کا موقع دیکر یہاں مصنوعی قلت اور قحط کی صورت پیدا کر رہے تھے، نہ ہی ان عالمگیر سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا جو روس اور امریکہ کی لڑائی میں اسلام کے نام پر پاکستانی سپاہیوں سے وہی کام لینا چاہتے تھے جو پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں کے دوران راولپنڈی اور جہلم کے رنگروٹوں نے بغداد اور مصر میں حکومت انگلینڈ کی زریں خدمات بجالا کر انجام دیا تھا۔

تحفظ ختم نبوّت کے مسئلہ کے دینی پہلو کو یکسر علیحدہ رکھتے ہوئے تین سراسر دنیاوی مسائل ایسے تھے جو پاکستان کو درپیش تھے اور درپیش ہیں اور جن کا حل سوائے ختم نبوّت کے اصول کو پاکستان کی سیاست، پاکستان کی اقتصادیات اور پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور اور مرکز بنائے بغیر ممکن نہ تھا۔"

پھر میں مسجد وزیر خان میں چلا گیا اور وہاں سے تحریک کو آگے بڑھایا اور تحریک پُر امن چلتی رہی میں نے لوگوں کو ہدایت کی کہ مثبت نعریں لگائیں اور تصادم سے بچیں جبکہ حکومت یہ چاہتی تھی کہ تصادم ہو اور میں نے تصادم کے سب راستے بند کر دیئے۔ حکومت نے بہت کوشش کی کہ گڑ بڑ پیدا کی جائے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا وہ یہ طے کر کے آتا تھا کہ ناموس مصطفیٰ ﷺ کے لئے جان دے گا۔ ہم نے طے کیا کہ اگر لاٹھی چارج ہوا تو لاٹھیاں کھاتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا لیکن مولانا خلیل صاحب (مولانا خلیل احمد قادری ابن مولانا ابوالحسنات قادریؒ) نے مشورہ دیا کہ ایسے موقع پر سب زمین پر لیٹ جائیں۔ پولیس نے لوگوں کو اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اُٹھے۔ ایک ڈی ایس پی نے ایک نوجوان کو ٹھوکر لگائی۔ اس کی بغل میں حمائل تھی جو دور جا پڑی اور پھٹ گئی۔ کچھ نوجوان اس ڈی ایس پی کو دیکھ رہے تھے، اس دن تین جلوس روانہ کیے گئے تھے گورنمنٹ ہاؤس، سول سیکرٹریٹ اور ڈسٹرکٹ کورٹ کی طرف، یہ لوگ پُر امن طور پر واپس آگئے کچھ گرفتاریاں بھی ہوئیں۔ ڈی ایس پی کے ٹھوکر لگانے پر لوگ بپھر گئے۔ وہاں ایک آدمی تھا۔ جس کا نام میں لینا نہیں چاہتا۔ اس نے دہلی دروازے کے باہر تقریر میں اس واقعہ پر لوگوں کو بھڑکا دیا۔ میرا ہیڈ کوارٹر مسجد وزیر خان تھا۔ ان کی اسکیم یہ تھی کہ اس شخص کو پکڑ کر لے جانے سے تحریک ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دیکھا کہ کس وقت میں اکیلا ہوتا ہوں۔ عصر کی نماز میں عام طور پر کام کی زیادتی

کی وجہ سے آخری صف میں کھڑا ہوتا تھا۔انہوں نے اسکیم بنائی کہ آدمی بھیج کر اس اٹھوالیا جائے ۔میں مسجد کے حجرے میں بیٹھا نوجوانوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ایک شخص آیا اور دیکھ کر واپس چلا گیا۔میں نے نوجوانون کو بتایا کہ یہ آدمی مشکوک نظر آتا ہے،اس کا تعاقب کرو۔نوجوان اس کے پیچھے گے لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔اس کے کچھ دیر بعد ڈی ایس پی پولیس کا ایک جتھا لے کر وہاں آیا اور مسجد میں داخل ہونا چاہا۔ہم نے مسجد کے باہر باقاعدہ پہرہ لگایا ہوا تھا اور کوڈ ورڈز سے اطلاعات دیتے تھے۔رضا کاروں نے دروازے پر اُنہیں روک لیا اور ڈی۔ایس۔پی کو موقع پر ہی لڑکوں نے قتل کر دیا۔کچھ پولیس والے بھی زخمی ہو گئے۔وہ چاہتے تھے کہ کل پھر تشدد کیا جائے اور میں سمجھ گیا تھا کہ حکومت اپنی چال میں کامیاب ہوگئی ہے۔ہمارا طریقہ یہ تھا کہ دن بھر تقریریں ہوتی تھیں اور رات کو بھی تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔رات کو ایک ڈیڑھ بجے ہم لوگ مسجد سے ایک پوشیدہ محفوظ مقام پر منتقل ہو جاتے تھے۔میں چوکنا ہو گیا تھا۔میں نے ۴۔تاریخ کو جلسے میں ایک قرارداد پاس کرائی کہ جن لوگوں نے ڈی۔ایس۔پی کو قتل کیا ہے اُنہوں نے برا کیا ہے اور وہ ہمارے آدمی نہیں۔وہ حکومت کے آدمی ہیں اور اس طرح تحریک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور ہماری پُرامن تحریک کو انتشار کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں اس لئے نوجوان پُرامن رہیں اور اس تحریک کے دوران ڈیوٹی پر جو مسلمان ہلاک ہوں گے وہ شہید ہوں گے اور یہ قرارداد پاس ہوگئی۔صبح کو ہم نے پروگرام شروع کیا۔لیکن صبح تشدد کیا گیا اور بے تحاشہ فائرنگ کی گئی۔قادیانی بھی فوج اور پولیس کی وردیوں میں آکر بے تحاشہ فائرنگ کرنے لگے۔ہمارے نوجوان علماء نے اس موقع پر جو قربانیاں دیں انہیں سن کر یقیناً آپ دنگ رہ جائیں گے۔جب مسجد وزیر خان سے ہمارے دستے نکلتے تھے تو دہلی دروازے کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی۔انہوں نے ایک ایک کر کے چاروں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آرہا تھا اور اس کے نعرے صرف **لاالٰہ الا اللّٰہ** ،نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت تھے۔وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی۔وہاں نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آئے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔یہ پانچ تاریخ کا واقعہ ہے۔۶۔تاریخ کو جمعہ تھا انہوں نے یہ شرارت کی کہ ایک پوسٹر نکالا جس میں اعلان کیا گیا کہ آج نیازی صاحب جمعہ شاہی مسجد میں پڑھائیں گے تا کہ

ہماری قوت بٹ جائے۔ میں نے ایک جیپ کے ذریعے اعلان کیا اور اس پوسٹر کی تردید کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۔ تاریخ کو شاہی مسجد میں ہمارا کوئی آدمی نہیں گیا۔ اسی دن مارشل لاء لگا دیا گیا۔ ہماری تحریک کامیاب ہو چکی تھی۔ صوبائی حکومت نے میرے پاس اسمبلی کے اسپیکر کو بھیجا اور کہلوایا کہ پنجاب کی حکومت آپ کے مطالبات مرکزی حکومت کو پہنچائے گی اور آپ سے بات چیت کرے گی۔ اس سے پہلے گورنر نے ان معاملات کو روکنے کے لئے بہت کوششیں کیں۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا کہ تحریک پرامن رہے گی اور آپ کو ہماری تحریک ختم کرنے کی کوششیں ختم کرنا ہوں گی۔ ۶۔ تاریخ کی رات کو ہمارے آدمی خوف وہراس کی وجہ سے بجلی کے نظام کے ختم ہو جانے کی وجہ سے نہیں آئے۔ میں نے حاضرین کو بتایا کہ آپ کی تحریک کا محافظ اللہ ہے اور مردانہ وار بڑھتے رہو۔ چنانچہ ۷۔ تاریخ کو پورے اہتمام سے پروگرام جاری رکھے گئے اور بڑا زبردست اجتماع ہوا۔ مسجد وزیر خان کو میں نے ایک قلعہ قرار دیا جسے کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ مارشل لاء کے باوجود ۷۔ اور ۸۔ تاریخ جلسے ہوتے رہے۔ ان حالات میں ہم نے کسی اور جگہ مرکز بنانے کے متعلق سوچا۔ ۹۔ تاریخ سے اسمبلی کا سیشن شروع ہو رہا تھا۔ اس لئے میں اس پوشیدہ جگہ سے منتقل ہو گیا۔ ۹۔ تاریخ کو ہمارے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ میرے خلاف ایک مقدمہ درج کر لیا گیا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ میں سیدھا اسمبلی میں داخل ہو جاؤں۔ میں نے سوچا کہ لاہور سے باہر چلا جاؤں اور کوئی روپ دھار کر گاڑی میں آؤں اور سیدھا اسمبلی ہال میں داخل ہو جاؤں۔ میں نے ۱۶۔ تاریخ کو اسمبلی میں شریک ہونے کا پروگرام بنایا۔ بہر حال اسمبلی سیشن ۲۲۔ تاریخ تک کیلئے ملتوی ہو گیا۔ میں ریڑھے میں بیٹھ کر مسلح نوجوانوں کی حفاظت میں لاہور سے نکل گیا۔ ہم بے شمار تکالیف کے بعد اوکاڑہ پہنچے۔ وہاں سے پاک پتن شریف گئے۔ ملٹری مجھے تلاش کرنے میں پوری طرح مصروف تھی۔ پاک پتن سے میں قصور گیا۔ قصور میں جن لوگوں کے ہاں میں رہا انہوں نے غداری کی اور ملٹری کو اطلاع دی۔ اگر مجھے ایک گھنٹہ اور مل جاتا تو میں اسمبلی گیٹ کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ فوج کے قبضے میں جانے سے پہلے اسمبلی میں تقریر کروں اور اپنی تحریک کے بارے میں پوری تفصیلات بتا دوں۔ وہاں سے روانگی سے پہلے وہ آ گئے اور مجھے گرفتار کر کے قصور پولیس اسٹیشن لے گئے۔ میرے

ساتھ بشیر مجاہد بھی تھا۔ اسے بھی گرفتار کر لیا۔ ہمیں قلعہ میں لایا گیا۔ ۲۳۔ مارچ سے ۹۔ اپریل تک ہم قلعہ میں رہے۔ مجھے ۱۰ نمبر کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور سب کچھ معلومات حاصل کیں۔ میرے بیان کے بعد ایس۔ پی نے کہا کہ آپ کا مقصد تو ٹھیک تھا۔ وہاں مجھے جیل منتقل کیا گیا اور مجھے چارج شیٹ دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا۔ جو ۱۷۔ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔ مودودی صاحب کا کیس میرے بعد چلا۔ ۷۔ مئی کو ۹ بجے مجھے بلایا گیا اور اسپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن میرے پاس آئے۔ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے کیس کے اور ملزم بھی تھے۔ قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا۔ دوسرا کیس بغاوت کا تھا۔ اس میں ثبوت کے لئے میری دو تقریریں تھیں۔ لیکن ان میں بغاوت کا کوئی جملہ بھی نہیں تھا۔ کیس ختم ہو گیا اور مجھے قتل کے کیس سے بری کر دیا گیا اور دوسرے کیس کے متعلق انہوں نے مجھے ایک آرڈر پڑھ کر سنایا ''تمہیں گردن سے پھانسی پر چڑھایا جائے گا یہاں تک کہ تم مرجاؤ''۔ میں نے یہ آرڈر لیا اور اس افسر نے مجھ سے کہا اس پر دستخط کرو، میں نے کہا جب میں رسی کو چھوؤں گا تو اس پر دستخط کروں گا۔ اس نے کہا تمہیں اس پر ابھی دستخط کرنا ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں جس وقت پھانسی پر پہنچوں گا تو اس پر دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں، میں آپ کے پنجوں میں ہوں، مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو اور میں دستخط کر دوں گا۔ انہوں نے پھر کہا کہ دستخط کرو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ بولا کہ آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے نوٹس دے دیا یا نہیں۔ میں نے کہا بہت تعجب ہے کہ میں جیل میں ہوں اور آپ میرے دستخط مانگ رہے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر آپ کو اپنے افسران ہی کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر اس پر دستخط کئے دیتا ہوں۔ میں نے بڑے اطمینان سے دستخط کئے اور تاریخ ڈال کر انہیں دے دیا۔ اور میں نے کہا کہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے میں تو اس سے بھی زیادہ کے لئے تیار تھا۔ انہوں نے میری ہمت کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ تم میری (Moral) ہمت کے بارے میں پوچھتے ہو وہ تو آسمانوں سے بھی بلند ہے اور تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

وہ چلے گئے اور میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ اب میں آپ کو دل کی بات بتاتا ہوں کہ جب میں نے موت کا یہ پیغام سنا تو میری کیا حالت تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے قرآن شریف کی یہ آیت یاد آ گئی۔ سورہ ملک، خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملاً. اور میں نے اس آیت کا یہ تاثر لیا کہ موت وحیات کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے اور اگر اس مقصد کے لئے جان جائے تو اس سے بڑی زندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بہر حال ان کے جانے کے بعد مجھ پر خوف کا حملہ ہوا لیکن فوراً یہ شعر میری زبان پر آ گیا۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس کے بعد جب میں باہر آیا تو جیل والوں نے یہ خیال کیا کہ نیازی کو بھی انہوں نے بری کر دیا ہوگا۔ مجھ سے سپرنٹنڈنٹ نے کہا نیازی صاحب مبارک ہو، بری ہو گئے ہو۔ میں نے کہا اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔ اس نے کہا کیا مطلب، میں نے کہا کہ اب انشاء اللہ حضور ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی فہرست کے کسی کونے میں میرا نام بھی درج ہوگا۔ پھر بھی وہ نہ سمجھا۔ میں نے کہا میں کامیاب ہو گیا۔ پھر مجھے ایک الگ کمرے میں لیجایا گیا اور مجھ سے کپڑے اتار کر پھانسی کا لباس پہننے کا حکم دیا گیا۔ مجھے ایک کرتا، پاجامہ، تولیہ اور چادر وغیرہ دیا گیا اور جیل کا لباس پہنا دیا گیا۔ میری سزائے موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور جیل کے قیدی تک مجھے دیکھ کر روتے تھے۔ مجھے پھانسی کی کوٹھری میں لیجایا گیا۔ میں نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور کہا کہ کتنے عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں۔ اگر میں اس نیک مقصد کے لئے جان دے دوں گا تو میری بہت خوش قسمتی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ایام میں نے جیل کی اس کوٹھری میں گزارے ان دنوں میری صحت اتنی اچھی ہوگئی کہ لوگ حیرت کرتے تھے۔ ۱۲۔ تاریخ کی شام کو مغرب بعد میں وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ ایک آدمی کو میرے سامنے لایا گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ایک اور مولوی کو سزائے موت ہوئی ہے اور اسے لایا گیا ہے۔ میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ اسے مودودی کہتے ہیں۔ وہ پانی مانگ رہا ہے۔ میں نے شربت بنا کر بھیجا۔ پھر روزانہ پچھلے پہر جب بارکیں تبدیل ہوتیں تو مجھے ایک دن مودودی صاحب سے

ملنے کا موقع مل گیا۔۱۴/ تاریخ کو ان کے صاحبزادے ملنے آئے اور وہ مجھ سے بھی ملے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ بیٹا! یہ تمہارے باپ کو پھانسی نہیں دے سکتے۔ ہم لوگ سینٹرل جیل میں تھے۔ ایک دن ملٹری آفیسر بھاگتا ہوا آیا اور مبارکباد دی کہ تمہارا پھانسی کا حکم ۱۴ سال کی قید میں تبدیل ہو گیا۔ مودودی صاحب نے مجھے مبارکباد دی لیکن میں نے کہا آپ یقین رکھیں آپ کے لئے بھی آرڈر آ جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ شام کو ان کے لئے بھی آرڈر آ گیا۔ مولانا خلیل صاحب کو بھی ۷ سال کی سزا ہوئی اور دیگر لوگ بھی تھے۔ ہم پانچ آدمی تھے۔ ہمیں اے کلاس دی گئی۔ اس سال ہم نے عید جیل میں کی۔ قیدیوں نے جیل میں مجھے عید کا خطبہ دینے پر مجبور کیا۔ عید سے پہلے مودودی صاحب کو ملتان منتقل کر دیا گیا۔ اس دوران کچھ لوگ معافیاں مانگ کر جانے لگے۔ لیکن میں نے معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۵۳ء کو ہمیں گرفتار کیا گیا اور ۲۹/ مارچ ۱۹۵۵ء کو ضمانت پر رہا ہوئے۔ یہ ہوئے دو سال ایک ماہ اور چھ دن۔

اُس وقت سارا ملک تحریک کی اہمیت سے آگاہ نہیں تھا۔ اب تحریک کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ اب قادیانیوں نے یہودیوں کے ساتھ مل کر پاکستان کی تباہی کا پروگرام بنایا ہے اور حکومت کو آلۂ کار بنایا ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ الیکشن ہوں یا حکومت کے جلسے ہوں، وہ حکومت کی مفت کی فوج ہوتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ یہاں پر سیکولر نظام ہو۔ اگر یہاں، اسلامی نظامِ حکومت آ جاتا ہے تو انہیں اپنی موت نظر آتی ہے۔ اس لئے ان کی کوشش یہ ہے کہ یہاں اسلامی ریاست قائم نہ ہو اور پھر چونکہ یہ لوگ مختلف شعبوں میں حاوی ہو گئے اس لئے ان کا فتنہ بڑھ رہا ہے اور لوگ اس سے بخوبی واقف ہو رہے ہیں۔ یہ بالکل طے شدہ بات ہے کہ اگر ملک بچ سکتا ہے تو نظریۂ پاکستان سے اور نظریۂ پاکستان کی حفاظت ایک جملے میں ادا کی جا سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تحفظ عقیدۂ ختمِ نبوّت۔ اس لئے اب جو تحریک چلے گی تو وہ علمی، تحقیقی تحریک ہو گی۔ اس لئے میں پُر اُمید ہوں کہ اب تحریک ایسی ہو گی جو پُر امن طور پر مجبور کر دے گی کہ حکومت کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو اور کتاب و سنت کے الفاظ کا پاکستان کے آئین میں ہونا تحفظ ختم نبوّت کے لئے بنیاد ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ ''ترجمانِ اہلسنت'' کراچی، اگست ستمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۸۱ تا ۹۰)

علامہ اقبالؒ اور ختمِ نبوّت

(مجاہدِ ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مجاہدِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے ''تحریکِ ختمِ نبوّت'' میں جو سرفروشانہ کردار ادا کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس تحریک میں حضرت اقدس نے دار و رسن کو چوما اور ایک مردِ مومن اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا۔

ذیل کا مضمون اُن کی اقبال شناسی اور بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کی بیّن دلیل ہے۔ ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' کے مصداق پڑھیے۔ میرے دعوے کی تصدیق کیجیے اور ختمِ نبوّت کی برکات سے اپنے قلب و جگر کو منوّر، روشن اور آباد کیجئے۔ (قصوری)

وہ دانائے سُبل ختم الرسّل، مولائے کُل جس نے
غُبارِ راہ کو بخشا ، فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں ،وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فُرقاں ، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

عقیدۂ خاتمیت جناب سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اہلِ علم و معرفت نے ہزارہا صفحات پر اپنے خیالات پیش کیے ہیں اور سب کا نقطۂ ماسکہ یہی رہا کہ سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت چونکہ تا قیامِ قیامت ہے اور قرآن پاک کی اس مشہور آیت

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا.. (پارہ ۱۸، سورہ الفرقان:۱)	''بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندے پر، تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے نذیر (ڈر سنانے والا) ہو''۔

میں

(۱) منصبِ نبوّت (Office of the Prophet)

(۲) اختیارِ نبوّت (Authority of the Prophet)

(۳) سلطنتِ نبوّت (jurisdiction of the Prophet)

کو شامل کیا گیا ہے۔ اور صحیح مُسلم شریف میں خود ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے:
ارسلت الی الخلق کافۃ (میں اللہ کی تمام کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) میں وضاحت فرما کر تمام جہانوں اور تمام جہانوں کی مخلوقات کیلئے نبوّت کے حیطۂ اختیار و اقتدار کی لامتناہی وسعتوں پر نیابتِ الٰہی کا علم لہرا دیا ہے۔ اس لئے کسی مخلوق کے لئے چاہے وہ جنات ہوں، ملائکہ ہوں یا اور مخلوق، گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے کوئی اور منصب اختیار کر سکے کیونکہ تمام (سب) کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں علم کے ممکنہ طرق و سبل کھول کر انہیں توحید کے دروازے سے گزرنے کا پابند بنایا وہاں اس دروازے کی کلید اقرارِ رسالت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مقرر فرمایا۔ انسان ضعیف البنیان کو کائنات کے تمام اسرار و رموز سے دوچار ہونے کی اجازت بھی صرف اس شرط پر ملی کہ ظاہر پر غیب کے دریچے کھول دینے والے پیغمبر کی سنّت کا دامن کسی حالت میں ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

جب اُمت اس سنّت کا دامن تھام لیتی ہے تو پھر اس سنّت کا اجماع سنتِ سلف صالحین کا منصب حاصل کر لیتا ہے۔ بہرحال امکانی لحاظ سے جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر تمام دروازے اس طرح کھلے ہیں کہ انبیائے بنی اسرائیل جن مسائل کو وحی سے حل کرنے کے محتاج تھے وہ آج اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء اتباعِ سنت محمدی کے ذریعے حل کر سکتے ہیں لیکن حصولِ کمالات و ترقی مقامات کے ان لامحدود امکانات میں اپنی ہستی گم نہ کر بیٹھے اور ہدایت کے بجائے گمراہی سے بچنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ حضور خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر شعبے میں ہر پہلو سے تسلیم کرایا جائے۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حقیقتِ بالغہ کو اپنے مشہور شعر ۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
گر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است

میں بیان فرما کر نہ صرف رُوحِ خاتمیت کو اُجاگر کیا ہے، بلکہ انکار و ابہام خاتمیت پر بھی لعنت و پھٹکار کی قدغن لگا رکھی ہے۔ متکلمِ اسلام حکیم شریعت حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

نے اس جامعیت کو امتناعِ نظیر کی بحث میں واضح کیا تھا اور نباضِ فطرت شاعرِ بے بدل مرزا اسد اللہ خان غالبؔ نے بھی ان سے ہی فیضیاب ہو کر

مقصدِ ایجاد ہر عالم یکے است
گر چہ صد عالم بود خاتم یکے است

میں حضرت علامہ کے عقیدۂ خاتمیت کو شرح صدر کے ساتھ تقریباً ایک صدی پہلے بیان کر دیا تھا۔ افسوس ہے کہ ایک ایسا عقیدہ جس کے دوسرے پہلو پر بحث و تمحیص کو حضرت امامِ اعظم ابُو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفر قرار دیا تھا ہمارے برصغیر میں بحث و نظر کا موضوع بنا رہا اور آج بھی دجل و تلبیس کے علمبردار خاتمیت کے عقیدے میں منافقانہ آمیزش کرتے ہوئے جسدِ ملّت کو زار و زبوں کرنے کیلئے اپنی اپنی سازشوں میں مصروف ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس مسئلے کے متعلق وہ کچھ کہہ دیا ہے کہ تو جیہات کے انبار لگا دینے کے باوجود بھی کوئی سلیم الطبع انسان گمراہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اس مسئلے کو صرف فقہی مسائل قرار نہیں دیا بلکہ اس کے دائرہ گیرائی کو ساری ملّی زندگی پر حاوی کر دیا اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ پوری ملّت کے استحکام و بقا کا مسئلہ ہے اور ہم ان کے ارشادات کی روشنی میں ثابت کر سکتے ہیں کہ پاکستان کی سالمیّت بھی ''عقیدہ ختم نبوّت'' سے ہی وابستہ ہے۔

دین کے عام فہم معانی بھی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر مسئلے میں آخری حُجت تسلیم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملّت کے اجماعی مطالبے کی بنا پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہر آئین میں قرآن و سنّت کو قانون سازی کا سرچشمہ قرار دیا جاتا رہا۔

اِن حالات میں پاکستان کی سالمیّت برقرار رکھنے کی خاطر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس نبی پر نازل ہونے والی کتاب اور کس نبی کی سنّت آئین و قانون کا سرچشمہ ہے؟

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

کی رُو سے ختم نبوّت کا مسئلہ صرف عقائد کا مسئلہ نہیں ہے، پاکستان کے مختلف صوبہ جات کو ایک

دوسرے سے پیوست کرنے یا ایک دوسرے سے اکھاڑ کر ریزہ ریزہ کرنے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کو بھارت سے جُدا رکھنے یا خدانخواستہ بھارت کے ساتھ واپس ملحق کردینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں یہ ہر پاکستانی خاندان کے اندر نسبت اور صلہ رحمی کے رشتے قائم رکھنے یا منقطع کردینے کا مسئلہ ہے بلکہ بحیثیت ایک مسلمان کے اس کی شخصیت کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار کرکے اس کی اخلاقی اور ذہنی موت وارد کردینے یا توحید و خاتمیّت سے اس کو بامعنی بنادینے کا مسئلہ ہے۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ کسی شاعر کی مبالغہ آرائی یا کسی واعظ کی محفل آرائی نہیں، تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ جس دن سے ''عقیدۂ ختم نبوّت'' کے تحفظ سے حکومتِ وقت نے مجرمانہ غفلت برتی ہے اُس دن سے مشرقی پاکستان، سازشوں سے ہمارے جسدِ ملّت سے کاٹ کر اندرا گاندھی کی جیب میں ڈال دیا گیا ہے۔ جس پشتونستان کو ہم جاہلانہ عصبیت کا نام دیتے تھے وہ گمراہ نسل کا نعرہ بنتا جارہا ہے اور لسانی فسادات نے وحدتِ ملّی کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، اس لئے ہم حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے اس احسانِ عظیم کو کہ اُنہوں نے عقیدۂ خاتمیت کی وکالت میں وہ مواد فراہم کردیا ہے جو اس صدی میں کسی عالم یا فلسفی سے نہ ہوسکا تھا، فراموش نہیں کرسکتے۔

آج تک جدید تعلیم یافتہ گروہ جس سے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بجا شکوہ ہے، اُس نے ''ختم نبوّت'' کے تمدنی پہلو پر ابھی غور نہیں کیا اور معنویت کی ہوا نے اس کو حفظِ نفس کے جذبے سے بھی عاری کردیا ہے۔ بعض ایسے نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمان غیرتِ ملّی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ہمیں رواداری کا مشورہ دیتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم (ہربرٹ ایمرسن وغیرہ) رواداری کا مشورہ دے تو وہ معذور ہے کیونکہ اُس نے ایک مختلف تمدّن میں نشوونما پائی ہے، اُس کے لئے اتنی ژرف نگاہی دشوار ہے کہ وہ اسلامی تمدّن کی اہمیت کو سمجھ سکے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے آج سے چالیس سال قبل جس خطرے کی نشان دہی کی تھی وہ آج فتنہ بن چکا ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ حکومتِ وقت نے نہ صرف اِس خوفناک فتنے کی جارحیت کے سامنے مسلمانوں کو بے دست و پا بنادیا ہے بلکہ پُراسرار طریقے سے اس کی پرورش

کی جارہی ہے۔حضرت علامہؒ نے اس وقت حکومت انگلشیہ سے مطالبہ کیا تھا کہ مسلمانوں سے "باغیانِ ختمِ نبوت" کو علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔اُن کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"میری رائے میں حکومت کے لئے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ جماعت تسلیم کر لے یہ قادیانیوں کے عقائد کے عین مطابق ہوگا اور اس طرح اُن کے علیحدہ ہو جانے کے بعد مسلمان ویسی ہی رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتا ہے"۔(حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹)

حضرت علامہؒ نے مزید فرمایا:

"میرے خیال میں قادیانی، حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ملّتِ اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت دانستہ اُن کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے"۔(ایڈیٹر روزنامہ "سٹیٹس مین" کو ایک خط مطبوعہ ۱۰۔ جون ۱۹۳۵ء)

اُنہوں نے اِس خطرے کی بھی نشاندہی کی تھی کہ اگر مسلمانوں نے اپنے داخلی استحکام کے لئے کوئی آئینی انتظام نہ کیا اور انتشار انگیز قوتوں سے احتراز کے لئے مؤثر اقدامات نہ کئے تو اُن کا ملّی وجود منتشر ہو کر رہ جائے گا۔

اِن خیالات کو پیش کئے چالیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔آج حکومت اپنی ہے اور سوادِ اعظم کے نام پر اختیاراتِ حکومت بطور امانت موجودہ حکمران پارٹی کو حاصل ہیں۔مگر بڑے ہی دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اپنی حکومت بھی ملّی وحدت و استحکام کی ذمہ داریوں سے غفلت برت رہی ہے اور تلخ تجربات کے باوجود انتشار انگیز نعروں کے لئے میدان ہموار کر رہی ہے۔

جب مروجہ آئین میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر شریعت کا پابند بنایا جائے گا (دیباچہ پیرا نمبر ۴) ریاست کا مذہب "اسلام"

ہوگا۔ (آرٹیکل ۲) تمام قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالا جائے گا (آرٹیکل ۲۲۷) پارلیمنٹ، سینٹ اور صوبائی و مرکزی وزارتوں پر احتسابِ شرعی کے لئے ایک اسلامک کونسل قائم کی جائے گی اور وزیر اعظم و صدرِ مملکت نے ایمان باللہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسالت (ختمِ نبوت) ایمان بالآخرت اور تعلیماتِ کتاب و سنت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کا حلف اُٹھایا (تھرڈ شیڈول آئین پاکستان آرٹیکل نمبر۴۲، و نمبر ۹۱) تو کوئی وجہ جواز نہیں کہ اس ملک کے اندر خاتمیت کے منکروں اور باغیوں کو من مانی کرنے کا موقع دیا جائے اور حکومت کی کلیدی آسامیوں پر متمکن رہنے دیا جائے۔

اگر حکومت سمجھتی ہے کہ یہ محض فقہی بحث ہے اور سیاست کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو زبردست سوفسطائیت کا شکار ہے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ اس عقیدے کے بغیر نہ دوقومی نظریہ باقی رہ سکتا ہے اور نہ پاکستان۔ بلکہ بقول حضرتِ علامہؒ ہماری قومیت کی بنیاد ہی عشقِ ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بیچ سے اُٹھ جائے تو وہ کیا حد ہوگی اور وہ کونسی دیوار ہوگی جو تمہیں سورن سنگھ یا اندرا گاندھی سے جُدا رکھ سکے گی اور اگر تم ہی نہ ہوگے تو پھر پاکستان کہاں ہوگا؟ اور اگر پاکستان نہ ہوگا تو یہ حکومت کہاں ہوگی؟ اور قومی غیرت کس شے کا نام ہوگا؟

اِن تمام رشتوں اور تمام وابستگیوں کی جڑ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جو طاقت تمہیں اس نبی ﷺ سے جدا کرتی ہے وہ کیا تمہارے ماں، باپ، بہن بھائی، تمہاری جائیداد، تمہاری زندگی کی ہر اس خوشی سے تمہیں محروم کرنا نہیں چاہتی جس سے تمہاری دُنیاوی زندگی کے سہارے بھی قائم ہیں؟

تم نے جو یہاں اسلامک سربراہی کانفرنس منعقد کی ہے اس کے ثمرات بھی صرف اُسی شکل میں حاصل ہوسکتے ہیں جبکہ ہم ''اتحادِ عالمِ اسلام'' کے بنیادی رابطے ''عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم'' کو اپنی زندگی کے لئے قوتِ محرکہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت علامہؒ نے مندرجہ ذیل اشعار میں خاتمیت کو ہماری ملّی زندگی اور آئندہ وحدتِ حق کے لئے بُنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد | بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را | اُو رُسل را ختم و ما اقوام را
خدمتِ ساقی گری با ما گذاشت | داد ما را آخریں جامے کہ داشت
''لا نبی بعدی'' ز احسانِ خُدا است | پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ است

حضرت علامہؒ نے جس درد و کرب کے ساتھ بلا خوف لومتہ ولائم برٹش گورنمنٹ، **اسٹیٹسمین** کے ایڈیٹر اور پنڈت نہرو (جواہر لال نہرو) کو اس مسئلے کی اہمیت سے آگاہ کیا تھا وہ ملّت کے ہر فرد کے لئے نشانِ راہ کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت علامہؒ تو یہاں تک کہتے ہیں۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہا است

بنابریں اس عقیدے کی عالمگیر آفاقیت کا علمی و تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس سے انکار و انحراف نہ صرف کفر کو مُستلزم ہے بلکہ اُمتِ محمدّیہ کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے۔ جب کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کے خلاف اقدام کرتا ہے تو سوادِ اعظم اُمتِ محمدّیہ سے جنگ آزما ہو کر وحدتِ ملّی کو پارہ پارہ اور دارالاسلام پاکستان کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتا ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ اُمت کے سنگین حصار کا تحفظ، ختمِ نبوّت کے تحفظ سے کیا جائے۔

اس عقیدے کی اہمیت کو علامہ اقبالؒ نے اپنی معرکہ آرا کتاب ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' میں بدیں الفاظ بیان کیا ہے:۔

''اِس نقطۂ خیال سے دیکھا جائے تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ''دُنیائے قدیم'' اور ''دنیائے جدید'' کے درمیان بطور حدِ فاصل کھڑے دکھائی دیں گے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ آپ ﷺ کی وحی کا سرچشمہ کیا ہے تو آپ ﷺ دنیائے قدیم سے متعلق نظر آئیں گے لیکن اگر اس حقیقت پر نظر جائے کہ آپ ﷺ کی وحی کی رُوح کیا ہے تو جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی دُنیائے جدید سے متعلق نظر آئے گی۔ آپ ﷺ کی بدولت زندگی نے علم کے اُن سرچشموں کا سراغ پالیا جن کی اُسے اپنی شاہراہوں کے لئے ضرورت تھی۔ اسلام کا ظہور استقرائی علم (Inductive

Knowledge) کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوّت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اُس نے خود اپنی خاتمیت کی ضرورت کو بے نقاب دیکھ لیا۔ اس میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ عہدِ طفولیت کی حالت میں نہیں رکھا جاسکتا۔ اسلام نے دینی پیشوائی اور وراثتی بادشاہت (Priest Hood and Hereditary Kingship) کا خاتمہ کردیا۔ قرآنِ حکیم غوروفکر اور تجارب و مشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے اور تاریخ و فطرت دونوں کو علمِ انسانیت کے ذرائع ٹھہراتا ہے۔ یہ سب اسی مقصد کے مختلف گوشے ہیں جو ختمِ نبوّت کی تہہ میں پوشیدہ ہے۔ پھر عقیدۂ ختمِ نبوّت کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کے باطنی واردات (Mystic Experiences) کے متعلق ایک آزادانہ اور ناقدانہ طرزِ عمل قائم ہوتا ہے۔ اس لئے ختمِ نبوّت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوعِ انسانی کی تاریخ میں کوئی شخص اس امر کا مدعی نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی مافوق الفطرت اختیار (Supernatural Authority) کی بنا پر دوسروں کو اپنی اطاعت پر مجبور کرے (یعنی مسیح موعود یا مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے (ن)۔

ختمِ نبوّت کا یہی عقیدہ ایک ایسی نفسیاتی قوت ہے جو اس قسم کے دعویٰ اقتدار کا خاتمہ کردیتا ہے۔ اب کسی کے باطنی مشاہدات کیسے ہی غیر معمولی کیوں نہ ہوں، اُن پر تنقیدی نگاہ ڈالی جاسکتی ہے جس طرح انسانی مشاہدات کے دوسرے پہلوؤں پر۔ (تشکیل جدید الٰہیات اسلامی ص ۱۲۶)

جہاں تک میں نے حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عہدِ حاضر میں عقیدۂ خاتمیت کی تبلیغ اور تحفظ کے لئے اُن سے بڑھ کر کسی شخص نے کام نہیں کیا۔ آج چودھویں صدی میں تمام عالمِ اسلام کے اندر ہر محبِ اسلام کا یہ فرض ہے کہ ''ختمِ نبوّت'' کے مسئلے کو تمام دوسرے مسائل پر ترجیح دے۔ اگر ہم ''ناموسِ ختمِ نبوّت'' کے تحفظ سے اپنی بقاء کا اہتمام کرلیتے ہیں تو توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن، شریعت اور کسی اُصولِ دین کو ضعف نہیں پہنچ سکتا لیکن اگر خدانخواستہ مستشرقین یا منافقین اس تعریف کو کہ اسلام حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا، اُس کی ''غیر مشروط اتباع'' کا نام ہے، ہماری لوحِ قلب سے ذرا بھی اوجھل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو پھر نہ ہمیں ناموس صحابہؓ ہمارا ایمان

برقرار رکھنے میں مدد دے سکتا ہے نہ محبتِ اہلبیت ہماری نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے، نہ قرآن کے اوراق ہی میں ہمارے لئے ہدایت باقی رہ جاتی ہے، نہ مساجد کے محراب و منبر میں کوئی تقدیس باقی رہ جاتی ہے، نہ اولیاء اللہ اور مشائخ عظام ہی کی نسبتیں جاری رہ جاتی ہے، نہ علمائے کرام کی تدریس و وعظ ہی میں اثر باقی رہ جاتا ہے۔ نہیں نہیں، صرف یہی نہیں، خاکم بدہن اُمتِ محمدیہ کے تسمیہ اور وجود دونوں پر زد پڑتی ہے۔

اُمت محمدیہ عمل میں تقسیم ہو جاتی ہے، ملتیں حکومتوں میں بٹ جاتی ہیں اور حکومتیں گروہوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں، فقط اتنا ہی نہیں خاندان، ملت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ خود خاندان کے اندر صلہ رحمی، قطع رحمی سے مبدل ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہیں تو پھر شریعت بھی ایک نہیں۔ جب شریعت ایک نہیں تو حرام و حلال بھی ایک نہیں، جب حرام اور حلال میں کوئی حد نہیں تو باپ، بیٹے، ماں، بہن، خاوند اور بیوی غرض دنیا کے سب رشتے اپنی تقدیس سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ختمِ نبوت کا انکار، آسمان پر فرشتوں کا انکار ہے، زمین پر قبلہ اور حج کا انکار ہے، سیاست میں مسلمانوں کے غلبے اور جداگانہ وجود کا انکار ہے۔ غرض ختمِ نبوت سے انکار خود مسلمان کے مسلمان ہونے سے انکار ہے۔ یہاں پہنچ کر زبان گنگ ہو جاتی ہے، قلم ٹوٹ جاتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔

(ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور جلد 4 شمارہ 7 بابت اپریل 1974ء صفحہ 41 تا 47)

☆☆☆

''یہ بالکل طے شدہ بات ہے کہ اگر ملک بچ سکتا ہے تو نظریۂ پاکستان سے اور نظریۂ پاکستان کی حفاظت ایک جملے میں ادا کی جا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''تحفظ عقیدۂ ختمِ نبوت''۔

(مولانا عبدالستار خان نیازی)

(ماہنامہ ''ترجمانِ اہلسنت'' کراچی ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۹۰)

☆☆

﴿اٹک جیل سے خُفیہ ڈاک﴾

مرسلہ: رانا محمد صادق ادیبؔ۔آر بلاک اٹک شہر

(1974ء میں بھٹو دورِ حکومت میں فیصلہ کُن "تحریکِ ختمِ نبوّت" چلی تو حضرت مجاہدِ ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ "مجلسِ عمل تحریکِ تحفظ ختم نبوّت" کے مرکزی نائب صدر منتخب ہوئے۔ آپ نے تحریک کی کامیابی کے لئے جو سرگرمی دکھائی اُس سے بوکھلا کر حکومت نے اٹک جیل میں پابہ زنجیر کر دیا۔ جیل کی سختیوں، مشقتوں اور صعوبتوں کے باوجود خفیہ طور پر حضرت مجاہد ملّت نور اللہ مرقدہٗ نے اٹک شہر میں اپنے عقیدتمندوں اور سیاسی کارکنوں سے تحریری رابطہ رکھا۔ رانا محمد صادق ادیبؔ صاحب نے اس سلسلہ میں جو چند خفیہ قلمی تحریریں ارسال کی ہیں، من وعن درج ذیل ہیں۔ قصوری)

(۱)

(بنام رانا محمد صادق ادیبؔ صاحب آر بلاک اٹک شہر)

عزیزم! سلام ورحمت۔ مرسلہ اشیاء کی وصولی سے باضابطہ مطلع کر چکا ہوں۔ دشمن کا خیال ہے کہ تحریک اتنی منظم کیوں ہے۔ اُسے کیا پتہ کہ سارا سوادِ اعظم اِس کے پیچھے ہے اور ساری ملّت کی توانائیاں پُشت پر ہیں۔ پہیہ جام کرنا یا سٹرائیک کوئی نئی بات نہیں۔ "تحریکِ ختمِ نبوّت 1953ء" میں اس سے کہیں زیادہ ہوا تھا۔ گاڑیاں نہیں چلیں، ریلوے ملازمین نے جلوس نکالے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سول سیکرٹریٹ (لاہور) نے مکمل Pen Strike کر دی۔ جب اُس وقت کے ابنِ زیاد جنرل اعظم (خان) نے دھمکی دی تو لاٹ صاحب کے دفتر میں موجود تمام اہلکاروں، کارکنوں اور ملازمین نے جواب دیا کہ ہم دفتر کی تمام فائلیں جلا دیں گے اور ساتھ تم کو جہنم واصل کر دیں گے۔ اس احمق کو قوم کے عزمِ جہانگیری اور جوشِ قلندرانہ کا اندازہ نہیں۔ ؎ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا۔۔۔ الخ

ساری ملّت تم سے ناراض ہے۔ باقی یہ کہنا کہ امریکہ نے حمایت کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر جمہوری ملک سے ہمیں اخلاقی حمایت حاصل ہے۔ روس، چین یا قذافی جیسے ڈکٹیٹر

جمہوریت اور شرعی خلافت کی اہمیت کو کیا سمجھیں۔ ہم تمام جمہوری ملکوں سے حمایت طلب کرتے ہیں۔ ملّت متحد ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ ہر فرد کی صلاحیتیں ساتھ ہو جاتی ہے۔

(۲)

(بنام رانا محمد صادق ادیبؔ صاحب آر بلاک اٹک شہر)

مورخہ ۲۲/ مارچ کو ہوم سیکرٹری کو ملاقاتیوں کی فہرست بھیج دی ہے۔ اُس نے آج تک منظور شدہ فہرست سے آگاہ نہیں کیا اور نہ ہی جیل والوں کو اطلاع دی ہے۔ میں نے ایک تار بنام گورنر و چیف منسٹر شکایتاً ارسال کیا ہے۔ منظور شدہ فہرست کا ہر شخص براہِ راست ملاقات کر سکتا ہے۔ پیشگی ہوم سیکرٹری سے اجازت کی ضرورت نہ ہوگی۔ جیل والے ایس پی کو ٹیلی فون کر کے سیکورٹی آفیسر بلا لیں گے۔ جس کی موجودگی میں ملاقات ہوگی۔ لاہور کے احباب کو تاکید کر دیں کہ وہ منظور شدہ فہرست ادھر بھجوائیں۔ کل صبح صاحبزادہ صاحب (عبدالظاہر) کے پاس ایک شخص جائے گا، آپ اُس سے مل لیں۔

صاحبزادہ (عبدالظاہر) صاحب کے لئے ایک مختصر بیان بھیجا ہے، اُسے دیکھ لیں اور نمائندگان (روزنامہ) ''نوائے وقت'' اور ''جنگ''، ہفتہ وار ''اسلامیہ جمہوریہ'' وغیرہ کو بھجوا دیں۔

(۳)

(بنام رانا محمد صادق ادیبؔ صاحب آر بلاک مدنی روڈ، اٹک شہر)

صرف ایک دوا ملی ہے۔ باقی کا کیا ہوا۔ ہوم (سیکرٹری) کی جانب سے ملاقاتیوں کی منظور شدہ فہرست نہ مجھے ملی ہے اور نہ جیل والوں کو۔ اس کی وجہ سے خرابی ہے کہ سوائے ہوم (سیکرٹری) کی اجازت کے ملاقات ناممکن ہے۔ حالانکہ قانون کی رُو سے منظور شدہ فہرست میں شامل ہر شخص براہِ راست ملاقات کر سکتا ہے۔ 3111150 پر فون کر کے تاکید کر دیں کہ منظور شدہ فہرست کی دو کاپیاں، ایک مجھے اور دوسری جیل والوں کو فی الفور بھجوا دے اور بہتر یہ ہے کہ دستی ہمراہ لائے اور تمام ادویہ لے کر شیر احمد خان نیازی خود ملاقات کرے۔ براہِ راست

ہوم سیکرٹری سے مل کر اپنے لئے اجازت بھی حاصل کرے اور ملاقاتیوں کی منظور شدہ دو فہرستیں مصدقہ بھی اُن سے طلب کرے۔ باقی مفصل حالات سے آگاہ کریں۔ پہلا رابطہ ابھی بامرِ مجبوری منقطع ہے۔ ملاقات کی صورت یہ ہوگی کہ منظور شدہ فہرست میں شامل شخص جیل والوں سے ملے گا، وہ S.P کو اطلاع دیں گے جو اُسی وقت Security آفیسر بھیج دے گا جس کی موجودگی میں ملاقات ہوگی۔ ہوم (سیکرٹری) سے اجازت کی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔

(۴)

(بنام رانا محمد صادق ادیبؔ صاحب آر بلاک، مدنی روڈ، اٹک شہر)

معتمد علیہ فرستادہ کی معرفت بھیجنا زیادہ محفوظ اور قرین مصلحت ہے۔ بذریعہ ڈاک ترسیل سے احتراز کریں۔ کیونکہ یہ کوئی محفوظ و امین واسطہ نہیں رہ گیا۔ اوّل تو آپ کا خط منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل ہے بصورتِ دیگر اس میں خیانت، سرقہ اور دستبرُد کا خدشہ ہے۔ بال پنسل (بال پوائنٹ) سے لکھے ہوئے کا فوٹو اچھا نہیں آتا۔ اس لئے دانش یہ ہے کہ اس تحریر پر گہری روشنی سے قلم پھیر دیا جائے۔ تاکہ حروف زیادہ روشن و نمایاں ہو جائیں۔ ویسے بھی ایسی تحریریں تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِن کا محفوظ کر لینا ہماری تحریک کے لئے زبردست تائید کا باعث ہوگا۔ فقط

(۵)

(بنام صاحبزادہ عبدالظاہر صاحب ضلعی صدر جمعیت علماء پاکستان اٹک)

عزیزی صاحبزادہ صاحب! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

منسلکہ رقعہ آپ اوّل فرصت میں رانا صاحب (رانا محمد صادق ادیبؔ) کو پہنچا دیں اور اُنہیں تاکید کریں کہ اس بیان کی نقول تمام اخبارات، روزنامہ جات اور ہفتہ وار میں روانہ کر دیں۔ جو طلباء اس کیس میں ماخوذ ہیں اُن میں میرا حقیقی بھانجا محمد اقبال بھی ہے۔ نہایت ہی مؤدب اور شریف لڑکا ہے۔ پروفیسر نابکار نے اپنی خباثت اور نالائقی کو چھپانے کے لئے یہ سارا ڈھونگ رچایا ہے۔ عام حالات میں وہ اس کو فیل کر کے بچ نہیں سکتا تھا۔ رانا صاحب کو تاکید کر دیں کہ وہ خود اپنے نام سے یا کسی دوسرے نام سے مدیرانِ مراسلاتِ اخبار ”نوائے

وقت''، ''وفاق''، ''جنگ''، ''مشرق''، ''امروز''، ''پاکستان ٹائمز'' (بے شک اُردو میں) وغیرہ سب کو اور ہفتہ وار اخبارات کو بلا تاخیر روانہ کر دیں۔ یہ ہمارا ذاتی کام ہے۔ عدالت میں جو ہوگا، وہ دیکھا جائے گا۔ اخبارات کا پروپیگنڈہ یکطرفہ بیحد مضر ثابت ہو رہا ہے۔

ہمارے پاس کھانڈ اور چائے کافی مقدار میں موجود ہے، اس لئے سرِ دست واپس کر لیں۔ جب ضرورت پڑی تو اطلاع دیں گے۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ حضرت قبلہ بادشاہ صاحب کی خدمت میں سلامِ مسنون۔

مخلص ________نیازی

☆/☆/☆/☆

''کنونشن میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ صدر اور وزیر اعظم کے حلف کو پیش نظر رکھتے ہوئے قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے فوراً ہٹائے کیونکہ ''ختمِ نبوّت'' کے نام پر قائم کردہ ملک میں ''ختمِ نبوّت'' کے باغی کلیدی آسامیوں پر فائز نہیں رہ سکتے۔

اگر حکومت نے ہمارے جائز مطالبات تسلیم نہ کئے تو حکومت کو بھی ''باغیانِ ختمِ نبوّت'' کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا اور اس وقت ہم حکومت کے کسی حکم کو ماننے کے پابند نہ ہوں گے''۔

(18 دینی وسیاسی جماعتوں کے ایک مشترکہ اجلاس لاہور منعقدہ 9۔ جون 1974ء کے بعد مولانا نیازی کی پریس کانفرنس)''۔

(روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور 10۔ جون 1974ء)

☆/☆/☆/☆

پیغام بنام مدیر ''الہام''

(مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ)

حضرت سیّد شہاب دہلویؒ نے اپنے ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور کا ایک نہایت ہی تاریخی، تحقیقی اور معیاری ''ختم نبوت نمبر'' مورخہ ۱۴/نومبر ۱۹۷۴ء کو نکالا۔ اس خصوصی اشاعت کے لئے ضیغم اسلام غازیٔ تحریکِ ختمِ نبوّت مجاہد ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ نے ایک جامع پیغام ارسال فرمایا جو مذکورہ شمارہ کے صفحہ ۳ پر شائع ہوا۔ لیجیے پڑھیئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔ (قصوری)

''مجھے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ ہفت روزہ ''الہام'' کا ''ختم نبوت نمبر'' شائع کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر اس قسم کے نمبر کی اشاعت بارگاہِ ذُوالجلال میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرنے کی غرض سے ہے۔ یہودیّت، مجوسیت، نصرانیت اور ہندیت نے اسلام کی شمشیرِ خاراشگاف سے گھائل ہونے کے بعد یہ سازش تیار کی کہ اسلام کو بزور شکست دینا چونکہ ناقابل عمل ہے، اس لئے منافقت، تلبیس اور دجل وفریب کے ذریعے اس کی تعلیمات میں خلل ڈال کر اہلِ اسلام کو برادرکشی اور باہم آویزی کے عذاب میں ڈال دیا۔ اِن عزائم مشومہ کی خاطر اُنہوں نے خدا کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جدا کرنے اور سنت کو قرآن کے بالمقابل صف آرا بنانے کیلئے ایک منظم تحریک شروع کی۔ پروگرام یہ تھا کہ بقول ڈاکٹر علامہ اقبالؒ۔

یہ فاقہ کش موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمدؐ اِس کے بدن سے نکال دو

ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں سے محو کی جائے۔ محو نہ ہو سکے تو اس میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں۔ اس خیال کی تبلیغ کہ ''اللہ چاہے تو وہ کروڑوں محمد ﷺ پیدا کر سکتا ہے'' اور اگر ''حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی آجائے تو اُس سے خاتمیت پر ضرب نہیں پڑتی''، دراصل یہود کے مقاصد کو پورا کرنے کے مترادف تھا۔

لیکن امّت کا سوادِ اعظم اس انحرافی، تحریفی اور اعتزالی رُجحانات کے مقابلہ میں ناقابلِ تسخیر چٹان بن کر اس سازش کو بے نقاب کرتا رہا۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادیؒ، مولانا کفایت علی کافیؒ اور مولانا فضلِ رسول بدایونیؒ جیسے عاشقانِ پاک طینت، اسلام کی اِن یورشوں سے حفاظت کرتے رہے۔

انگریز آیا۔ اُس نے مسلمانوں میں سے میر جعفر اور میر صادق جیسے غدّار پیدا کر کے ہمیں اقتدار سے بے دخل کر دیا اور ہندوستانیوں کو کرسٹان بنانے منصوبہ تیار کر لیا۔ جب اس منصوبے کو ناکام ہوتے دیکھا اور اپنے خلاف مسلمانوں کے اندر قصاص و انتقام کی خاطر اعلانِ جہاد کے خطرہ کو محسوس کیا تو ڈبلیو ولیم ہنٹر کے زیرِ قیادت ایک کمیشن مقرر کر کے نئی پالیسی مرتب کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

"The Arival of British Empire" کا مصنف بتاتا ہے کہ کمیشن نے جہاد کو حرام قرار دینے کے لئے مسلمانوں کے اندر "ظلّی نبوّت" کا فتنہ کھڑا کر دیا اور اس کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کر لیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو فرنگی کا خود ساختہ پودا قرار دینے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ انگریز کی سرپرستی میں غلام احمد کے متبعین نے نہ صرف ہندوستان میں انگریز کی اطاعت کو خدا کی اطاعت قرار دینے اور برٹش سامراج کو بیدخل کرنے کیلئے جہادِ آزادی کو حرام قرار دیا بلکہ ہندوستان کے باہر تمام انگریز مقبوضات میں انہوں نے انگریز کی دلالی کا منحوس پارٹ ادا کیا۔ پاکستان بننے کے بعد سر ظفر اللہ خان (پہلے وزیرِ خارجہ) کے ذریعہ کافروں نے مرزائیوں کی سرپرستی کی اور اس طرح یہ فرقہ عالمِ اسلام کے لئے بالعموم اور پاکستان کے لئے بالخصوص ایک مہلک فتنہ بن گیا۔

۱۹۵۳ء میں اسلامیانِ پاکستان نے اس فتنہ کا گھیراؤ کیا مگر بین الاقوامی سازشوں کی وجہ سے ناکام رہے۔ اب کی بار صدر اور وزیرِ اعظم کے حلفِ منصبی نے خاتمیّت کے عقیدے کو نفاق اور سازش سے بچانے کے لئے برملا اِس کے تحفظ کا پروگرام بنایا۔ اپنے داخلی اختلافات کے باوجود تمام فرقے اس میں متحد ہو گئے اور نہایت ہی مدبّرانہ انداز میں تحریک چلائی۔ ساری ملّت منکرینِ خاتمیّت کے خلاف صف آراء ہو گئی اور بالآخر سردھڑ کی بازی لگا کر غیر مسلم اقلیت قرار دلایا۔ ابھی فتنہ کی سرکوبی کے لئے قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹانا، ربوہ میں

اہلِ اسلام کی آباد کاری اور روز گار کا انتظام کرانا اور اس کے آئمہ ضلالت کو کیفر کردار تک پہنچانا باقی ہے۔ ہم نے وردی نہیں اتاری، اِن کو منظور کرانے کیلئے سرگرم عمل رہنے کی ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں اب ناموس و مقامِ مُصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے بعد نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لئے شرعی انقلاب کا پروگرام شروع کرنے کا مرحلہ آپہنچا ہے۔ اس انقلاب میں مخلص وایمان دار مجاہدینِ اسلام عملاً منافقین کو راہِ راست پر لانے کے لئے کام کریں گے بلکہ جو طاقت شرعی انقلاب سے متصادم ہونے کی کوشش کرے گی اُسے تہس نہس کرنا ہوگا۔

ہفت روزہ ''الہام'' کو آیندہ شرعی انقلاب بپا کرنے کیلئے اپنی تمام تر مساعی کو وقف کرنا ہوگا کیونکہ مرزائی اعتقادی اور عملی دونوں لحاظ سے انکارِ خاتمیت کا سمبل یعنی علامت تھے۔ اِن سے نجات مل گئی۔ اب وہ لوگ جو اسلام کی آڑ میں فسق و فجور، عیاشی و فحاشی، مکاری و عیاری، ظلم اور استحصال کو روا رکھتے ہیں، اُنہیں اسلامی معاشرے سے خارج کرنا ہوگا۔ بے راہ بیگمات کے بے غیرت شوہروں کی قیادت و سیادت کو ختم کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ اعتقادی قادیانیوں کے ساتھ ساتھ ختم نبوّت کے عملی منکرین کی منافقت سے بھی پاکستان کو نجات دلاسکیں۔

فقط والسلام

محمد عبدالستار خان نیازی

☆☆☆

''مولانا نیازی بڑے باکمال انسان تھے۔ وہ تحریکِ ختمِ نبوّت کے لیڈر تھے، وہ موت کی وادی سے اذان دیتے ہوئے گزرے، وہ تختہَ دار کو سلام کرتے ہوئے گزرے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ طاب اللہ ثراہٗ''۔

(''مجالسِ علماء''، علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور ۲۰۰۷ء ص ۳۲۴)

/☆/☆/☆/

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء

(گرفتاری سے سزائے موت تک)

تحریر: مجاہد ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ

۲۵/فروری ۱۹۵۳ء کی بات ہے، مجھے معلوم ہوا کہ جو وفد کراچی میں خواجہ ناظم الدین (وزیر اعظم پاکستان) کے سامنے قادیانیت کے خلاف اپنے مطالبات پیش کرنے گیا تھا اسے وہاں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس پر میں نے محسوس کیا کہ ۷۵۰ میل دُور جا کر گرفتاریوں کے لئے پیش کرنا کوئی مؤثر نہ ہوگا (وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خاں) دولتانہ غلط کہتا ہے کہ میں تحریک سے متفق ہوں۔ اگر وہ تحریک سے متفق ہے تو صوبائی اسمبلی میں جا کر قرارداد پاس کرے۔

میری رائے یہ تھی کہ کراچی والے کراچی میں، پنجاب والے پنجاب میں اور سرحد والے سرحد میں کام کریں اور یہ تحریک ملک گیر صورت اختیار کرے۔ صوبے مجبور ہو کر مرکز پر دباؤ ڈالیں تاکہ مرکز ہمارے مطالبات تسلیم کرے۔

علماء کی گرفتاری کی خبر مجھے جمعہ کو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر تقریر کے دوران ملی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ قافلہ جانے والا ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اس کے بجائے پنجاب اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائے اور اُنہیں مجبور کر دیا جائے کہ وہ مرکز سے ہمارا مطالبہ تسلیم کرائیں۔

بہر حال تحریک چلتی رہی، یہاں تک کہ سب قائدین گرفتار ہو گئے۔ تحریک ختم ہونے لگی۔ میں نے کہا کہ تحریک ختم نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ ۲۷/اور ۲۸۔ فروری کو میں نے علماء سے ملاقات کی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی سے ملا۔ پھر ہم لوگ مل کو مولانا مودودی صاحب کے پاس گئے، اُنہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ تحریک کو آگے بڑھانا ہے۔ مولانا نے کہا کہ میں ابھی تحریک میں شامل نہیں ہوتا۔ جب تحریک فیل ہونے لگے تو میں سنبھال لوں گا۔ میں نے کہا کہ مولانا! پھر آپ اس کو نہیں سنبھال سکیں گے۔ چنانچہ میں نے علماء اور کارکنوں کو جمع کیا اور جلوس کا پروگرام بنایا اور تحریک کو از سرِ نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔

وہ چاہتے تھے کہ کل پھر تشدد کیا جائے اور میں سمجھ گیا تھا کہ حکومت اپنی چال میں کامیاب ہوگئی ہے۔ چنانچہ صبح کو تشدد کیا گیا اور پھر بے تحاشا فائرنگ کرنے لگے۔ جس میں کئی نوجوان شہید ہوگئے۔ ۶/ تاریخ (۶/ مارچ ۱۹۵۳ء) کو مارشل لاء لگا دیا گیا۔ تحریک اس کے باوجود جاری رہی۔ ۹/ مارچ کو ہمارے دیگر ساتھیوں کو گرفتا کرلیا گیا۔ میرے خلاف ایک مقدمہ قتل درج کرلیا گیا۔ میں ریڑھے میں سوار ہوکر مسلح نوجوانوں کی حفاظت میں لاہور سے نکل گیا۔ بے شمار تکالیف کے بعد ہم قصور پہنچے۔ وہاں سے پاکپتن گئے۔ ملٹری مجھے تلاش کرنے میں پوری طرح مصروف تھی۔ پاکپتن سے میں پھر قصور گیا۔ قصور میں جن لوگوں کے ہاں رہا، اُنہوں نے غداری کی اور ملٹری کو اطلاع کردی۔ اگر مجھے ایک گھنٹہ اور مل جاتا تو میں اسمبلی گیٹ کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ فوج کے قبضے میں جانے سے پہلے اسمبلی میں تقریر کروں اور اپنی تحریک کے بارے میں تمام تفصیلات بتادوں۔ (مولانا اُس زمانہ میں صوبائی اسمبلی کے ممبر تھے) وہاں سے روانگی سے پہلے وہ آگئے اور مجھے گرفتار کرکے لے گئے۔ میرے ساتھ بشیر مجاہد بھی تھے۔ اُسے بھی گرفتار کرلیا گیا۔ ہمیں شاہی قلعہ لاہور میں لایا گیا۔ ۲۳/ مارچ سے ۹/ اپریل تک ہم قلعہ میں رہے۔ مجھے نمبر ۱۰ کوٹھڑی میں بند کردیا گیا۔ اور سب کچھ معلومات حاصل کیں۔ میرے بیانات کے بعد ایس پی نے کہا کہ آپ کا مقصد تو ٹھیک تھا۔ وہاں سے مجھے جیل منتقل کردیا گیا اور مجھے چارشیٹ دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا جو ۱۶/ اپریل تا ۲۵/ اپریل ۱۹۵۳ء چلتا رہا۔

مولانا مودودی کا کیس میرے بعد چلا۔ ۷/ مئی کو نو بجے صبح مجھے بلایا گیا اور اسپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن میرے پاس آئے، مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ جہاں قتل کے کیس کے اور ملزم بھی تھے۔ قتل کا کیس ثابت نہ ہوسکا۔ دوسرا کیس بغاوت کا تھا۔ مجھے قتل کے کیس سے بری کردیا گیا اور دوسرے کیس کے متعلق انہوں نے مجھے ایک آرڈر پڑھ کر سُنایا۔

"تمہیں گردن سے پھانسی پر چڑھایا جائے گا یہاں تک کہ تم مرجاؤ گے"

میں نے یہ آرڈر لے لیا۔ اُس افسر نے مجھے کہا کہ ۲۱ ... دستخط کر ...

کہ جب میں رسی کو چھوؤں گا تو اِس پر دستخط کردوں گا۔ میں کافی دیر تک انکار کرتا رہا اور وہ اصرار کرتا رہا۔ آخر کہنے لگا کہ افسر ہم سے پوچھے گا کہ ہم نے نوٹس دے دیا ہے یا نہیں تو ہم کیا جواب دیں گے۔ میں نے کہا، اگر آپ کو افسران کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر دستخط کیے دیتا ہوں۔ غرض میں نے بڑے اطمینان سے دستخط کیے اور تاریخ ڈال کر اُنہیں دے دیا۔ وہ چلے گئے اور میں کمرہ میں تنہا رہ گیا۔

اب میں آپ کو دل کی بات بتاتا ہوں کہ جب میں موت کا یہ پیغام سُنا تو میری حالت کیا تھی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے قرآن شریف کی یہ آیت یاد آ گئی۔ خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ (سورہ ملک) اور میں نے اس آیت سے تاثر لیا کہ موت وحیات کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے اور اگر اس مقصد کے لئے جان جائے تو اس سے بڑھ کر زندگی کیا ہو سکتی ہے۔ اُن کے جانے کے بعد مجھ پر پھر خوف کا حملہ ہوا لیکن فوراً یہ شعر میری زبان پر آ گیا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں　　　از غیب جان دیگر است

اس کے بعد جب میں باہر آیا تو جیل والوں نے یہ خیال کیا کہ میں بری ہو گیا ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا نیازی صاحب مبارک باد ہو کہ آپ بری ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔ اس نے کہا کیا مطلب، میں نے کہا کہ اب انشاء اللہ حضور ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی فہرست کے کسی کونے میں میرا نام بھی درج ہو گا۔ پھر بھی وہ نہ سمجھا۔ میں نے کہا میں کامیاب ہو گیا۔ پھر مجھے ایک الگ کمرے میں لیجایا گیا اور مجھے کپڑے اتار کر پھانسی کا لباس پہننے کا حکم دیا گیا۔ مجھے ایک کرتا، پاجامہ، تولیہ اور چادر وغیرہ دیا گیا اور جیل کا لباس پہنا دیا گیا۔

میری سزائے موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور جیل کے قیدی تک مجھے دیکھ کر روتے تھے۔ مجھے پھانسی کی کوٹھری میں لیجایا گیا۔ ۱۲۔ مئی کی شام کو مغرب کے بعد میں وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک اور مولوی کو سزائے موت ہوئی ہے اور اسے لایا گیا

میں نے شربت بنا کر بھیجا۔ پھر ایک دن جب بارکیں تبدیل ہوئیں تو مودودی صاحب سے ملنے کا موقع مل گیا۔ ۱۳/ تاریخ کو ان کے صاحبزادے ملنے آئے اور وہ مجھ سے بھی ملے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ بیٹا یہ تمہارے باپ کو پھانسی نہیں دے سکتے۔

ہم لوگ سینٹرل جیل میں تھے۔ ایک دن ملٹری آفیسر بھاگتا ہوا آیا اور مبارکباد دی کہ تمہارا پھانسی کا حکم ۱۴ سال کی سزائے قید میں تبدیل ہو گیا۔ مودودی صاحب نے مجھے مبارکباد دی تو میں نے کہا آپ یقین رکھیں آپ کے لئے بھی آرڈر آجائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ شام کو اُن کے لئے بھی آرڈر آ گیا۔ مولانا خلیل صاحب (مولانا خلیل احمد قادری) کی سزائے موت بھی سات سال قید میں بدل گئی۔ اس دوران کچھ لوگ معافیاں مانگ کر چھوٹ گئے۔ میں نے معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۵۳ء کو ہمیں گرفتار کیا گیا اور ۲۹/ مارچ ۱۹۵۵ء کو ضمانت پر رہا ہوئے۔

(بشکریہ ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور، ''ختم نبوت نمبر'' بابت ۱۴۔ نومبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۱۹)

☆/☆/☆/☆

''جہاد کو حرام قرار دینے کیلئے انگریزوں نے اپنے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کو آگے بڑھایا، اُسے کسی حد تک کامیابی ہوئی مگر بحیثیت مجموعی سوادِ اعظم اہلِ اسلام نے مرزا کو مسترد کر دیا''۔ (22۔ جولائی 1985ء کو ''جماعت اہلسنت پنجاب'' کے کنونشن جامعہ فریدیہ ساہیوال کے لئے مولانا نیازی کے پیغام سے اقتباس)

(''نگارشاتِ مجاہدِ ملت'' مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور 1997ء ص 143)

☆/☆/☆/☆

تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت ۵۳ء کی کہانی، میری زبانی

روایت: مجاہد ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: ابوزاہد نظامی، ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور

خاندانی پس منظر:۔

میں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں ہر وقت دین کا چرچا تھا۔ مجھے یاد ہے میں بچپن میں گھر میں تہجد کے لئے بیدار ہونے والوں کے ساتھ بیدار ہوتا تھا۔ میرے نانا جان کو تاریخ اسلام (خاص طور پر دورِ شیخین کی) فتوحات سے بڑی دلچسپی تھی۔ میں نے اُنہی کے زیرِ تربیت حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد ابن وقاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجرّاح کے مجاہدانہ کارناموں سے اپنی قلبی وابستگی پیدا کی، پھر حضور ختمی مرتبت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس و اعلےٰ سے محبت، جنون کی حد تک پہنچ گئی۔ سکول اور کالج میں ہمیشہ مستشرقین کی ایسی نگارشات پر سیخ پا ہوجاتا تھا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں اشارتاً یا کنایتاً سوءِ ادبی کا پہلو نکلتا تھا۔

محبت کے انہی اثرات کو میں نے مسلمان سلاطین کے دفاع میں محسوس کیا اور ہمیشہ سلطان محمود غزنوی، اورنگزیب عالمگیر اور سلطان ٹیپو کے لئے ایک باغیرت محافظ کا پارٹ ادا کیا۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت پر استقامت:۔

میٹرک کے بعد میں حضرت علامہ اقبالؒ کی زیرِ نگرانی قائم شدہ اشاعت اسلام کالج لاہور میں داخل ہوگیا۔ جہاں فرق مبتدعہ اور ادیانِ باطلہ کے ردّ کا خصوصی اہتمام تھا۔ اس زمانے میں مَیں نے فتنۂ قادیانیت کے مضرات اور مضمرات کا جائزہ لیا اور اس کے بعد جونہی میرا شعور پختہ ہوا، اس میں استقامت پیدا ہوتی چلی گئی۔

میں نے بحیثیت صدر شعبۂ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور (1943ء تا 1946ء) اپنے شاگردوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموس اور تحفظ کا لازوال جذبہ پیدا کیا۔ اسمبلی

میں بھی میں نے عقیدہ خاتمیت کو زندگی اور آخرت کے تمام مسائل میں ہر لحاظ سے آخری رہنما کی حیثیت میں پیش کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ، حضرت مولانا ظفر علی خانؒ، حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کی تصانیف سے میں نے بھرپور استفادہ کیا۔

پاکستان بننے کے بعد:۔ جب بنیادی اُصولوں کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی، تو میں نے بحیثیت ''داعی خلافت پاکستان گروپ'' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے چھ مثبت اور تین منفی اُصول بطورِ اساس آئین پیش کیے جو یہ تھے:

مثبت اصول:

۱۔ قطعیت فرامین کتاب
۲۔ ختمیت احکام رسالت
۳۔ توسّل منہاج خلافت
۴۔ اتباع مسلک اجماع
۵۔ اطاعت فتویٰ و فیصلہ
۶۔ تمسک میثاق بیعت

منفی اصول:

۱۔ امتناع فرعونیت[۱]
۲۔ امتناع قارونیت[۲]
۳۔ امتناع یزیدیت[۳]

۱۔ فرعون (مظہر ملوکیت) کہتا تھا کہ اپنی رعایا کا رب میں ہوں، اس لئے میرا قانون مانو، خدا کی شریعت مت تسلیم کرو۔ تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ قارون (مظہر سرمایہ داری) کہتا تھا کہ مال میرا ہے۔ میں نے اپنے علم سے حاصل کیا ہے۔ موسیٰؑ کو خدا کے نام پر، میرے مال پر پابندیاں لگانے اور خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

۳۔ یزید (ریاکار مدعیٔ اسلام) کہتا تھا کہ میرے بُرے اعمال پر اعتراض کرنے سے اُمت محمدیہ کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقویٰ کا نام لے کر انتشار اور بغاوت پھیلاتا ہے اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ (نیازی)

مثبت اور منفی اصولوں کی اشاعت کے بعد میں نے مستقل طور پر ''آئین خلافت پاکستان'' مسودہ پیش کیا، جو اُردو اخبارات ''احسان'' اور ''زمیندار'' اور بعد ازاں انگریزی روزنامہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں (مورخہ ۴/ جنوری ۱۹۵۳ء کو) شائع ہوا۔

اپنے آئین میں مَیں نے ختمیت احکامِ رسالت کو تمام دفعات کا محور قرار دیتے ہوئے لکھا کہ زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے والے اس کے آخری بلاواسطہ نائب حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

حکومت کے ہر شعبہ کے لئے قرآن کے بعد دوسرے واجب التعمیل مآخذ اور واسطۂ اقتدار حضور ﷺ کے احکامات ہوں گے۔ مَیں نے اپنے آئین میں قومیت، حاکمیت، قانون سازی، رائے دہندگی، اقتدار، ملکیت، علم وحقیقت، عدلیہ، تصور ریاست اور طبقہ واریت میں نظریۂ حق کو متعین کرتے ہوئے حضور ﷺ کی ذات بابرکات کو معیار حق قرار دیا تھا۔

خوفناک قادیانی منصوبہ:۔

انہی دنوں قادیانی مرزائیوں نے صوبہ بلوچستان پر قبضہ کرنے کیلئے ایک خوفناک منصوبہ تیار کیا اور ایک باضابطہ سازش کے ذریعے ہر ڈیپارٹمنٹ میں کلیدی اسامیوں پر قبضہ کرنے کیلئے اپنے آدمی مقرر کئے۔ حتیٰ کہ مرزا بشیر الدین محمود نے اس امر کا شکوہ کیا کہ آج کل ہمارا ہر نوجوان ملٹری کا رُخ کرتا ہے، ملٹری میں ہماری خاصی تعداد قابض ہو چکی ہے۔ اب ہمیں دوسرے شعبوں کی طرف رُخ کرنا چاہئے۔

اس فرقہ کی جارحیت یہاں تک بڑھ گئی کہ انہوں نے دینی جماعتوں کے سربراہوں کا نام لے کر انہیں نیست و نابود کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح ایک پبلک جلسہ میں چودھری ظفر اللہ خان نے (فولادی جیکٹ پہن کر) خطاب کرتے ہوئے کہا: ہماری کامیابی وکامرانی کی منزل اب قریب آ چکی ہے۔ ہمارے مخالفین نہایت قلیل مدّت میں برباد ہو جائیں گے۔ یہی لب ولہجہ ناقوس مرزائیت ''الفضل'' کا تھا جس میں نہایت تہدید آمیز بیانات شائع ہوتے تھے۔

علمائے اسلام کا کنونشن:۔

سرکاری مسوّدہ آئین میں مسلمان کی تعریف نہ پا کر علمائے اسلام نے (جس میں تمام مکاتیب فکر کے علماء شامل تھے) برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں ایک کنونشن بلایا۔ غالباً یہ اوائل دسمبر ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے۔ اس کنونشن میں چودھری ظفر اللہ خان کے سابقہ ہفوات (قائد اعظمؒ کے جنازہ نہ پڑھنے سے لے کر حالیہ دھمکی تک) پر غور کیا گیا۔ اس کنونشن میں سجادہ نشین سیال شریف حضرت خواجہ حافظ قمر الدین سیالوی دامت برکاتہم العالیہ خصوصی طور پر شریک ہوئے اور اُنہوں نے اپنی غیرت ایمانی کے جوش میں یہاں تک فرما دیا کہ یہ مسئلہ باتوں سے صاف نہیں ہوگا۔ آپ مجھے حکم دیں میں قادیانیوں سے نپٹ لوں گا اور چند دنوں میں ربوہ کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دوں گا۔ حضرت خواجہ صاحب کی اس تقریر سے علماء کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس مرکزی کنونشن میں تین مطالبات مرتب کیے گئے۔

۱۔ سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے کیونکہ وہ اپنے اس مذہبی عقیدے کا خود اقرار کر چکے ہیں کہ برطانوی حکومت سے وفاداری ان کے دین وایمان میں داخل ہے اور جو شخص کسی غیر مملکت سے شرعی وفاداری اپنے ایمان میں داخل سمجھتا ہو وہ پاکستان کی آزاد مملکت میں وزارتِ داخلہ پر متمکن رہنے کا ہرگز اہل نہیں۔

۲۔ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ ہر مسئلہ میں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم نہ کرے اور حضور ﷺ کی تعلیمات میں سے کسی کی تفسیر، تعبیر یا تاویل کا سوال پیدا ہو تو مسلمانوں کی کثرت رائے کے فیصلہ کی پابندی کو اپنے لئے ضروری سمجھے۔ پاکستان اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ یہاں اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خاطر وطن قائم کیا جائے۔ لہذا جو لوگ پاکستان میں رہنا چاہیں لیکن خاتم النبیین کی تعلیمات کو کسی مسئلہ میں آخری حجت تسلیم نہ کریں یا حضور ﷺ کی کسی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرت رائے کی پابندی قبول نہ کریں۔ انہیں آئین پاکستان کے تحت غیر مسلم اقلیت قرار دینا چاہیے۔

۳۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہاں سب سے بڑا مسئلہ حکومت کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت لانے کا ہے۔ حکومت صرف وزارت کا نام نہیں بلکہ اس میں سرکاری ملازمین کو بھی بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ لہذا جب تک پاکستان میں سرکاری محکموں کی کلیدی اسامیوں پر صرف ان سرکاری ملازمین کو مقرر نہیں کیا جاتا جو ہر مسئلہ میں خاتم النبیین کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم کریں اور حضور علیہ السلام کی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرت رائے کی پابندی اپنا ایمانی اور منصبی فرض سمجھیں، تب تک پاکستان کو اسلامی مملکت نہیں بنایا جاسکتا۔

تحریک شروع ہوگئی:۔

مجھے اس تحریک میں ایک خصوصیت حاصل تھی وہ یہ کہ میں پنجاب اسمبلی کا ممبر تھا اور ممبران اسمبلی سے میرا تعلق رہتا تھا۔ علاوہ ازیں میں نے تحریک پاکستان میں جو کام کیا تھا اس کی وجہ سے مسلم لیگ کے کارکنان سے بھی میرے خاصے تعلقات تھے۔ نیز کالجوں کے طلباء سے بھی رابطہ تھا، مجلس تحفظ ختم نبوت نے کراچی میں کنونشن کیا تو اس کے تیرہ نمائندوں میں میرا بھی نام تھا، لیکن مجھے اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گرم اور تیز آدمی ہے ایسا نہ ہو اس کی وجہ سے وقت سے پہلے تصادم ہو جائے۔ ادھر دولتانہ نے ایک چال چلی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اُس کی حکومت کے بجائے مرکز کو نشانہ بننا چاہیے۔ چنانچہ ابتداء میں دولتانہ نے تحریک کی مخالفت کی لیکن جب تحریک نے زور پکڑا تو اس نے اپنے صوبہ میں مخالفت نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کہا کہ مسلمانوں کا مطالبہ آئینی ہے انہیں مرکز سے رجوع کرنا چاہیے۔

ادھر احرار بھی یہی چاہتے تھے کہ دولتانہ ناراض نہ ہو، انہیں معلوم تھا کہ میں حزب اختلاف میں ہوں اور میری شمولیت سے دولتانہ اس تحریک میں رکاوٹیں ڈال سکتا ہے۔ ان کی اس مصلحت کو میں برا نہیں سمجھتا تھا۔ کیونکہ یہی صوبہ تحریک کے لئے مناسب ترین تھا۔ جب تحریک تیز ہوگئی اور یہ حضرات کراچی میں خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کے لئے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ گرفتار ہوگئے۔ (یہ ۲۵/فروری ۱۹۵۳ کی بات ہے) میں نے مشورہ دیا کہ لاہور سے ۷۵۰ میل دور کراچی میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے

تحریک کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ میاں دولتانہ کہتا ہے کہ میں تمہاری تحریک سے متفق ہوں اگر وہ متفق ہے تو صوبائی اسمبلی میں جاکر قرارداد پاس کرے، دوسری بات یہ ہے کہ دولتانہ بھی خواجہ ناظم الدین کا بنایا ہوا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ کراچی والے کراچی میں، پنجاب والے پنجاب میں، سرحد والے سرحد میں اور بلوچستان والے بلوچستان میں کام کریں۔ اس طرح یہ تحریک ملک گیر صورت اختیار کرلے گی اور صوبے مجبور ہو کر مرکز پر دباؤ ڈالیں گے۔

علماء کی گرفتاری کی اطلاع مجھے جمعہ کے دن مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں تقریر کے دوران ملی نیز مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیا قافلہ کراچی جانے والا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی بجائے پنجاب اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائے اور ممبروں کو مجبور کیا جائے کہ وہ مرکز سے ہمارا مطالبہ تسلیم کرائیں۔ لیکن میری تجویز نہ مانی گئی۔ حتیٰ کہ سب قائدین گرفتار ہوگئے۔ ان کے گرفتار ہوتے ہی تحریک ختم ہونے لگی۔

گرفتاریوں کے بعد:۔

ادھر میں نے تہیہ کرلیا کہ تحریک ختم نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ ۲۷/ اور ۲۸/ مارچ کو میں نے علماء سے ملاقات کی۔ اس وقت بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا رابطہ جیل میں مجلس عمل کے حضرات سے تھا۔ ان کی معرفت ہم نے ان کی رائے معلوم کی۔ انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اب کراچی گروپ بھیجنے کی بجائے لاہور میں کام کیا جائے کیونکہ لاہور اور پنجاب سے جو قافلے بھیجے جاتے تھے انہیں راستے میں اتار کر جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ غرض میں نے تحریک کو ازسرِنو منظم کرنے کا فیصلہ کیا اور ۲۸/ فروری کو اعلان کردیا کہ آج تک یہ تحریک مذہبی تھی لیکن اب یہ سیاسی بھی ہے۔

تحریک کا مرکز:۔

ان حالات میں مَیں نے مسجد وزیر خان کو تحریک کا مرکز بنایا اور وہاں سے تحریک کو آگے بڑھایا۔ میں نے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ مثبت نعرے لگائیں اور تصادم سے گریز

کریں۔ جبکہ حکومت یہ چاہتی تھی کہ تصادم ہو۔ حکومت نے بہت کوشش کی کہ گڑ بڑ پیدا کی جائے لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ اس تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا وہ یہ طے کرکے آتا تھا کہ ناموس مصطفیٰ ﷺ کے لئے جان دے دے گا۔ ہم نے طے کیا کہ اگر لاٹھی چارج ہوا تو لاٹھیاں کھاتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا لیکن مولانا خلیل صاحب نے مشورہ دیا کہ ایسے موقع پر سب زمین پر لیٹ جائیں۔ پولیس نے لوگوں کو اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اُٹھے۔ ایک ڈی ایس پی نے ایک نوجوان کو ٹھوکر لگائی۔ اس کی بغل میں حمائل تھی اور وہ دور جا پڑی اور پھٹ گئی۔

اس دن تین جلوس روانہ کیئے گئے تھے گورنمنٹ ہاؤس، سول سیکرٹریٹ اور ڈسٹرکٹ کورٹ کی طرف، یہ لوگ پُر امن طور پر واپس آگئے کچھ گرفتاریاں بھی ہوئیں۔

ادھر ڈی ایس پی کے قرآن مجید کو ٹھوکر لگانے پر لوگ بپھر گئے۔ وہاں ایک آدمی تھا۔ جس کا نام میں لینا نہیں چاہتا۔ اس نے دہلی دروازے کے باہر تقریر میں اس واقعہ پر لوگوں کو بھڑکا دیا۔ میرا ہیڈ کوارٹر مسجد وزیر خان تھا۔ ان کی اسکیم یہ تھی کہ اس شخص کو پکڑ کر لے جانے سے تحریک ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دیکھا کہ کس وقت میں اکیلا ہوتا ہوں۔ عصر کی نماز میں عام طور پر کام کی زیادتی کی وجہ سے آخری صف میں کھڑا ہوتا تھا۔ انہوں نے اسکیم بنائی کہ آدمی بھیج کر اس اٹھوالیا جائے۔

میں مسجد کے حجرے میں بیٹھا نوجوانوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ ایک شخص آیا اور دیکھ کر واپس چلا گیا۔ میں نے نوجوانون کو بتایا کہ یہ آدمی مشکوک نظر آتا ہے۔ اس کا تعاقب کرو۔ نوجوان اس کے پیچھے گے لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔ اس کے کچھ دیر بعد ڈی ایس پی پولیس کا ایک جتھا لے کر وہاں آیا اور مسجد میں داخل ہونا چاہا۔ ہم نے مسجد کے باہر باقاعدہ پہرہ لگایا ہوا تھا اور کوڈ ورڈز سے پیغامات کا کام لیتے تھے۔ رضا کاروں نے دروازے پر اُنہیں روک لیا اور ڈی ایس۔ پی فردوش شاہ کو بعض لڑکوں نے قتل کردیا۔ کچھ پولیس والے بھی زخمی ہوگئے۔

میں سمجھ گیا کہ حکومت اپنی چال میں کامیاب ہوگئی ہے۔ ہمارا طریقہ کار یہ تھا کہ دن بھر تقریریں ہوتی تھیں اور رات کو بھی تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ رات کو ایک ڈیڑھ بجے کے قریب ہم لوگ مسجد سے نکل کر ایک پوشیدہ مقام پر منتقل ہوجاتے تھے۔ اس واقعے کے بعد میں

چوکنا ہو گیا۔

پولیس کا تشدد:۔

۴/ تاریخ کو میں نے جلسے میں ایک قرارداد پاس کرائی کہ جن لوگوں نے ڈی۔ایس۔ پی فردوس شاہ کو قتل کیا ہے انہوں نے برا کیا ہے اور وہ ہمارے آدمی نہیں۔ وہ حکومت کے آدمی ہیں اور اس تحریک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ قرارداد پاس ہو گئی۔ لیکن صبح تشدد کیا گیا اور پولیس والے بے تحاشہ فائرنگ کرنے لگے۔ ساتھ ہی قادیانی بھی فوج اور پولیس کی وردیوں میں ملبوس باہر سے فائرنگ کرنے لگے۔ اس موقع پر ہمارے نوجوانوں نے جو قربانیاں دیں انہیں سن کر آپ یقیناً دنگ رہ جائیں گے۔ دہلی دروازے کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی۔ پولیس نے ایک ایک کر کے چاروں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آ رہا تھا اور اس کے نعرے صرف لا الہ الا اللہ، نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت تھے۔ وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی۔ لیکن نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آتے رہے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔

مارشل لاء:۔

یہ پانچ تاریخ کا واقعہ ہے، ٦/ تاریخ کو جمعہ تھا حکومت نے یہ شرارت کی کہ ایک پوسٹر نکالا جس میں یہ اعلان کیا کہ آج عبدالستار خان نیازی جمعہ شاہی مسجد میں پڑھائیں گے۔ اس سکیم کا مقصد یہ تھا کہ ہماری قوت بٹ جائے۔ اُدھر میں نے ایک جیپ کے ذریعے شہر میں اعلان کیا اور اس پوسٹر کی تردید کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٦/ تاریخ کو شاہی مسجد میں ہمارا کوئی آدمی نہیں گیا۔ اسی دن مارشل لاء لگایا گیا۔ ہماری تحریک کامیاب ہو چکی تھی۔ صوبائی حکومت نے میرے پاس اسمبلی کے سپیکر خلیفہ شجاع الدین کو بھیجا اور کہلوایا کہ پنجاب کی حکومت آپ کے مطالبات مرکز کو پہنچائے گی اور آپ سے بات چیت کرے گی۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا کہ تحریک پُرامن رہے گی لیکن آپ کو بھی ہماری تحریک ختم کرنے کی کوششیں بند کرنا ہوں گی۔

٦/ تاریخ کی رات کو متعدد آدمی خوف وہراس کی وجہ سے اور برقی نظام کے ختم

ہونے کی وجہ سے مسجد میں نہیں آئے، میں نے حاضرین کو بتایا کہ آپ کی تحریک کا اللہ محافظ ہے، آپ مردانہ وار آگے بڑھتے رہیں۔ ۷/ تاریخ کو پورے اہتمام سے پروگرام جاری رکھے گئے اور مسجد میں بڑا زبردست اجتماع ہوا۔ جس میں مَیں نے مسجد وزیر خان کو ایک ایسا قلعہ قرار دیا جسے کوئی فتح نہ کرسکتا ہو۔

۹/ تاریخ سے اسمبلی کا سیشن شروع ہو رہا تھا۔ میں اس کی تیاری میں مصروف ہوگیا لیکن ۹/ تاریخ کو ہمارے بہت سے ساتھیوں کو پکڑ لیا گیا اور میرے خلاف بھی مقدمہ قتل درج کرلیا گیا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ میں کسی طرح اجلاس شروع ہونے پر اسمبلی میں داخل ہو جاؤں، لیکن اسمبلی الیکشن ۱۶/ تاریخ کو اور پھر ۲۲/ تاریخ تک کے لئے ملتوی ہوگیا۔ میں ایک رہڑے میں بیٹھ کر مسلح نوجوانوں کی حفاظت میں لاہور سے نکل گیا۔ بے شمار تکالیف کے بعد ہم اوکاڑہ پہنچے۔ وہاں پاک پٹن شریف چلے گئے۔ ادھر ملٹری مجھے تلاش کرنے میں چھاپے مار رہی تھی۔ پاک پٹن سے میں سیدھا قصور گیا۔ ''قصور میں جن لوگوں کے ہاں ٹھہرا انہوں نے غداری کی اور ملٹری کو میرے بارے میں اطلاع کردی۔

گرفتاری اور پھانسی کا حکم:۔

اگر اس وقت مجھے ایک گھنٹہ کی مہلت بھی مل جاتی تو میں اسمبلی گیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ فوج کے قبضہ میں جانے سے پہلے اسمبلی میں تقریر کروں اور اپنی تحریک کے بارے میں پوری تفصیلات ممبروں کو بتادوں۔

قصور سے گرفتار کر کے مجھے لاہور قلعہ میں لایا گیا۔ ۲۳/ مارچ سے ۹/ اپریل تک ہم (میرے ساتھ بشیر مجاہد بھی تھا) قلعہ میں رہے۔ مجھے ۱۰ نمبر کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ جہاں سے بیانات لینے کے بعد مجھے جیل منتقل کر دیا گیا اور مجھے چارج شیٹ دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا۔ جو ۱۷/ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔ مولانا مودودی کا کیس میرے بعد چلا۔

۷/ مئی کو صبح ۹ بجے مجھے بلایا گیا اور اسپیشل ملٹری کورٹ کے ایک آفیسر اور ایک کیپٹن مجھے ایک کمرے میں لے گئے، جہاں قتل کے کیس کے نو اور ملزم بھی تھے۔ مگر فردوس شاہ

ڈی۔ایس۔پی کے قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا۔دوسرا کیس بغاوت کا تھا اس کے ثبوت کے لئے میری دو تقریریں ان کے پاس تھیں لیکن ان میں بغاوت کا کوئی جملہ تک نہیں تھا۔

آخر کیس ختم ہو گیا اور مجھے قتل کے کیس سے بری کر دیا گیا مگر دوسرے کیس کے متعلق انہوں نے مجھے ایک آرڈر پڑھ کر سنایا

"You will be Hanged by Neck Till you are Dead."

" تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے"۔

میں نے یہ آرڈر لیا اور اس افسر نے مجھ سے کہا کہ اس پر دستخط کرو، میں نے کہا کہ جب میں پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا اس وقت اس پر دستخط کروں گا۔اس نے کہا تمہیں ابھی اس پر دستخط کرنا ہوں گے۔میں نے کہا میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جس وقت میں پھانسی پر پہنچوں گا تو اس پر دستخط کر دوں گا۔میں جیل میں ہوں اور آپ کے پنجوں میں ہوں۔مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو۔میں اسی وقت دستخط کر دوں گا۔انہوں نے پھر کہا کہ دستخط کرو۔لیکن میں نے انکار کر دیا۔اس پر وہ بولا کہ ہمارے آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے نوٹس دے دیا یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔تعجب ہے کہ میں جیل میں ہوں اور آپ میرے دستخط مانگ رہے ہیں۔آخر میں نے کہا کہ اگر آپ کو اپنے افسران ہی کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر اس پر دستخط کیے دیتا ہوں۔چنانچہ میں نے بڑے اطمینان سے اس پر دستخط کر دیئے۔

یہ تمام گفتگو انگریزی میں ہوئی جو اس طرح تھی۔

افسر: Please sign it.

میں: I will sign it when I kiss the rob.

افسر: You will have to sign it.

میں: I am already told you that I will sign it when I kiss the rob, However I am in your clutches. I am behind the bars. Take me to the Gallows, Hang me.

افسر: Mr. Niazi! our officers will enquire from us whether you were served with the notice of death warrant.

میں: If you so fear from your officers, well, I sign it for you.

دستخط کر دینے کے بعد اس افسر نے میری ہمت کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ تم میری ہمت (Moral) کے بارے میں کیا پوچھتے ہو وہ تو آسمانوں سے بھی بلند ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

وہ چلا گیا تو میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ اب میں آپ کو اپنے دل کی حالت بتاتا ہوں، جب میں نے موت کا پیغام سنا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے سورۂ ملک کی یہ آیت یاد آ گئی خلق الموت والحیات لیبلو کم ایکم احسن عملاً. اور میں نے اس آیت کا یہ تاثر لیا کہ موت وحیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے اور اگر اس مقصد کے لئے جان جائے تو اس سے بڑی زندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بہرحال اُس کے جانے کے بعد مجھ پر خوف کا حملہ ہوا لیکن فوراً یہ شعر میری زبان پر آ گیا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

اس شعر نے میری ایسی ہمت بندھائی کہ مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں اس شعر کو پڑھتا تھا اور کمرے میں جھومتا پھرتا تھا۔ اب مجھ پر خوف کی کوئی کیفیت نہ تھی۔ اس عالم میں مَیں کمرے سے باہر آیا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات نے یہ خیال کیا کہ ملٹری کورٹ نے مجھے بری کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: نیازی صاحب مبارک ہو، بری ہو گئے ہو؟ میں نے کہا، اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔ اس نے کہا کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ اب انشاء اللہ حضور ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہو گا۔ وہ پھر بھی نہ سمجھا تو میں نے کہا کہ میں کامیاب ہو گیا۔

میری سزائے موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ ادھر جیل میں قیدی تک مجھے دیکھ کر روتے تھے۔ جب مجھے پھانسی کی کوٹھری میں لے جایا گیا تو میں نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور کہا کہ کتنے عاشقانِ رسول ﷺ جام شہادت نوش کر رہے ہیں۔ اگر

میں بھی اس نیک مقصد کے لئے جان دے دوں گا تو میری خوش قسمتی ہوگی۔

۱۲/ تاریخ کی شام کو مغرب کے بعد میں وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ ایک قیدی میرے پاس آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور مولوی صاحب کو بھی سزائے موت ہوئی ہے اور اسے بھی پھانسی کی کوٹھری میں لایا جا رہا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا مودودی کو بھی پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا ہے۔

۱۳/ تاریخ کو مولانا کے صاحبزادے عمر فاروق مودودی اور چودھری سلطان احمد صاحب انہیں ملنے آئے اور مجھ سے بھی ملے۔ میں نے مولانا کے صاحبزادے کو تسلی دی اور کہا کہ بیٹا! یہ تمہارے باپ کو پھانسی نہیں دے سکتے۔

ہم لوگ سنٹرل جیل میں تھے کہ ایک روز ایک ملٹری آفیسر بھاگتا ہوا آیا اور مبارک باد دی اور کہا کہ تمہارا پھانسی کا حکم ۱۴ سال کی سزائے قید میں تبدیل ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مولانا مودودی نے مجھے مبارکباد دی۔ میں نے کہا آپ یقین رکھیں آپ کے لئے بھی یہ آرڈر آ جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ شام کو اُن کے لئے بھی آرڈر آ گیا۔

رہائی:۔

اس دوران میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ معافیاں مانگ کر جیل سے جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اتفاق سے انہی دنوں عید آ گئی۔ جیل میں نماز عید کا اجتماع ہوا تو میں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ختمِ نبوّت کے لئے جدوجہد کرنا اگر جرم ہے تو یہ جرم ہم بار بار کریں گے۔ حکومت علماء کو معافی مانگنے کے لئے اکسا رہی ہے۔ ہم ہرگز ہرگز معافی نہیں مانگیں گے۔ میری اس تقریر سے یہ رجحان ختم ہو گیا اور کوئی عالم بھی معافی مانگ کر رہا نہیں ہوا۔

۲۳/ مارچ ۱۹۵۳ء کو ہمیں گرفتار کیا گیا اور ۲۹/ اپریل ۱۹۵۵ء کو ضمانت پر رہا کیا گیا۔ گویا دو سال ایک ماہ اور چھ دن ہم گرفتار رہے۔

آخری بات:۔

۱۹۵۳ء کی تحریک کو اب بیس سال سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ وہ تحریک ماضی کی ایک نہ بھولنے والی داستان بن چکی ہے۔ لیکن اس حقیقت کو کبھی نہ بھولئے کہ ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ۷۴ء کی تحریک کا پیش خیمہ تھی اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں تحریکوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک تو وہ پہلی کوشش تھی اور یہ دوسری۔۔۔۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے دوسری کوشش میں ہمیں کامیاب کر دیا۔

/☆☆☆/

(بشکریہ ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۸۵ تا ۹۲)

☆/☆/☆/☆

"مولانا عبدالستار خان نیازی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء پاکستان کو 16 / مارچ 1953ء کو نماز صبح کے وقت گرفتار کرلیا گیا۔ گرفتاری کے بعد اُنہیں لاہور کے شاہی قلعہ میں رکھا گیا، جہاں پولیس نے 54 گھنٹے تک اُنہیں ایک لحہ کیلئے بھی سونے نہ دیا۔ آخر بغاوت کے الزام میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا۔ فوجی عدالت نے اُنہیں سزائے موت کا حکم دیا۔ اس حکم کی پورے عالم اسلام میں شدید مذمت کی گئی جس پر سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا گیا"۔

(گل محمد فیضی، "مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے تک علمائے اہلسنت کی کاوشیں"
مطبوعہ ماہنامہ "الاشرف" کراچی بابت ستمبر 2007ء ص 30)

☆/☆/☆/☆

ورلڈ اسلامک مشن کا خصوصی دورہ

(۱۹۷۴ء۔۷۵)

تحریر: محمد صادق قصوری۔۔۔۔۔۔۔برج کلاں ضلع قصور

۲۰/ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ورلڈ اسلامک مشن کی دعوت پر جمعیت علماء پاکستان کا ایک وفد مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں عالمی تبلیغی دورہ پر روانہ ہوا۔ جس میں مجاہد ملت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء پاکستان اور پروفیسر شاہ فرید الحق (جو اُس وقت سندھ اسمبلی میں قائدِ حزبِ اختلاف تھے) شامل تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد اس وفد نے کینیا، نیروبی، ممباسہ، مشرقی افریقہ، مڈغاسکر، ماریشیس، ری یونین پریس، انگلستان، شمالی امریکہ، نیویارک (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کوراسیانوت، جنوبی امریکہ، سری نام، لندن، ناروے، ہالینڈ اور دیگر بہت سے ممالک کا دورہ کیا۔ جس کی نتیجہ میں قادیانیوں کے اُسّی فیصد مراکز بند ہوگئے۔ اس دورے کا کل سفر تقریباً ایک لاکھ میل بنتا ہے جو مجاہد ملت مولانا نیازی اور اُن کے ساتھیوں (مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر شاہ فرید الحق اور علامہ ارشد القادری) نے ساڑھے تین ماہ میں طے کیا، چھ سو سے زائد اجتماعات سے خطاب کیا اور کئی ممالک کے ریڈیو اور ٹی وی سے بھی خطاب کا موقع فراہم ہوا۔ اِس کے بعد عمرہ کر کے یہ وفد ۱۳/ اپریل ۱۹۷۵ء کو واپس (کراچی، پاکستان) پہنچ گیا۔

جب یہ وفد کراچی ہوائی اڈے پر پہنچا تو یہاں ہزاروں کی تعداد میں موجود جمعیت علماء پاکستان کے کارکنوں، اسکاؤٹوں اور سیاسی رہنماؤں نے پُر جوش استقبال کیا۔ اُنہیں خوش آمدید کہنے والوں میں ارکانِ اسمبلی حاجی زاہد علی، ظہور الحسن بھوپالی، مولانا محمد حسن حقانی، رکن قومی اسمبلی علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے علاوہ سیّد احمد یوسف اور متحدہ جمہوری محاذ کے رہنما بوستان علی ہوتی بھی شامل تھے۔ اس کے بعد قائدینِ وفد کو موٹر سائیکلوں، موٹر کاروں اور ٹرکوں کے ایک بہت بڑے جلوس کی صورت میں ہوائی اڈے سے جامع مسجد عیدگاہ بندر روڈ لایا گیا، جس کے بعد جلسۂ عام ہوا۔ اس دوران کارساز کے قریب مسجد نعمانیہ میں نماز عصر ادا کی گئی۔

استقبال کے لئے آنے والوں میں پورے ملک کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے لوگ بھی شامل تھے۔ استقبالی جلوس کوئی ایک میل کے قریب لمبا تھا۔ ایئرپورٹ پر اسکاؤٹوں کے تین دستوں نے اپنے رہنماؤں کو سلامی دی۔

جامع مسجد عیدگاہ میں عظیم الشان جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مجاہد ملّت نے کہا کہ پاکستان سے باہر کے مسلمان ہم سے زیادہ بہتر مسلمان ہیں۔ قادیانیوں کو غیر مُسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے فیصلہ کے بعد بیرون ملک قادیانیوں کے ۸۰ فیصد مراکز میں تالے پڑ چکے ہیں۔ پاکستان اور اسلام کے نام پر قادیانیوں کے فریب میں آجانے والے لوگ اب تائب ہو کر مسلمان ہو رہے ہیں اور جلد ہی ان ممالک سے قادیانیوں کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔

ہمارے اس دورے سے بیرونی ممالک میں پاکستان کا وقار بلند ہوا ہے۔ ہمارے اِس تبلیغی دورے کا بہترین ردِّ عمل ہوا ہے اور لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اب اِن علاقوں میں تبلیغی لٹریچر شائع کر کے تقسیم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب یورپ اور امریکہ بھی کملی والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو جائیں گے۔

حضرت مجاہد ملّت نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے ارشاد کیا کہ بیرون ملک لوگ ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام پاکستان میں عملی طور پر کیوں نافذ نہیں کیا جاتا؟ مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لئے ہماری جدوجہد جاری رہے گی اور اِس ملک میں جلد ہی اسلامی شریعت جاری وساری ہو جائے گی۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(''مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خان نیازی'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۲ء صفحہ ۲۱۲ تا ۲۱۳، بحوالہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۱۴، ۱۶/اپریل ۱۹۷۵ء روزنامہ ''جنگ'' کراچی بابت ۱۵/اپریل ۱۹۷۵ء)

/☆/☆/☆/

عالمی دورے کی کہانی

(۱۹۷۴-۷۵ء)

☆تحریر مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ☆

چودہ سو سال قبل مکہ مکرمہ میں حضرت زید بن ارقم کا گھر مسلمانوں کے لیے تربیت گاہ کا کام دیتا تھا۔ سارے مسلمان وہاں جمع ہو کر اپنے آقا و مولا حضور پر نور شافع یوم نشور ﷺ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اور آج چودہ سو سال بعد ۲۱۔ جنوری ۷۴ء کو دنیا کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اسی مقام پر جمع تھے تاکہ عالمی سطح پر ظلمت و گمراہی سے نمٹنے کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔ اس تاریخی اجتماع میں انگلستان، امریکہ، سعودی عرب، مصر، کویت، شام، ہندوستان اور پاکستان کے علمائے کرام شریک تھے۔ پاکستان سے دیگر علماء کے علاوہ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری (ایم۔ این۔ اے) سیّد معروف حسین شاہ نوشاہی (حال مقیم بریڈفورڈ یو۔ کے) اور خاکسار موجود تھے۔

اس اجتماع میں کافی غور و خوض کے بعد ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ علّامہ ارشد القادری پرنسپل مشنری کالج بریڈفورڈ (ورلڈ اسلامک مشن) کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا۔ بعد میں بریڈفورڈ میں ایک کنونشن میں باضابطہ انتخابات، کے ذریعے علامہ شاہ احمد نورانی صاحب کو صدر اور علامہ ارشد القادری کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ ان کے علاوہ دوسرے ممالک سے عہدیدار منتخب ہوئے اور اس طرح عالمی سطح پر ایک منظم پروگرام کے تحت تبلیغ اسلام کا کام تیز تر کرنے کے لیے میدان ہموار ہو گیا۔

۲۲۔ جنوری ۱۹۷۴ء کو خاکسار اپنے قافلے کے ہمراہ مدینہ طیّبہ کی طرف روانہ ہوا۔ دوسرے روز روضۂ اطہر پر حاضری اور صلوٰۃ و سلام کی سعادت حاصل کی۔ ۴۔ فروری ۷۴ء کو جب میں نے وداعی سلام پیش کیا تو مجھے حضور ﷺ کی طرف سے واضح اشارات کے ذریعے حکم ملا کہ پاکستان واپس جا کر شریعت کے نفاذ کے لیے اہل اسلام کو جہاد کی دعوت دوں اور انہیں آگاہ کر دوں کہ نفاذ شریعت کے سامنے جو بھی رکاوٹ آئے اسے فنا کر دو اور رکاوٹ کو دور کرتے

وقت اگر جان بھی دینی پڑے تو پرواہ نہ کرو۔

پاکستان آتے ہی میں نے نفاذ شریعت کے لیے اہل اسلام کو دعوت دی۔ اس سلسلے میں کئی مشکلات حائل تھیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ موجودہ حکومت تھی جو پوری طرح قادیانیت کے نرغے میں تھی۔ قادیانیوں کی خلاف اسلام سرگرمیاں طشت از بام ہو چکی تھیں، اس لیے پاکستان کے غیور مسلمانوں نے جسد واحد کی طرح قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے بھرپور تحریک کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ ۷۔ ستمبر ۷۴ء کو پاکستان اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور اسلام کی وکالت سے انہیں روک دیا گیا۔ اس پر اندرون ملک اور بیرون ملک قادیانی اور ان کے سرپرست بوکھلا اٹھے اور انہوں نے پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا تیز تر کر دیا۔ سر ظفر اللہ نے بیرونی دنیا (عالمی رائے عامہ) کو یہ تاثر دیا کہ پاکستانی مذہبی دیوانے ہیں جنہوں نے بیسویں صدی میں مذہبی اختلافات کی بنا پر امت محمدیہ کے مؤثر اور فعال حصّہ کو کاٹ پھینک دیا ہے۔ ضرورت تھی کہ بیرون ملک اس بے بنیاد پراپیگنڈا کا جواب دیا جاتا اور عالمی سطح پر اس کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق پیش کیا جاتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت پاکستان اس فیصلہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے مؤثر اقدام کرتی اور بیرون ممالک تبلیغی مشن بھیج کر اس کی تشہیر کرتی، مگر افسوس کہ حکومت نے جس نیم دلی اور دل برداشتگی کے ساتھ اس فیصلہ کو قبول کیا اس سے بڑھ کر فیصلہ کی تنفیذ میں سرد مہری بلکہ مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیا۔ اس طرز عمل کو دیکھ کر ہم پریشان تھے۔ ہمارے دل میں احساس کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔

۱۸۔ دسمبر ۱۹۷۴ء کو آٹھ بجے صبح کراچی ایئر پورٹ سے پاکستان گورنمنٹ ہاسپٹل میں جا کر ہم نے yellow fever کا ٹیکہ لگوایا۔ اگلے روز ۱۹۔ دسمبر ۷۴ء کو اپنے ٹریولنگ ایجنٹ سے زرمبادلہ لیا۔ اسی روز پریس کانفرنس منعقد کی اور رات کو بعد نماز عشاء عید گاہ واقع بندر روڈ جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام صوفی محمد ایاز خاں نیازی کی زیر صدارت جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس سے علامہ شاہ احمد نورانی، پروفیسر شاہ فرید الحق اور خاکسار نے عالمی دورے کے اغراض و مقاصد سے حاضرین کو تفصیل سے بتایا اور آخر میں حاضرین سے اپیل کی کہ وہ ہمارے دورہ کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔

دوسرے روز ۵ بجے شام کی پرواز سے ہم دیار حبیب ﷺ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے خوردسال صاحبزادے انس میاں بھی ہمیں الوداع کہنے کے لیے ہوائی اڈہ پر تشریف لائے تھے۔ باپ کی فرقت اور بابرکت سفر کا عزم یہ ملے جلے جذبات اس کے معصوم چہرے پر نمایاں تھے۔ اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور ہم سب کو محبت سے رخصت کیا۔

جہاز میں مسافروں کا منظر دیدنی تھا۔ سب دیار حبیب ﷺ کے مسافر تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سارے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، اور یہ تھی بھی حقیقت۔ یہ تعلق ایک ایسا تعلق ہے جس پر ہزار ہا خونی رشتے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ یہ حضور کریم ﷺ کا فیضان تھا کہ ہم نے نسل، رنگ، وطن، زبان، قومیت، علاقائیت اور سیاسی و معاشی مفادات کے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور سارے ایک ملت بلکہ جسد واحد بن چکے تھے۔ بقول اقبالؒ

دل بہ محبوبؐ حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

ساڑھے چار گھنٹے کے بعد ہم جدّہ پہنچ گئے اور مناسک حج کے لیے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوران ادائیگی حج کتنا کیف و سرور چھایا رہا اور کتنے ہی ایمان افروز اور روح پرور مناظر ان آنکھوں نے دیکھے۔

دوران حج بالعموم حجاج منیٰ کی طرف بسوں، کاروں اور ویگنوں مین سفر کرتے ہیں۔ علامہ شاہ احمد انوارنی صاحب کا ہمیشہ یہ معمول ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے منیٰ شریف اور وہاں سے عرفات اور مزدلفہ اور واپسی پر منیٰ تک پیدل سفر کرتے ہیں۔ ان کا پیدل سفر ادب و عشق کے پیش نظر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ آج بھی جب علامہ نورانی کے اس جذب شوق کا تصور کرتا ہوں تو ایک عجیب کیف سا محسوس ہونے لگتا ہے۔

منیٰ شریف میں اس دوران پورا شہر آباد ہو جاتا ہے۔ اوقات نماز میں ہر طرف سے اذانوں کی آوازیں ایک عجیب اثر انگیز ماحول پیدا کر دیتی ہیں۔ تسبیح و تہلیل اور تلبیہ کی آوازوں سے فضا گونج رہی ہوتی ہے اور خدا کے بندے دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے خالق و مالک کے حضور بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ مصروف دعا ہوتے ہیں۔ اسلام کے عالمگیر نظام اخوت کا

نقشہ صحیح طور پر ذہن میں آتا ہے کہ رنگ ونسل کے اختلاف کے باوجود سارے ایک ہی در کے گدا اور ایک ہی لڑی کے موتی ہیں۔ اس کیف ومستی کا نقشہ کھینچنا جو اس وقت زائرین پر طاری ہوتا ہے، قلم کے بس کا روگ نہیں۔ کیونکہ

لذت بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

قیام مدینہ منورہ کے دوران مولانا شاہ احمد نورانی کے تعلق کی وجہ سے صبح کا ناشتہ، دوپہر اور شام کا کھانا ہم بالتزام انکے خسر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ، کے ہاں تناول کرتے تھے۔ یہ حضرت مولانا ضیاالدین صاحب قادری خلیفہ ءمجاز اعلیٰ حضرت بریلویؒ کا مکان ہے۔ فضل الرحمٰن آپ کے صاحبزادے ہیں اور اپنے نامور والد کے اسی مکان میں قیام پذیر ہیں۔

۲۷۔ دسمبر بروز جمعہ نماز عشاء کے بعد سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف ضلع سرگودھا کے بھتیجے صلاح الدین غازی صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادہ شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف بعارضہ دردگردہ بیمار ہیں۔ اسی وقت ان کی عیادت کے لیے محلہ جیاد میں ان کے مکان پر حاضر ہوئے۔ قبلہ حضرت صاحب مل کر بہت خوش ہوئے اور کافی دیر وہاں نشست رہی۔ اس کے بعد ہم اجازت لے کر واپس آگئے۔

۲۸۔ دسمبر بروز ہفتہ مکہ مکرّمہ محلّہ جیاد میں ورلڈ اسلامک مشن کے بین الاقوامی کنونشن میں شرکت کی۔ اس اجتماع میں انگلینڈ، امریکہ، جنوبی امریکہ، شام، مصر اور ہندوستان، پاکستان کے علماء شریک ہوئے۔ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صاحب نے ''اسلام بحیثیت دین رحمت''، پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب نے ''حضور کی خاتمیت کو بطور ایک عالمگیر نظام حیات'' اور خاکسار نے ''عصری تقاضوں کی روشنی میں کل کائنات کے لیے اسلام کو بحیثیت ایک نسخہء کامل اور نظام نو'' پیش کیا۔ اور حاضرین کو بتایا کہ:

''تعلیمات اسلام کو پیش کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک مثبت اور مؤثر اعتقادی جذبے کی تحریف پر داخلی اور موضوعی انداز میں جس میں انسان خارجی عوامل سے قطع نظر اپنی

بات پورے جذب و انہماک سے پیش کرتا ہے۔ دوسرا طریقہ (objective) یعنی معروضی، غیر جذباتی اور واقعیت پسندانہ ہے۔ اس میں اپنے اعتقاد کی افادیت، اہمیت اور غیر جانبدارانہ فوقیت اور برتری پیش کی جاتی ہے۔ میں نے پہلی صورت کو بالاختصار پیش کرنے کے بعد زیادہ زور معروضی انداز پر دیا۔ اور حاضرین کو بتایا کہ اس وقت دنیا کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ غریب انسان کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہے اور دوسرا مسئلہ نسل، وطن، قومیت، علاقائیت، رنگ اور زبان کے تعصبات کو ختم کرنا ہے۔

بقول پروفیسر ٹائن بی:

''دنیا میں کوئی ازم، کوئی نظریۂ حیات اور کوئی مذہب ان مسائل کا قرار واقعی حل پیش نہیں کرسکتا۔ یہ صرف پیغمبر اسلام (ﷺ) ہی کی ذات ہے کہ جنہیں دنیا اپنا امام و مقتدیٰ تسلیم کرلے تو جملہ مسائل حل ہوتے ہیں۔''

آخر میں مَیں نے حاضرین کو بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو بلاتخصیص مذہب وملت عالمی افادیت کے معیار پر پرکھے اور پھر اس کے اتباع میں اپنے مسائل کو حل کرے۔''

اس تقریر کو سامعین نے بڑا پسند کیا اور بھارتی مندوبین نے خاص طور پر ریکارڈ کرلیا۔

۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء۔ مدینہ منورہ میں قیام کا آخری دن تھا۔ اس احساس نے کہ دربار رسالتمآب ﷺ میں حاضری کا یہ آخری دن ہے۔ طبیعت میں فراق و اضطراب کے ملے جلے جذبات پیدا ہوچکے ہیں۔ مسجد نبوی سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ''حزب الاعظم'' میں مندرج جمعہ کے اوراد و وظائف میں درود شریف کا خاص باب موجود ہے۔ گنبد خضراء پر نظر جمانے کے بعد کئی بار اسے پڑھا اور مواجہہ شریف میں بھی اسے بار بار دہرایا۔ آتش شوق ہر لحظہ بھڑک رہی تھی۔ اسی جذب و شوق میں عصر کی نماز پڑھی اور پھر گنبد خضرا پر نظر جما کر دوزانو بیٹھ کر درود شریف پڑھنے لگا۔ غروب آفتاب سے قبل پھر حاضری کے لیے دوڑ کر گیا۔ نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔ مغرب کے بعد پھر ماہی بے آب کی طرح بے تابانہ سلام وداع پڑھنے کے لیے کھڑا ہوگیا۔

سلام پڑھ کر خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگی اور فراق کے احساس سے درد و کرب کو لیئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے واپس آگیا۔ مسجد نبوی سے باہر نکلتے وقت ایک بار پھر بصد

حسرت ویاس گنبد خضرا پر نگاہ جمائی اور اصطفیٰ منزل پہنچ گیا۔

یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ اسی وقت مدینہ شریف کے ایئر پورٹ پہنچنا ہے تا کہ پہلی فلائیٹ سے جدہ شریف روانہ ہو جائیں۔ ہم نے دردوفراق کے جذبات واحساسات میں ایک سوگوار کی طرح مدینۃ الرسول کو الوداع کہا اور ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہم نے احباب کو رخصت کیا اور جہاز میں بیٹھ کر جدہ شریف واپس آ گئے۔ ایئر پورٹ سے ٹیکسی لی اور خندق الجزیرہ میں آ گئے۔

دوسرا دن گیارہ جنوری ویزا وغیرہ کے حصول میں گذرا۔ تیسرے دن بارہ جنوری کو ہم خندق الجزیرہ سے خندق الامین میں منتقل ہو گئے۔ خندق الامین کے مالک سیّد جمشید عالم سے بازار میں ملاقات ہوگئی۔ ان کے علامہ شاہ احمد نورانی سے دیرینہ مراسم ہیں۔ اسی بنا پر وہ ہمیں زبردستی اپنے ہوٹل میں لے آئے۔ خندق الامین مغربی طرز کا جدید ہوٹل ہے۔ جس میں ایئر کنڈیشنڈ کمرے بھی موجود ہیں۔ جمشید صاحب نے اپنے خلوص ومحبت کی انتہا کر دی اور ہمیں ایک کشادہ ائر کنڈیشنڈ کمرے میں ٹھہرایا اور ہر ممکن سہولت کا انتظام کیا۔ رات کو حمید صاحب کے ہاں محفل میلاد منعقد ہوئی جس میں صلوٰۃ وسلام سے قبل علامہ شاہ احمد نورانی، پروفیسر شاہ فرید الحق اور علامہ ارشد القادری اور خاکسار نے سیرت پاک کے مختلف عنوانات پر تقاریر کیں جنہیں ٹیپ کر لیا گیا۔

مورخہ ۱۳۔ جنوری کو یوایس اے ساؤتھ امریکہ وغیرہ کے ویزے حاصل کرنے کے علاوہ ایسٹ افریقہ (کینیا) موریشس اور ری یونین (جزائر بحرالہند) کے ویزے حاصل کئے اور ۲۔ بجے رات جدہ شریف سے بذریعہ پی آئی اے نیروبی دارالخلافہ کینیا روانہ ہو گئے۔ نیروبی صبح ساڑھے آٹھ بجے جہاز پہنچ گیا۔ نیروبی ائر پورٹ پر اسلامیان کینیا کی طرف سے شاندار استقبال ہوا۔ جن میں حاجی آدم سیٹھ اور محمد اسماعیل مالک کوہ نور جیولرز نیروبی پیش پیش تھے۔ ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ہمیں وی آئی پی شمار کیا گیا۔ اور حکومت کینیا کے پروٹوکول آفیسر جو آرمی کے ریٹارڈ میجر ہیں ہمیں لینے کے لیے موجود تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہمیں کوہ نور جیولرز کے بنگلہ میں ٹھہرایا گیا اور ہر ممکن سہولت کا اہتمام کیا گیا۔ نیروبی تقریباً ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقعہ ہے۔ نہایت ہی پر افزا اور شاداب علاقہ ہے۔ آزادی کے بعد اس کی

ترقی میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ انگریزوں نے اس علاقے کو زرعی اعتبار سے کافی ترقی دی تھی۔ آج بھی ان کے مملوکہ کافی کے بڑے بڑے باغات اور ڈیری فارم موجود ہیں۔

کینیا کا رقبہ ۲ لاکھ ۱۹ ہزار ے سو تیں مربع میل ہے۔ نیروبی ممباسہ (بندرگاہ) ملندو نکورو۔ ملنڈی۔ لاموا س کے اہم شہر ہیں۔ اس ملک میں بڑی بڑی سیرگاہیں اور شکار گاہیں ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے کئی سیاح یہاں سیر و شکار کے لیے آتے ہیں۔ وسیع نیشنل پارک جو تقریباً ۵ ہزار مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے، ایک تاریخی سیرگاہ ہے۔ جس میں ہرن، زیبرے، زرافے، شتر مرغ اور شیر موجود ہیں۔ سیرگاہ میں آمد و رفت کے لیے سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اور مختلف جانوروں کے لیے علیحدہ علیحدہ رقبے مخصوص ہیں۔ ان سے حکومت کو کافی آمدنی ہوتی ہے۔

۱۴ جنوری کا سارا دن قیام گاہ پر گزرا۔ مختلف وفود سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اور آئندہ کینیا میں دورے کا مفصل پرگرام مرتب کیا گیا۔ قرار پایا کہ نیروبی چونکہ مرکز ہے اس لیئے زیادہ توجہ اس پر دی جائے۔ کوہ نور جیولرز کے مالکان نے ہمارے پروگرام میں نہایت خلوص اور محبت کا ثبوت دیتے ہوئے والہانہ تعاون کیا۔ اور جتنے روز ہم مقیم رہے، دیگر اکابر و علماء سے زیادہ ان حضرات نے ہمارے پرگرام کی تکمیل میں دلچسپی لی۔ اس علاقے میں دشمنان اسلام نے اپنے پراپیگنڈا کی تکنیک بالکل بدل دی ہے۔ عیسائیت، دہریت اور ان کی ذیلی تنظیمات نے یہ دیکھ لیا کہ وہ علمی تحقیقی اور دینی محاذ پر اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسلام کی عالمگیر اخوت مساوات اور تعصبات سے پاک معاشرتی زندگی معاندین کے لیے پیغام موت ہے۔ اس لیے انہوں نے مذہبی ہتھیاروں سے جنگ کرنے کی بجائے ملکی و غیر ملکی و مزدور و سرمایہ دار کے تنازعات کھڑے کر دیئے۔ چونکہ یہ علاقہ انگریزی نو آبادی تھا۔ اس لئے حکومت کی پشت پناہی میں عیسائی تبلیغی مشن کروڑ ہا روپے خرچ کر کے سکولوں، کالجوں، یتیم خانوں، محتاج خانوں اور ہسپتالوں کے قیام سے اپنی جمعیت میں اضافہ کرتے رہے اور کئی لادین قبائل (pagans) کو اپنے حلقہ میں شامل کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کینیا، ایسٹ افریقہ کے دوسرے ممالک ساؤتھ افریقہ اور ساؤتھ ویسٹ افریقہ میں انہوں نے خاصی کامیابی حاصل کر لی۔

مبلّغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے تبلیغی دوروں کے موقعوں پر ان علاقوں کے مسلمانوں کو انتباہ کیا تھا۔ کہ اگر تم نے اپنی تمام تر قوتیں تبلیغ اسلام پر مرتکز نہ کیں تو تمہاری بدبختی کے سبب ایک دن ایسا بھی آ سکتا ہے جب دشمنان اسلام تمہیں یہاں سے جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیں۔ آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ آزادی کے بعد جس دن سے کالوں نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی ہے۔ کینیا میں اہل اسلام کی جان و مال کا تحفظ مخدوش ہو گیا ہے۔ اگر چہ صدر جومیو کیناٹہ جو ایک بہت بڑے لادین (pagans) قبیلے کے سربراہ ہیں۔ بیدار مغز دوراندیش سیاسی مدبّر ہیں۔ اور اپنے ملک میں ان تعصبات کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے۔ تاہم خطرہ اپنی جگہ موجود ہے۔

نیروبی سے کئی مسلمان برٹش شہریت حاصل کر کے U-K میں آباد ہو چکے ہیں۔ اور باقی ماندہ نقل وطن کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اگر مسلمان کوشش کرتے تو تبلیغ اسلام کے ذریعے سارے علاقے میں بالادستی حاصل کر سکتے تھے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں غیر اسلامی قومیں اقتدار پر قابض ہو چکیں ہیں اور جہاں اکثریت میں ہیں وہاں دشمنان اسلام نے کیمونزم کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی سیادت سنبھال لی ہے۔ اور دوسری طرف مسلمان کیمونسٹوں کے ذریعے دیندار مسلمانوں کا صفایا کروایا جا رہا ہے۔ تنزانیہ، صومالیہ اور نائجیریا کے مسلمان اسی جانکاہ ابتلا میں گرفتار ہیں۔ پچھلے دنوں صومالیہ کے ''کیمونسٹ مسلمانوں'' نے اسلامی نظریہ وراثت کی تبلیغ کو جرم قرار دے دیا تھا۔ مسلمان علماء کو فائر سکواڈ (گولیوں کی بوچھاڑ) کے سامنے رکھ کر بھون دیا تھا۔ اور الزام یہ لگایا تھا کہ یہ قرآنی تعلیمات کا نہ صرف استحصال کر رہے ہیں بلکہ انہیں مسخ کر رہے ہیں۔

بنیادی طور پر افریقہ اور جنوبی امریکہ میں تبلیغ اسلام اور تحفظ اہل اسلام عرب فرمانرواؤں کی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے ماضی میں مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیا۔ ایک آدھ مشن رابطہ اسلامی اور اسلامی فاؤنڈیشن جو سعودی عرب کی سرپرستی میں کام کر رہے ہیں۔ نہایت ہی محدود اور بے اثر ہیں۔ یہاں کروڑ ہا لامذہب اور لادین (pagans) قبائل دعوت اسلام کی انتظار میں کھڑے ہیں۔ اگر ایک جامع منصوبہ مرتب کر کے دشمنوں کے ہتھیار کے ذریعے مقابلہ

کیا جائے یعنی سکول، کالج، یتیم خانے محتاج خانے اور ڈسپنسریاں قائم کر کے تاریک براعظم افریقہ میں سواداعظم کی تائید وحمایت سے تبلیغی کام شروع کیا جاوے تو ہماری قسمت بدل سکتی ہے۔

اس کے علاوہ کیمونزم کا مقابلہ کرنے کے لیے معیشت محمدی (Muhammadan Economy) اور اسلامی مساوات پر علمی تحقیقی لٹریچر تیار کر کے مبلغین اسلام کو جو انگریزی، عربی، فرانسیسی اور سواحلی میں (موقع محل کے اعتبار سے) دسترس رکھتے ہوں، مشنری کام کیا جائے تو کفر کے اس نئے ہتھیار کو نہ صرف بیکار کیا جاسکتا ہے، بلکہ انسان پر انسان کے اس جدید جبر و استبداد کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا جاسکتا ہے۔

ہم نے مرض کی تشخیص کے بعد انہی خطوط پر اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے ہم نے ٹیلی وژن اور ریڈیو پر غربت اور مسکنت کے انسداد اور نسل، زبان، رنگ، علاقائیت اور وطنیت کے تعصبات کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں ٹیلی وژن اور ریڈیو کا شکریہ ادا نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ ہمارے میزبان مسٹر محمد اسماعیل (مالک کوہ نور جیولرز) کی بے پناہ مقبولیت اور اثر و رسوخ نے بھی مؤثر پارٹ ادا کیا۔ ٹیلی وژن پر ہم نے اپنے لیے علیحدہ علیحدہ موضوع منتخب کر لئے اور سوالات بھی انہیں کی بابت کئے گئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ''اسلام بحیثیت دین امن وسلامتی''، شاہ فرید الحق نے ''اسلام بحیثیت عالمگیر پیغام حیات'' اور خاکسار نے ''اسلام بحیثیت قطعی وحتمی نظامِ نو'' کو پیش کیا اور مرکزی نقطۂ تبلیغ گرے پڑے انسان کا معیار زندگی بلند کرنا اور تعصبات جاہلیہ، رنگ، نسل، وطن، زبان وغیرہ کو قرار دیتے ہوئے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ، خلفائے راشدین کا نظام حکومت خاص طور پر مصر و ہند میں خاندان غلاماں کی سربراہی سے مثالیں دے کر واضح کیا۔ ان تقاریر کا ملک بھر میں زبردست چرچا ہوا اور کئی غیر مسلم بھی ملاقات کے لئے آئے۔ ہم نے سپیکر اسمبلی، وزراء اور ممبران پارلیمنٹ سے بھی ملاقاتیں کیں۔ چونکہ صدر جومیو کیناٹا ان دنوں نیروبی سے باہر تھے۔ اس لیے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

نیروبی میں ہم نے ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ مقامی انگریزی اخبارات نے ہماری پریس کانفرنس اور ریڈیو و ٹیلی وژن کی تقاریر کو خوب پبلسٹی دی جس سے

بیک وقت سارے ملک میں تعارف ہو گیا۔ یوں بھی جہاں ہم جاتے تھے، لوگ دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ خاص طور پر میرے عصاء کلیمی اور چترالی طرّہ کی کشش زبردست تعارف کا باعث بنتی رہی۔ تمام گفتگو نظریۂ پاکستان اور اسلام کی عالمگیریت، اخوت، مساوات اور حریّتِ فکر پر ہوتی تھی۔

کینیا میں ہم نے ۱۱۔ دن قیام کیا۔ اور شہر کی جامع مساجد، کلچر سنٹر اور پبلک اجتماعی مراکز (Halls) میں ہمارے خطابات ہوئے، جمعہ کے روز ہر چہار ارکان وفد مختلف مساجد میں خطبہ دیتے تھے۔ باقی ایام میں روزانہ کسی نہ کسی مرکز میں بعد نماز عشاء جلسہء عام منعقد کرتے تھے۔ عصرانوں، ظہرانوں اور عشائیوں میں مخصوص اور نمائندہ اجتماعات سے خطاب کا موقعہ ملتا رہا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں نے اپنی مادری زبانوں اردو اور پنجابی کو اپنے گھروں میں زندہ رکھا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم مخصوص اجتماعات میں اردو سے کام نکالتے تھے اور پبلک اجتماعات میں اردو کے علاوہ انگریزی اور بعض مقامات پر عربی میں تقاریر ہوتی تھیں۔ اسلامی تعلیمات کو جامعیت اور وسعت سے پیش کرنے کی خاطر ہم ہر جلسہ میں علیحدہ علیحدہ موضوع منتخب کر لیتے تھے۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ ہر جلسہ میں اسلام کی مکمل تعلیم کے لیے ایک منضبط اور مفصل درس کی شکل اختیار کر جاتا تھا۔ کمیونزم، سوشلزم، سیکولرزم، ریشلزم (نسل پرستی) جارحانہ نیشنلزم (Aggressive Nantionalism) اور قادیانیت کو ایک ہی فہرست (Categaory) میں شامل کر کے عقیدہ خاتمیت ۔ سے ان تمام کا رد کرتے تھے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ان خطابات کے بعد کئی کمیونسٹ مسلمان راہ راست پر آ گئے۔ مذبذبین کو استقامت نصیب ہوئی اور قادیانیوں سے رشتہ داریاں ختم ہو گئیں۔

جامع مسجد ایسلا جہاں ۱۹۶۷ء میں مرزائیوں نے زبردست غنڈہ گردی کی تھی۔ اب ہماری دعوت کا مرکز بن گئی۔ یہیں سے مرزائیوں کو تائب ہونے کی دعوت دی گئی۔ رات کے ڈیڑھ بجے تک تقاریر نشر ہوتی رہیں۔ مگر کسی منکر خاتمیّت کو ہمت نہ پڑی کہ کسی ایک اعتراض کا جواب دے سکے اور نہ ہی ہماری بار بار للکار کے باوجود وہ مناظرے پر آمادہ ہوئے۔ ہم نے سرکاری حلقوں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ مرزائی ایک پرامن شہری کی طرح تمام بنیادی حقوق سے

بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ مگر اسلام اور اہل اسلام کے ترجمان اور وکیل نہیں بن سکتے۔

نیروبی سے باہر ہم نے نکورد، مکنڈو، ممباسہ اور ملنڈی میں خطاب کیا۔ انگریزی کے علاوہ سواحلی اور عربی بھی بولی جاتی ہے۔ اس لیے ہمارے خطابات انگریزی اور اردو کے علاوہ عربی میں بھی ہوئے اور عربی تقاریر کا مقامی علماء نے اسی وقت سواحلی میں ترجمہ پیش کیا۔ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی، انگریزی، اردو کے علاوہ عربی میں بھی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہماری کتابی عربی کی کمی کو ان کی بامحاورہ عربی تقاریر نے پورا کر دیا۔

ہم نے نیروبی اور ممباسہ میں ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کا اجراء کیا۔ یہاں پر ایک دو مقامات پر پرلطف واقعات بھی سامنے آئے۔ نکورد میں عربی تقاریر کے بعد اردو دان طبقے نے تقاضا کیا کہ ہمیں سارا مفہوم اردو میں بتایا جائے۔ وقت کی قلت کے باوجود میں نے ان کی خواہش کا لحاظ رکھتے ہوئے مولانا نورانی کی تقریر کا خلاصہ پیش کیا۔

ممباسہ میں وہاں کے اردو دان طبقہ کی خواہش پر ایک جامع مسجد میں اردو تقاریر کی اعلان ہوا۔ جس میں محرم الحرام کی رعایت سے فلسفۂ شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ علیہ کو موضوع بنا کر ہم نے تعلیمات اسلام کو باوضاحت پیش کیا۔ عاشورۂ محرم پر نیروبی میں ایک خصوصی جلسۂ عام بعد نماز عشاء وسیع و عریض اور بارونق کچھی میمن ہال میں منعقد ہوا۔

قیام ایسٹ افریقہ کے دوران میں دو نہایت ہی رقت آمیز مناظر سامنے آئے۔ ایک بمقام مکنڈو کالے مسلمانوں کے ایمان پرور استقبال کا منظر تھا۔ جس میں تقریباً ۵۰ فیصد مسلمان پیرو جوان اور خواتین و دختران اپنے حیاء پرور لباس میں موجود تھیں۔ دینی مدرسہ کے انچارج اور مقامی جامع مسجد کے خطیب کی قیادت میں اہل ایمان کا یہ اجتماع برلب سڑک وفد کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ جونہی ارکان وفد کا قافلہ کاروں سے اترا، سب نے بیک وقت اہلاً وسہلاً مرحبا۔ سادات الکرام کا نعرہ بلند کیا۔ جب ہم ان کے نزدیک گئے تو انہوں نے اپنے امام و مقتداء کی قیادت میں خوش الحانی کے ساتھ میلاد برزنجی دف پر سنایا۔ یہ رقت آمیز منظر قابل دید تھا۔ خاتمے پر قائد استقبالیہ نے وفد کا خیر مقدم کیا۔ جس کے جواب میں عربی میں شاہ احمد نورانی نے تقریر کی۔ اس جوابی تقریر کا ترجمہ خطیب نے سواحلی میں پیش کیا۔

محفل میلاد کے بعد ان لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہم جلوس کی شکل میں ان کے گاؤں میں جائیں۔ چونکہ ایک مسجد کا امام مقامی اختلافات کی وجہ سے منتظمان جلسہ کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا۔ اس لیے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم دوسری مساجد کا بھی ضرور معائنہ کریں۔ دونوں مسجدوں میں مختصراً صلوٰت وسلام پڑھا گیا اور دعا مانگی گئی۔ جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ہم سب لوگ برلب سڑک واقع جامع مسجد (جس کے ساتھ مدرسہ ملحق ہے) واپس آ گئے۔ یہاں پرکوہ نور جیولرز کی جانب سے جو اس جامع مسجد اور مدرسہ کے مہتمم ہیں، ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ مدرس خطیب نے ایک نہایت ہی شاندار نظم کے ساتھ گاؤں کے تمام لوگوں کو بھی کھانا کھلایا۔ اختتام پر انہوں نے ارکان وفد سے استدعا کی کہ نئی اور وسیع تر جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جائے۔ ہم سب نے پتھر اٹھا کر دیئے جو سنگ ہائے بنیاد بن گئے۔ اس کے بعد صدر دروازہ کے دونوں جانب سرو کے دو پودے لگائے گئے۔ ایک مولانا شاہ احمد نورانی نے لگایا اور دوسرے کو لگانے کی سعادت خاکسار کے حصے میں آئی۔ فراغت کے بعد ہم ممباسہ کی جانب روانہ ہو گئے اور قافلہ کے باقی افراد نیروبی واپس چلے گئے۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ روح پرور اور رقت انگیز ہے اور وہ یہ ہے کہ ممباسہ اور ملنڈی میں ہمارے سہ روزہ قیام کے اثرات اور ''ورلڈ اسلامک مشن'' کے پروگرام کو معلوم کرنے کے بعد وہاں سے ایک باکمال سیّد ولی اللہ نے (جو بیحد کم آمیز اور کم گو ہیں اور دنیا سے الگ تھلگ اپنے مکان میں رہ کر اہل ایمان کی تربیت وتزکیہ کے لئے حلقہ قائم کئے ہوئے ہیں۔) ہمیں خصوصی پیغام بھیجا کہ حضور صاحب لولاک سرور کائنات سیّد الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ وتسلیم ہمارے اس دورے سے بہت خوش ہیں۔ اور میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ حضور ﷺ کی رحمت اللعالمینی کے صدقے تمہارا دورہ کامیاب رہے گا۔ اس سے ہماری طبیعت میں ایک نیا ولولہ اور عزائم میں بلندی پیدا ہوئی اور نئے جوش کے ساتھ ہم نے اپنے پروگرام کی تکمیل کے لیئے دن رات ایک کر دینے کا عہد کیا۔

ایسٹ افریقہ کے تمام مسلمانوں نے اسلامک ورلڈ مشن کے وفد کے ساتھ کمال درجہ محبت، خلوص اور شفیتگی کا مظاہرہ کیا۔ حاجی محمد ابراہیم مالک کوہ نور جیولرز (جن کے ہاں وفد کا

قیام تھا) ان کے صاحبزادے محمد اسماعیل، بھتیجے محمد حسن اور تمام اعزہ و اقارب ہر وقت وفد کے لئے چشم براہ رہے اور تمام تبلیغی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر تعاون کیا۔ ان کے علاوہ کچھی میمن برادری کے نوجوان اور اکابر مخلصانہ تعاون کرتے رہے۔ بالخصوص آدم اینڈ کمپنی ایسٹ افریقہ کے پروپرائٹر ابراہیم آدم، مسٹر عبداللطیف یوسف، مسٹر احمد، جہلم کے محمد ابراہیم ٹوٹو متولی اسلامسجد اور خطیب امتیازی جامع مسجد و دیگر سینکڑوں مخلصین ہمہ وقت ہمارے پروگرام کو کامیاب بناتے رہے۔ اسی طرح ممباسہ میں حاجی صالح محمد ملک صاحب، محمد اقبال شب و روز ہمارے پروگراموں کو کامیاب بنانے میں پیش پیش رہے۔

ایسٹ افریقہ کے کامیاب دورے کے بعد ہم ۲۵۔۱۔۱۹۷۵ کو صبح سویرے نیروبی سے بذریعہ ایئر فرانس ماریشس روانہ ہوئے۔ ایئر پورٹ پر اکابر اہل سنت والجماعت الوداع کہنے کے لئے موجود تھے۔ ہمارا ہوائی جہاز بحر ہند پر پرواز کرتا رہا۔ آدھ گھنٹے کے بعد تانانا ریو دارالخلافہ مڈغاسکر میں رکا۔ چونکہ اس جزیرے میں انقلاب کی وجہ سے ہنگامی حالات کا آغاز ہو چکا تھا اور سیاسی اور غیر سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی تھی، اس لیے مجبوراً یہاں کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔

تانانا ریو کے بعد جزیرہ ری یونین (جو فرانسیسی نو آبادی ہے) کے ایئر پورٹ سینٹ ڈینس پر بھی جہاز آدھ گھنٹہ کے لیے رکا۔ یہاں پر اہل سنت والجماعت کے رہنما حاجی محمد عبداللہ پوٹا سے ملاقات ہوئی اور ان کے مشورہ سے ماریشس سے مراجعت کے بعد تبلیغی دورہ کا پروگرام طے پایا۔

تقریباً ۳ بجے دوپہر ماریشس کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ ہزار ہا مسلمان استقبال کے لیے موجود تھے۔ نیروبی کا موسم معتدل تھا، مگر ماریشس میں گرمی تھی۔ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمت اللہ علیہ اور ان کے نامور فرزند علامہ شاہ احمد نورانی کی وجہ سے اس جزیرہ میں اہل سنت والجماعت کا بڑا زور ہے۔ اس لیے فداکارانہ انداز میں ہزار ہا افراد نے ہمارے وفد کا خیر مقدم کیا۔ چونکہ ایئر پورٹ دارالحکومت سے تقریباً ۲۰ میل دور ہے اس لیئے تمام لوگ اپنی اپنی کاروں بسوں اور ٹرکوں میں سوار ہو کر استقبال کے لیے پہنچے تھے۔ تقریباً پون گھنٹہ

ان عاشقان سنت سے مصافحہ و معانقہ میں صرف ہوا۔ مسٹر اسحاق یونس جو کچھی میمن برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت بڑے تاجر، زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ ماریشس کی اسلامی برادری میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بنگلہ پر وفد کے قیام کا انتظام کیا گیا۔

ایئر پورٹ سے ہم سیدھے جامع مسجد پورٹ لوئیس پہنچے۔ نماز ادا کرنے کے بعد وہاں سے سیدھے مسٹر اسحٰق یونس کی قیامگاہ واقع قاترابونز (Quatrabornes) پہنچ گئے۔

ماریشس بحیرہ ہند کا ایک مشہور جزیرہ ہے سب سے پہلے اس پر اٹھارہویں صدی میں فرانسیسیوں نے قبضہ کیا۔ ۱۷۲۲ء میں اس کی کل آبادی تقریباً ۶۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ جن میں فوجی آباد کار اور غلام شامل تھے۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۷۳۵ء میں یہاں کے فرنچ گورنر (Mabe-de-Labaur Donnais) نے کچھ مسلمان ملاح اور کاریگر بندرگاہ پورٹ لوئیس کی تعمیر کے لیے بلائے۔ بعد میں بہت سے کاروباری لوگ جوہری، ٹیلر ماسٹر، ترکھان اور پینٹرز وغیرہ پہنچ گئے۔ پھر ان کے ساتھ تاجر اور Money Changers بھی آ گئے۔ نپولین بونا پارٹ اور ٹیپو سلطان شہیدؒ کے باہمی دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ۱۷۹۹ء میں گورنر جنرل (DECAEN) نے پورٹ لوئیس میں اسلام دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو جامع مسجد کی تعمیر کے لیے ایک وسیع قطعہ اراضی عنایت کیا۔ یہ مسلمانوں کی طرف سے جزیرہ کی آبادی اور ترقی میں دلچسپی لینے کی بنیاد پر ہوا۔ ۱۸۰۴ء میں انتظامیہ ماریشس کے لیے مسلمانوں کو بھرتی کیا گیا۔ ۱۸۱۰ء میں ایک برٹش لیفٹیننٹ کرنل مسٹر کیننگ کی فوج نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس فوج میں کئی مسلمان سپاہی موجود تھے جو بعد میں اسی جزیرہ پر آباد ہو گئے۔

۱۸۲۹ء و ۱۸۳۵ء میں روساء تجار کی بڑی تعداد جزیرہ میں وارد ہوئی اور وہاں کی درآمد و برآمد پر مکمل اجارہ داری قائم کر لی۔ تجارت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے زراعت میں بھی نمایاں حصہ لیا اور کھانڈ سازی کے کارخانے قائم کر لیے۔ ۱۸۳۵ء اور اس کے بعد کئی مزدور پیشہ مسلمان بھی پہنچ گئے۔ ۱۸۹۸ء میں بھی کچھی میمن سوداگروں نے پورٹ لوئیس میں ایک شاندار جامع مسجد قائم کی۔ مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تعمیر کیا گیا۔ اس وقت کے گورنر (Higinson) نے مدرسہ کا افتتاح کیا۔

اس وقت جزیرہ کی کل آبادی تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ ہے۔ جس میں کئی مذاہب و اقوام آباد ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہے۔ باقی تعداد رومن کیتھولک عیسائیوں، ہندوؤں، چینیوں اور لادین (Pagans) قبائل پر مشتمل ہے۔ ہندوؤں کی تعداد قریباً ۲ لاکھ ہے۔ جزیرہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعاون سے ایک کولیشن حکومت قائم ہے جس میں گورنر جنرل مسلمان اور وزیراعظم ہندو ہے۔ سارے جزیرے میں تقریباً ایک صد مساجد ہیں۔ دو ہائی سکول محتاج خانہ، یتیم خانہ، دینی مدرسہ اور کئی دوسرے ادارے شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر سلسلۂ علیمیہ قادریہ کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔ یہاں کے مسلمان بفضل تعالیٰ خوشحال اور باوقار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دوسری اقوام کے ساتھ ان کے تعلقات خوشگوار ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ۲۶۔ جنوری ۱۹۷۵ء بروز اتوار جامع مسجد کے کمیٹی ہال میں اہل اسلام کے اکابر کا اجتماع ہوا اور مسلم ایسوسی ایشن جامع مسجد پورٹ لوئیس کے زیر اہتمام وفد کے دورے کا پروگرام مرتب ہوا۔ جزیرہ نہایت ہی شاداب و آباد ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر قصبات آباد ہیں اور ملک کی عام پیداوار گنا ہے۔ اور یہ پڑھ کر قارئین ''ضیائے حرم'' کو حیرت ہوگی کہ آج کل وہاں کھانڈ کی قیمت ۷ آنے سیر ہے۔ سڑکیں کشادہ اور شہر نہایت ہی صاف ستھرے ہیں۔ وہاں کی جامع مسجد کا متولی باقاعدہ منتخب ہوتا ہے اور وہی علاقے کے مسلمانوں کی دینی و سیاسی زندگی کا مرکز ہوتا ہے۔ ماریشس میں وفد نے تقریباً ۳ ہفتے قیام کیا اور ۳۰ جلسوں سے خطاب کیا۔ جمعہ کے علاوہ تمام جلسے بعد نماز عشاء منعقد ہوتے رہے۔

دوران قیام تین اتوار آئے جن میں جامع مسجد پورٹ لوئیس میں صبح کے وقت جلسے منعقد ہوئے۔ ۲۔ فروری ۱۹۷۵ء کو گرلز ہائی سکول میں بزبان انگلش سیمینار ہوا اور ۹۔ فروری ۱۹۷۵ء کو اسلامیان ماریشس کی طرف سے جامع مسجد کے کونسل ہال میں ہمارے وفد کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا۔ عصرانہ سے پہلے نماز ظہر کے بعد پبلک فورم میں ارکان وفد کی تقاریر ہوئیں۔ وزیراعظم نے جلسہ کی صدارت کی۔ بھارت، پاکستان اور دیگر ممالک کے سفراء بھی جلسہ میں شریک ہوئے۔

آخری دنوں میں جزیرہ ماریشش زبردست طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ بعض حصوں میں طوفان کی رفتار ۱۰۰/۱۲۰ میل کے درمیان تھی۔ طوفان نے جزیرہ کے تمام نظام کو معطل کر

دیا۔بجلی کے کھمبے گر گئے۔ٹیلیفون کی تاریں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔درخت جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر آ گرے۔مکانوں کی چھتیں اڑ گئیں۔جھونپڑیاں پیوند خاک ہوگئیں۔غرض ساری آبادی ایک زبردست عذاب میں مبتلا ہوگئی۔بعض مقامات پر واٹر سپلائی کا نظام بھی معطل ہوگیا۔یو،ایس،اے،۔یو،کے اور فرانس کی طرف سے امداد کے لیے جہاز پہنچنے شروع ہو گئے۔سمندر میں خوفناک مدو جذر و تلاطم کی وجہ سے گودی میں کھڑا ہوا ایک جہاز غرق ہو گیا۔گھروں کے باہر ایک قیامت کا منظر تھا۔پرندے فنا ہو گئے اوران کے گھونسلے تنکا تنکا ہو گئے اور جو جانور باہر رہ گیا،زندہ نہ بچ سکا۔

اس قیامت خیز طوفان میں بامر مجبوری تین چار روز کے لیے وفد نے جلسوں کا پروگرام منسوخ کر دیا۔کیونکہ جزیرہ کے تمام باشندے طوفان کی وجہ سے کئی قسم کی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔صرف جمعہ کے روز نماز سے قبل میرا خطاب ہوا۔جس میں قیامت خیز طوفان سے عبرت حاصل کرتے ہوئے تمام باشندوں کو اپنے گناہوں سے تائب ہونے اور معاشرہ سے اخلاقی بیماریاں دور کرنے کا مشورہ دیا۔خطبہ جمعہ علامہ شاہ احمد نورانی نے دیا اور نماز بھی پڑھائی۔ماریشش میں قیام کے دوران میں ارکان وفد کا ایک مشترکہ انٹرویو ٹیلیویژن سے دکھایا گیا۔اس کے بعد ارکان نے فرداً فرداً ریڈیو اور ٹیلی وژن سے خطاب کیا۔

جامع مسجد کے علاوہ پبلک ہال (روزہل ہال)(Municipality Hall) اور جامع مساجد میں تقاریر ہوئیں۔علامہ شاہ احمد نورانی نے ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔دارالعلوم علیمیہ ہائی سکول اور رضا اکیڈمی کا معائنہ کیا گیا۔اکابرین،حکومت،وزیراعظم اور تمام ارکان کابینہ،سپیکر،میئر پورٹ لوئیس سے ملاقاتیں ہوئیں۔پریس کانفرنسوں سے خطاب کیا گیا اور ظہرانوں،عصرانوں اور عشائیوں میں وفد کی تقاریر کے بعد مختلف لوگوں سے تبادلۂ خیالات ہوئے۔چونکہ ہر اجتماع میں مخصوص عنوانات پر تقاریر ہوتی رہیں۔خاص طور پر ان علاقوں میں تبلیغ اسلام کی تکنیک اور واضح طریق کار پر بیانات ہوئے۔قادیانیت،دہریّت،اشتراکیت،لادینیت،یہودیت اور عیسائیت وغیرہ مخالف اسلام تحریکات کا ردّ پیش کیا گیا۔اس لیے آئندہ صفحات میں ہم اسلامی سیمینار،فورم،استقبالیہ،پریس کانفرنس اور ریڈیو ٹیلی وژن کے ذریعے مخصوص پیغامات کا تفصیلی تذکرہ کریں گے۔

﴿ملاقاتیں﴾

وزیراعظم ، سپیکر ، پارلیمنٹ ، وزراء ، ارکان پارلیمنٹ ، فرسٹ سیکرٹری پاکستانی سفارتخانہ، ہائی کمشنر انڈیا، میئر پورٹ لوئیس کارپوریشن، ارکان رابطہ اسلامیہ، اسلامک سنٹر وغیرہ سے دورانِ ملاقات اسلامک ورلڈ مشن کے پروگرام، نظریہء پاکستان اور منکرین ختم نبوت کی تخریبی وسازشی سرگرمیوں سے متعلق مسائل زیر بحث آئے۔

وزیراعظم ماریشس سے ملاقات کے دوران وفد نے اپنے مقاصد سفر کا تذکرہ کیا۔اور ساری دنیا کو جو مسائل مثلاً غریب اور مفلوک الحال عوام کا معیار پست بلند کرنا۔نسل، وطن ، رنگ ، زبان اور علاقائیت کے ابلیسی تعصبات کو ختم کرنا اور جارحانہ قومیت (Aggressive Nationalism) کے خطرات سے نوع انسانی کو نجات دلانا۔(جس سے ماریشس بھی باوجود پرامن فضا کے دوچار ہے) اور ایک مستقل آفاقی حل پیش کرنا اور اس کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات کی نشاندہی کرنا وغیرہ شامل تھے۔اس بات پر تمام مفکرین عالم خاص طور پر عہد حاضر کے فلاسفر اور مورخ پروفیسر ٹائن بی متفق ہیں کہ حضور پرنور شافع یوم النشور جناب محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مکمل رہبری سے انسانیت کش مسائل سے نجات مل سکتی ہے۔

عیسائیت، یہودیت اور اشتراکیت اگرچہ جدید مذاہب کا درجہ رکھتے ہیں، تاہم ایک جامع ضابطہ حیات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔آج کل اخوت، حریت اور مساوات کے نام سے جو کچھ لٹریچر سامنے آرہا ہے وہ تمام تر اسلام کی خوشہ چینی پر منحصر ہے۔

جہاں تک بدھ مت اور ہندومت کا تعلق ہے یہ دونوں زمانہ قبل از تاریخ کی پیداوار ہیں۔ان کا تمام لٹریچر Mithology یا اساطیر الاوّلین پر مشتمل ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۷ء کے عمومی انتخابات میں انڈیا ایکٹ کے تحت جب بنگال، پنجاب، اور سندھ کو چھوڑ کر تمام صوبہ جات ہند میں کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں، تو اس موقع پر مسٹر گاندھی نے تمام وزراء اعلیٰ اور ان کی کابینہ میں شامل وزیروں کو اپنے ہاں طلب کیا اور واشگاف الفاظ میں انہیں تلقین کی کہ اگر وہ نظام حکومت کو خلق خدا کا خادم بنانا چاہتے ہیں تو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے عہد

خلافت کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔اصل الفاظ یہ تھے:

I will not put before you the lives of Rama and Krishna as they belong to Mithology i.e.Prehistoric period and we got no athentic record of their systems of Government. I will put before you the lives of Great Abu Bakar and Umar as the historical record of their Rules is available for us. You should follow them.Although they were very powerful Rulers, yet they lived a very simple life and kept themselves at the status of an ordinary citizen in their kingdom. You should make them your ideal in life.

وزیراعظم مسٹر ساگر رام غلام نے جو اپنے آپ کو گاندھی بھگت کہتے ہیں، میرے فقرات کی تصدیق کی۔ہم نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ہمارا دین محبت اور سلامتی کا دین ہے۔ہم ''الخلق عیال اللّٰہ'' کے مصداق ہر انسان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ماریشس کے باشندوں۔کے درمیان باہمی محبت واعتماد کی فضا نہ صرف قائم رہے بلکہ پروان چڑھ کر درجہءکمال تک پہنچ جائے۔

ہم نے جب یہ بتایا کہ ہمارے ملک میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے اور ہم اس فیصلہ سے ساری دنیا کو آگاہ کرنے کے لیے نکلے ہیں تا کہ قادیانی آئندہ نہ تو اسلام کے مبلّغ ہونے کا دعوی کر سکیں اور نہ ہی سرکار دربار میں اہل اسلام کے نمائندہ وترجمان کا پارٹ ادا کر سکیں۔زیادہ سے زیادہ وہ اپنے ہم مسلک افراد کی ترجمانی کا دعوی کر سکتے ہیں اور صرف انہی کے حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

اس پر وزیراعظم نے فرمایا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ قادیانیوں کے متعلق نرم رویہ اختیار کریں اور انہیں ہر وقت اپنی تنقید کا نشانہ نہ بنائیں۔رازدارانہ انداز میں انہوں نے یہ بھی اشارہ کیا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہم ہر معاملہ میں اپنی مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکتے۔ہمارے اوپر بھی کسی کا کنٹرول موجود ہے۔کامن ویلتھ کا رکن ہونے کی حیثیت

سے غالباً ان کا اشارہ ملکۂ انگلستان کی طرف تھا۔ ہم نے نام لیے بغیر صرف اس قدر کہا کہ یہ مسئلہ صرف نجات اخروی سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہماری حیات دنیاوی بھی اسی عقیدہ ءخاتمیت سے عبارت ہے۔ اگر اس عقیدے میں ذرا سا تسامح یا مداہنت آجائے تو امتِ محمدیہ اپنے وجود اور تسمیہ دونوں سے عاری ہو جاتی ہے۔ حلال وحرام کا کوئی معیار باقی نہیں رہتا اور نہ ہی خیروشر کی اقدار کوئی مخصوص پیکرِ اختیار کر سکتی ہیں، اس لیے ہم آپ کی اس خواہش کی تکمیل سے معذور ہیں۔ آپ نے جس محبت اور اعتماد کی فضا میں بات کی ہے، اس سے بڑھ کر محبت اور اعتماد کے ماحول میں ہم ایک مثال دے کر اپنا نقطہ ءنگاہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کل کوئی شخص آپ کے دفتر میں آدھ گھنٹہ پہلے داخل ہو جائے اور وزیر اعظم کی کرسی پر زبردستی براجمان ہو جائے، آپ کے سٹاف کو تبدیل کر دے، آپ کے احکامات منسوخ کر دے اور جب آپ اپنے دفتر میں داخل ہونا چاہیں تو آپ کو روک دے۔ ایسی صورت حال میں خدارا بتایئے کہ آپ کیا رویہ اختیار کریں گے؟

انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسے شخص کو فی الفور گرفتار کر لوں گا۔ اسے جیل میں ڈال دونگا یا ملک سے نکال دوں گا۔ جب وہ یہ کہہ چکے، تو ہم نے جواب دیا:

Similar the tragedy with us Mirza Ghulam Qadiani deimposter,tried to occupy the chair of the last Prophet (peace be upon him) dismissed his staff (called his followers as Sahaba, his wives Umahatul Momenin, his sons as Sadat, his successor as khulfa, his family Ahlebait and his selected member of family as Panjtan Pak etc.)and cancelled his injunctions and make jehad unlawful. We have neither sent them behind the bar no expell them from the country but simply declared them non muslim citizen of Pakistan and did not debar them from fundamental rights.

یعنی ہم نے نہ تو مرزا غلام قادیانی جیسے غاصبِ منصب نبوّت کے پیروکاروں کو آپ کے طرزِ عمل کے مطابق جیل میں ڈالا ہے اور نہ ہی ملک سے باہر نکالا ہے اور نہ ہی بنیادی حقوق سے محروم کیا ہے۔ یہ بات سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ اب مجھے تمہارا مؤقف سمجھ میں آ گیا ہے۔ اب صرف اس قدر درخواست ہے کہ آپ جو کچھ کہیں شائستہ استدلالی زبان میں کہیں اور یہاں کے شہریوں کے درمیان تلخی پیدا کرنے سے اجتناب کریں۔ ہم نے جواب دیا کہ ہمارا سابقہ طرزِ عمل شاہد ہے کہ ہم نے یک مثالی مبلّغ کا کردار ادا کیا ہے اور کسی جگہ بھی کسی شخص کی دلآزاری نہیں ہونے دی۔

اس گفتگو سے وزیراعظم بڑے متاثر ہوئے اور فرمایا کہ میں اس وفد کو پاکستان کی جانب سے خیر سگالی کا وفد سمجھتا ہوں اور آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ قائد وفد علامہ شاہ احمد نورانی کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (رحمتہ اللہ علیہ) کا بے حد مدّاح ہوں، میں نے ان کی کئی پرتاثیر تقاریر سنیں ہیں۔ ہمارے میزبان مسٹر اسحاق یونس کو کہا کہ وفد کے لیے ٹرانسپورٹ کی ضرورت ہو یا کوئی اور ضرورت درپیش ہو تو آپ فوراً مجھے رنگ کریں۔ ہم وفد کی ہر ممکن سہولت کا خیال رکھیں گے۔

دوسرے دن سپیکر سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ نہایت ہی خندہ پیشانی سے ملے اور ہمیں ایوان اسمبلی کی سیر کروائی، چونکہ وہاں کا نظام حکومت پارلیمانی جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہے اس لیے کم و بیش تمام تر لوازمات اسمبلی ہمارے مماثل ہیں۔ انہوں نے وزیراعظم کی طرح اپنے وزیٹر رجسٹر میں ہمارے نام درج کرائے اور دستخط لیے۔ مسٹر عبدالرؤف بندھن ایم پی، نائب وزیر اور مسٹر محمد یوسف عبدالرزاق ایم۔ پی بھی ان ملاقاتوں میں موجود تھے۔

سفیر پاکستان ماریشش سے باہر گئے ہوئے تھے اس لیے فرسٹ سیکرٹری ان کی جگہ دفتر میں کام کرتے تھے، اپنے سفارتخانے سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے ہم نے وہاں جانے کا خصوصی پروگرام بنایا۔ فرسٹ سیکرٹری نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ انہوں نے پاکستان سے آمدہ لٹریچر ہمیں دیا اور بتایا کہ آپ کے دورے کا بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ کئی لوگوں نے براہ راست ٹیلیفون پر مجھے مبارک باد پیش کی ہے کہ پاکستان سے اتنا باوقار اور مؤثر وفد پہلی بار یہاں

دورے پر آیا ہے۔

ہم نے مقامی صورت حالات کے پیش نظر انہیں مشورہ دیا کہ وہ ماریشش کے مسلمانوں سے گھل مل کر رہیں اور کم از کم ہفتے میں ایک بار مرکزی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے موقع پر اہل اسلام سے ملاقات کیا کریں۔ نیز اسلامک لٹریچر پر ایک اچھی سی لائبریری اور مختلف مقامات پر ریڈنگ روم قائم کریں۔ اس کے ساتھ ہی حکومت پاکستان کو لکھیں کہ وہ کلچرل اینڈ ریلیجیس اتاشی مقرر کرے تا کہ وہ جزیرہ کے مسلمانوں کی دینی و تمدنی زندگی کی نہ صرف نگرانی کر سکے بلکہ رہنمائی بھی کر سکے۔

سیکرٹری صاحب وفد کی کامیابی سے اس قدر مطمئن اور مسرور تھے کہ ایک روز انہوں نے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ جس میں وزیر اعظم، ان کی کابینہ، سپیکر، مسلمان ممبران پارلیمنٹ اور اکابر اہل اسلام میں سے سربرآوردہ اشخاص کو دعوت پر بلایا۔ اس دعوت میں بھی وزیر اعظم نے پاکستان اور ورلڈ اسلامک مشن کے حق میں بڑے اچھے کلمات کہے۔

مورخہ ۹۔ فروری ۱۹۷۵ء وفد کو جامع مسجد ہال میں پرتکلف عصرانہ دیا گیا۔ اس موقعہ پر بھارتی ہائی کمشنر سے ملاقات ہوئی۔ میرے پاکستانی لباس، طرّہ اور شلوار کو دیکھ کر کہنے لگا، زمانہ طالبعلمی میں میرا بھی یہی لباس تھا۔ یہ لکی مروت ضلع بنوں کے رہنے والے تھے۔ جو ہمارے شہر عیسے خیل ضلع میانوالی سے ۲۰، ۲۲ میل کے فاصلے پر ہے۔ شستہ پنجابی بولتا تھا بلکہ ہمارے علاقے میانوالی اور ڈیرہ اسماعیل کی خاص پنجابی ہندکو میں بات کرتا تھا۔ وہ بھی وفد کی تقاریر سے اپنے شوق اور دلچسپی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ہم سے رنگ، زبان، نسل، علاقائیت اور جارحانہ قومیت کے مقابلے میں اسلام کے عالمگیر نظام اور مساوات محمدی کے دلائل سن کر اس نے تسلیم کیا کہ واقعی دنیا کے اندر اسی نظام کے ذریعے دیرپا امن قائم ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں روزانہ مرکزی جامع مسجد کے کمیٹی روم میں ۱۰ بجے سے لے کر ساڑھے بارہ بجے تک ملاقات عام کا پروگرام مقرر تھا۔ اس موقعہ پر علماء، صحافی، طلباء، وکیل، تجار، دوکاندار اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے اہل اسلام ملاقات کے لیے جمع ہوتے تھے۔ ہر شخص اپنے مسائل و مشکلات پیش کرتا تھا۔ ہم لوگ باری باری ان کے ساتھ سلسلہ کلام جاری

رکھتے تھے۔ چونکہ جزیرہ ماریشش علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھیؒ کی تبلیغی جدو جہد کا مرکز رہا ہے، اس لیے اکثر لوگ ان کے مرید ہیں۔ان کی وفات کے بعد مولانا شاہ احمد نورانی قائد وفد کا بھی ان لوگوں سے رابطہ ہے۔کئی حاجتمند اپنے پیرزادے سے دعا کے طالب ہوتے تھے اور تعویذ بھی حاصل کرتے تھے۔نورانی صاحب تعویز کے معاملے میں ٹال جاتے تھے۔ ہم نے انہیں مجبور کیا کہ اللہ کا نام ہر مرض کے لیے شفا ہے۔حاجتمندوں کو پڑھنے کے لیے بھی آیات الٰہی کا وظیفہ بتائیں اور لکھ کر بھی دیں۔اس کے باوجود ان سے تعویذ حاصل کرنا ایک مشکل امر تھا۔قیام گاہ پر عیسائی اور لا مذہب حاجتمند عورتیں اور مرد دعا کے لیے حاضر ہوتے تھے ۔ایک خاص چیز اس جزیرے میں یہ دیکھنے میں آئی کہ یہاں کے غیر مسلم بھی علماء اسلام کے تقدس اور روحانی اثر کے قائل ہیں۔

ٹیلیویژن اور ریڈیو سے تقاریر:

ٹیلیویژن پر وفد کے چاروں ارکان کا انٹرویو لیا گیا۔مسٹر احمد عبداللہ پروپرائٹر عبداللہ سنز کمپنی نے تمام ارکان کا ٹیلی ویژن پر تعارف کرایا اور پھر ہر ایک سے اسلامی نظام حیات کے مختلف پہلوؤں پر سوالات کئے گئے۔پروفیسر شاہ فرید الحق نے ''اسلام کے عالمگیر پیغام'' کے پہلو پر گفتگو کی۔علامہ ارشد القادری نے ''حضورؐ کی رحمت للعالمینی'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ علاّمہ شاہ احمد نورانی نے ماریشش میں تبلیغ اسلام کی تاریخ بیان کی اور جزیرہ کے تمام باشندوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کو سراہا اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر چل کر دین و دنیا کی تمام راحتیں حاصل کرنے کی تلقین کی۔

میرا موضوع ''اسلام کا پیغام اخوت و مساوات اور کمیونزم'' تھا۔میں نے اشتراکیت اور اشتمالیت کی قباحتیں بیان کرنے کے بعد اسلام کے مکمل ضابطہء حیات کے چند گوشے بے نقاب کر کے اشتراکیت اور سرمایہ پرستی کے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ کو ان الفاظ میں پیش کیا:

ا۔ اشتراکیت و سرمایہ پرستی دونوں اس لحاظ سے اسلام کی نگاہ میں مردود ہیں کہ وہ انسان کی اقتصادی ضروریات کو دیگر انسانی ضروریات سے اعلیٰ درجہ دیتی ہیں۔اسلام کی رو سے

انسان کی مادی ضروریات اس کے اخلاقی معتقدات کے ماتحت ہوتی ہیں۔

۲۔ سرمایہ پرستی اور اشتراکیت پرستی دونوں انتہا پسندی اور مبالغہ آمیزی کا شکار ہیں۔ ایک انسان کی معاشی سرگرمیوں پر کسی پابندی کی روادار نہیں اور دوسری سرے سے انسان کی ہر معاشی سرگرمی کو پابند کر دینا چاہتی ہے۔ اسلام فرد ہو یا اقتصادی طبقہ یا خود حکومت سب کی ناجائز سرگرمیوں پر پابندی لگا کر خاندان، معاشرہ اور اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔

۳۔ جہاں تک اشتراکیت، معاشی انصاف اور کسب حلال کے یکساں مواقع مہیا کرنے کی داعی ہے، اسلام اس کا مخالف نہیں۔

۴۔ جہاں تک سرمایہ داری حقوق وراثت کو تسلیم کر کے صلۂ رحمی کے حقوق کا تحفظ کرتی اور انفرادی اختراع و کفایت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، اسلام اس کا بھی مخالف نہیں۔ بشرطیکہ دوسروں کے حقوق پر تجاوز نہ کیا جائے۔

۵۔ اسلام، اقتصادی طبقات کے وجود کا مخالف نہیں، بشرطیکہ امیر اور غریب کی تمیز طبعی ذہانت، ہنرمندی، محنت، تعلیم اور موقع کی مساوات پر مبنی ہو۔ اس کے ساتھ اسلام صاحب استطاعت افراد کو مساکین و فقراء کے نان و نفقہ اور پرورش کا ذمہ دار گردانتا ہے۔

اس کے بعد میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بھی ریڈیو اور ٹیلی وژن نے ہمیں خطاب کرنے کے لیے خصوصی دعوت دی۔ چنانچہ ہم نے دونوں اداروں سے عوام سے خطاب کیا۔

ماریشس میں مسلمانوں کی اکثریت ضلع اعظم گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع سے آ کر آباد ہوئی ہے۔ یہ لوگ بالعموم دیہات میں رہتے ہیں۔ بعض کاروبار بھی کرتے ہیں۔ یہاں کی سرکاری زبان انگریزی ہے تاہم فرانسیسی اثرات اس قدر نمایاں ہیں کہ کئی اخبارات فرانسیسی میں شائع ہوتے ہیں۔ یہاں انگریزی اور فرانسیسی کی آمیزش سے ایک عجیب زبان پیدا ہوئی ہے جو عام طور پر استعمال میں آتی ہے۔ دیہات میں تاسو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ پورب کی زبان ہے۔ علامہ ارشد القادری اس زبان سے بخوبی واقف ہیں اور عام دیہاتی جلسوں میں ان سے اسی زبان میں تقاریر کا مطالبہ ہوتا تھا۔ حسن اتفاق محکمہ براڈ کاسٹنگ کا اسسٹنٹ منیجر جو اس علاقے کا ہندو تھا، اس نے بڑے اہتمام کے ساتھ مولانا کی تاسو زبان میں تقاریر کروائیں۔

وحدت زبان بھی عجیب شے ہے میں نے دیکھا جب مولانا تاسو میں ریڈیو اور ٹی وی پر تقریر کر رہے تھے وہ ہندو خوشی سے باغ باغ ہوا جا رہا تھا۔

ہم نے ایک جلسۂ عام میں ٹی وی اور ریڈیو کے منتظمین کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ہمارے وفد کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور بلا روک ٹوک ہمیں دل کی بات کہنے کا موقع فراہم کیا۔اس ضمن میں ایک خاص بات قابل توجہ ہے کہ مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ اور تقریر سرکاری اہتمام سے براڈ کاسٹ کی جاتی ہے۔

پریس کانفرنس

ماریشس میں ہمارے دورہ کے تیسرے دن ایک نہایت ہی بارونق کامیاب پریس کانفرنس منعقد ہوئی۔مسٹر محمد ہارون الرشید سابق ممبر پارلیمنٹ اور ممتاز صحافی نے اس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ پریس نے ہم سے ورلڈ اسلامک مشن کے اغراض و مقاصد، ہمارے دورۂ ایسٹ افریقہ کی بابت سوالات کیے اور جزیرہ ماریشس میں ہمارے پروگرام کے متعلق استفسار کیا۔ہم نے بتایا کہ ہماری دعوت کا مرکزی نقطہ ''خاتمیت احکام رسالت'' ہے۔ہم زندگی اور آخرت کے تمام مسائل کا حل نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت طیبہ میں تلاش کرتے ہیں،ہم قادیانیت کی طرح سوشلزم، کمیونزم، سیکولرزم وغیرہ نظریات کو بھی ختم نبوّت کا حریف سمجھتے ہیں اور ہم یقین کامل رکھتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی قیادت عظمیٰ کو تسلیم کر لیا جاوے تو قادیانیت کی طرح یہ تمام فتنے اپنے کفریلے زہر کے باوجود شکست کھا جائیں گے۔لینن ازم، ماؤازم، نیشنلزم اور ریجنلزم کے علمبردار، خلق خدا کو نبی خاتم ﷺ کی اطاعت سے منحرف کر کے اپنی غلامی کا کلاوہ پہنانا چاہتے ہیں۔اس لحاظ سے قادیانیت اور اشتراکیت دونوں کو ہم منکرین رسالت کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔

ان اچھوتے خیالات کو سن کر اخبار نویسوں نے زبردست استعجاب کا مظاہرہ کیا۔ہم نے جواب دیا کہ زندگی کا کوئی مسئلہ سامنے لاؤ ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے اس کا حل پیش کریں گے۔حتیٰ کہ بھوک، افلاس، بیکاری اور محرومی جیسے عالمی مسائل کا حل بھی مساوات محمدی سے

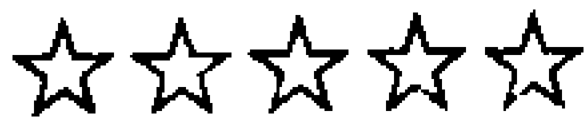
پیش کر سکتے ہیں۔ جب ہم نے ان کے سامنے ان کی مثالیں پیش کیں تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔

(باقی آئندہ)

(ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور بابت جون ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۹ تا ۳۷، اگست ۱۹۷۵ء صفحہ ۷۱ تا ۸۰۔)

نوٹ! حضرت مجاہد ملّت رحمتہ اللہ علیہ نے ''ضیائے حرم'' کو دوسری قسط قلمبند کرائی تھی کہ چند گھنٹے بعد ۱۲۔ جون ۱۹۷۵ء کو ''تحفظ امن عامہ کی دفعہ ۳ کے تحت گرفتار کر کے دو ماہ کے لیے ساہیوال جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد باقی ماندہ اقساط نہ آسکیں اور یوں قارئین اس علمی اور تاریخی خزانے سے محروم رہ گئے۔ اب جب اس کتاب کو اہل علم اور اہل نظر پڑھیں گے تو انہیں بھی یہ کمی بری طرح محسوس ہوگی۔ مگر کیا کیا جائے کہ اب اس کا کوئی حل ہی نہیں ہے۔

(قصوری)



''یہ پاکستانی مجاہدین کی چھاؤنی ہے، یہ غازیوں کی لشکر گاہ ہے، یہ شیروں کی کچھار ہے، یہ عقابوں کا نشیمن ہے، یہ بہادروں کی سرزمین ہے، یہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت گاہ ہے، یہ محمد بن قاسم کے مجاہدوں کا کیمپ ہے۔ آج اس ملک پر محمد شاہ رنگیلے کی اولاد قابض ہوگئی ہے، آج اقتدار کی کرسیوں پر اینگلو محمڈن نوابوں کے بیٹے بیٹھے ہیں، آج یزید کے جانشین لشکرِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گولیاں برسا رہے ہیں''۔ (مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کا ''تحریک تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے دوران مسجد وزیر خان لاہور میں ایمان افروز خطاب)

(مجالس، علماء علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور ۲۰۰۷ء ص ۳۲۹)



﴿قومیں اَوطَان سے بنتی ہیں!﴾

(یہ قادیانی افکار کا تصوّر ہے)

☆انٹرویو: مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ☆

ہفت روزہ ''افق'' کراچی کو انٹرویو دیتے ہوئے مجاہد ملت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد کیا کہ:

''جمعیت علماء ہند سے وابستہ علماء کی پہلے روز ہی لائن یہ تھی جو کہ حسین احمد مدنی نے بیان کی:۔

''قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔''

اس کا جواب علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے دیا کہ:

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بُو العجیست
سرود بر سر منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا 8 مارچ 1938ء کو اخبار میں تفصیلی بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے مفصل طور پر امت مسلمہ کی خصوصیت اور مسلمانوں کے انقلابی تصور حیات کو بیان کیا اور وہ لوگ جو قوم کو وطن کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے بڑی دلسوزی کے ساتھ لکھا کہ:

''یہ قادیانی افکار کا تصور ہے۔ جس طرح قادیانی حضور خاتم النبیین ﷺ کی موجودگی میں دین کو نامکمل اور نا تمام سمجھتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کو حضور ﷺ کی موجودگی میں حضور ﷺ کی ختم نبوّت کے باوجود سیاسیات میں کسی اور امام اور مقتدا کی ضرورت ہے۔''

(ہفت روزہ ''افق'' کراچی جلد ۲ شمارہ ۶، ۷۔ بابت ۸ تا ۱۸ فروری ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۲، ۱۳)

///☆☆☆///

تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت

روایت: مولانا عبدالستار خاں نیازی۔۔۔۔تحریر اشرف تنویر

(ماہنامہ ''آتش فشاں'' لاہور نے اپنی اشاعت ماہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں ضیغم اسلام حضرت مجاہد ملّت رحمتہ اللہ علیہ کا ایک طویل انٹرویو شائع کیا تھا، جس کی مقبولیت کے پیش نظر ادارہ ''آتش فشاں'' نے اسے جنوری 1991 میں ''میں مولانا عبدالستار خاں نیازی'' کے زیرعنوان کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۸ تا ۴۱ اور ۵۳ تا ۵۵ سے ''تحریک ختم نبوت'' کی تفصیل ''ادارہ'' کے شکریہ کے ساتھ نقل کی جاتی ہے۔ (قصوری)

''پہلی ختم نبوّت کی تحریک کا سبب چوہدری سر ظفر اللہ خاں کی ایک تقریر بنی جو انہوں نے دسمبر ۱۹۵۲ء میں کراچی میں کی تھی۔ اس سے سارا جھگڑا پیدا ہوا۔ اس تقریر کے دوران کسی شخص نے ظفر اللہ خاں سے پوچھا کہ آپ نے قائد اعظمؒ کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا۔ اس پر چوہدری ظفر اللہ خاں نے جواب دیا:

''یوں سمجھ لیجئے کہ ایک کافر نے مسلمان کا جنازہ نہیں پڑھا، یا ایک مسلمان نے کافر کا جنازہ نہیں پڑھا۔''

اس سے مسلمان مشتعل ہو گئے۔ پنجاب میں اس پر بہت شور شرابا ہوا۔ اس وقت چوہدری ظفر اللہ خاں بدستور پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ اس بیان پر غور کرنے کے لیئے ۱۹۵۳ء کے اوائل میں برکت علی اسلامیہ ہال بیرون موچی دروازہ لاہور میں ایک کنونشن ہوا، جس میں علماء اور مشائخ ختم نبوت کے سلسلے میں جمع ہوئے۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں اسی قسم کا ایک کنونشن کراچی میں ہوا۔ جس میں پنجاب سے تیرہ افراد نے شرکت کی۔ ''مجلس تحفظ ختم نبوّت'' کراچی میں قائم کی گئی۔ اس سلسلے میں ایک آل پاکستان لیول کا کنونشن ہوا تھا۔ اس کنونشن میں شرکت کے لیئے مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا۔ کنونشن بلانے والوں کا خیال تھا کہ یہ گرم آدمی ہے دھم پٹاس کر کے رکھ دے گا۔ وہ چاہتے تھے کہ نرم روی سے چلیں۔ حالانکہ اس کنونشن میں

شرکت کے لیئے پنجاب سے میرا نام بھی گیا تھا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جس دنوں ''ختم نبوّت کنونشن'' منعقد ہوا تو میں کسی کام کے سلسلے میں پہلے ہی کراچی میں موجود تھا۔ ہم نے وہاں ''اخوان المسلمون'' کی طرز پر اجتماع کیا تھا، جس میں پنجاب اندرون سندھ اور سرحد کے کارکنوں نے شرکت کی تھی ۔ میں کراچی سے واپس آ گیا۔ اس کنونشن میں کچھ مطالبات مرتب کیئے گئے:۔

۱۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے نکالا جائے۔

۳۔ قادیانیوں کے سلسلے میں آئین میں ترمیم کی جائے۔

مطالبات کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مولانا ابراہیم علی چشتی ان دنوں ''ادارۂ اسلامیات'' کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر گورنمنٹ کی مرضی کے بغیر علماء کو ''تحریک ختم نبوّت'' کے لیئے فضا سازگار کرنے کی غرض سے ملک کے مختلف علاقوں کے دورہ پر روانہ کیا۔ چونکہ ابراہیم علی چشتی خود ''تحریک ختم نبوّت'' کے شدید مبلغ، حامی اور مویّد تھے، اس لیئے انہوں نے اپنی ذاتی حیثیت میں اس تحریک کو کامیاب کرنے کی غرض سے علماء کو سفر کے اخراجات دیئے اور دیگر ہر طرح سے تعاون کیا۔ میں اپنے خرچ پر علیحدہ دورے کرتا رہا، ''تحریک خلافت پاکستان'' کی طرف سے۔

قصہ کوتاہ ، ۲۵۔ فروری ۱۹۵۳ء کو فیصلہ کیا گیا کہ لاہور سے جتھے جائیں اور دارالحکومت کراچی جا کر گرفتاریاں دیں۔ لوگ کراچی جانے کے لیئے ٹرین پر سوار ہوتے تھے لیکن پولیس انہیں راستے میں ہی اتار دیتی تھی ۔ بہت کم لوگ کراچی پہنچ رہے تھے۔ نتیجتاً تحریک فیل ہو رہی تھی۔ لوگوں نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کی ۔ مجھے یاد ہے وہ جمعہ ۲۷۔ فروری کا دن تھا۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم لوگوں کو کراچی جا کر گرفتاریاں دینی چاہئیں؟ میں نے کہا، میں نہ اس کی مخالفت کرتا ہوں نہ حمایت ۔ پنجاب گورنمنٹ مرکزی حکومت کے ماتحت ہے، اگر کرنا ہے تو یہاں کی گورنمنٹ کا نظام معطل کر دو۔ اس سے مرکزی حکومت پر خود بخود دباؤ پڑے گا۔ میں نے کہا میری سکیم تو یہ ہے کہ پنجاب اسمبلی ہاؤس کا گھیراؤ کر

لواور ارکان اسمبلی کو مجبور کردو کہ قادیانیوں سے متعلق بل پاس کرایا جائے۔ دولتانہ (میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ وزیراعلیٰ پنجاب) سے جواب طلبی کرو۔ اس موقع پر میں نے یہ شعر پڑھا تھا۔

پاس خیبر بھی ہے اور علیؓ مسجد بھی
دور کیوں جاتے ہو مرحب سے یہیں بات کرو

اسی رات موچی دروازہ لاہور میں مَیں نے تقریر کی۔ اس میں مَیں نے اسی بات پر زور دیا۔ ۲۸۔ فروری ۱۹۵۳ء تک ''تحریک ختم نبوت'' کے تقریباً تمام لیڈروں کو گرفتار کیا جاچکا تھا اور تحریک بغیر امام کے رہ گئی تھی۔ اس موقع پر میں نے مولانا مودودی صاحب کو فون کیا کہ تمام لیڈر گرفتار ہو چکے ہیں، بس میں اور آپ باقی رہ گئے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ تو مولانا مودودیؒ نے کہا کہ ہاں اور لوگوں نے بھی اسی طرح کی بات کی ہے۔ آپ صبح نو بجے میرے پاس آجائیں۔ اسی شام مجھے مولانا غلام غوث ہزاروی کا فون آیا کہ میں آپ کے پاس آرہا ہوں۔ میں نے کہا، آجایئے۔ میں ان دنوں ممبر پنجاب اسمبلی کی حیثیت سے پیپلز ہاؤس کے ''بی بلاک'' کمرہ نمبر ۴ میں مقیم تھا۔ ہم نے ایک دوست کی کار لی اور دونوں مولانا مودودی صاحب کے پاس چلے گئے۔ وہاں مولانا ارشد پناہوی، مولانا خلیل احمد قادری (مولانا ابوالحسنات کے فرزند) اور کچھ دوسرے لوگ موجود تھے۔ وہاں ہم نے کہا کہ سب لوگ تو گرفتار ہو چکے ہیں، اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لیئے اب کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ تو مولانا مودودی نے کہا کہ ان حالات میں کچھ لوگوں کو انڈر گراؤنڈ چلے جانا چاہیے اور باقیوں کو اوپر رہ کر کام کرنا چاہیے۔ میں نے کہا، مولانا! آدمی تو بس یہیں ہیں جو یہاں بیٹھے ہیں۔ ان میں سے انڈر گراؤنڈ کتنے جائیں اور اوپر کتنے رہیں؟ ہاں، اگر زیادہ آدمی ہوتے تو پھر اور بات تھی۔ اس پر انہوں نے کہا، ''میں تو جب تحریک فیل ہونے لگے گی تب اسے سنبھالوں گا۔'' میں نے کہا، ''پھر آپ اسے سنبھال نہیں سکیں گے۔ سنبھالنا ہے تو اسے اب سنبھالیئے جب یہ بغیر لیڈر کے اور بغیر قیادت کے ہے۔''

خیر ہم مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے۔

واپس آکر میں نے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ ان دوستوں میں مولانا ابراہیم علی چشتی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ صدق دل سے چاہتے تھے کہ یہ مسئلہ حل ہو

۔ پھر حکیم محمد انور بابری تھے۔ ان سے بھی مشورہ طلب کیا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک اسی افراتفری میں ختم ہو جائے گی جس سے بڑی بدنامی ہوگی۔ چنانچہ میں نے اس تحریک کو قدرے سیاسی رنگ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ خالصتاً مذہبی تحریک کو دبانا انتظامیہ کے لیئے نسبتاً آسان تھا۔ چنانچہ ۲۸۔ فروری ۱۹۵۳ء کو میں نے ایک بیان جاری کیا کہ

"ختمیت امام رسالت، نظریۂ پاکستان کی اساس ہے۔ اگر اسے ختم کر دیا گیا تو پھر پاکستان کا تصور بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کا انکار غداری ہے۔"

پھر ہم نے "تحریک ختم نبوت" کے رضا کاروں کے لیئے ہدایات مرتب کیں کہ آپ لوگوں نے پرامن اور منظم رہنا ہے، گڑبڑ نہیں کرنی، املاک کو نقصان نہیں پہنچانا۔ نعرے مثبت ہونے چاہئیں۔ مثلاً ظفر اللہ خاں کو ہٹایا جائے، قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے، آئین میں ترمیم کی جائے، قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے۔

"تحریک ختم نبوت" کے سلسلے میں کراچی میں ایک مجلس عمل تشکیل دی گئی تھی جس نے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی اور اپنے مطالبات کو دہرایا۔ مگر خواجہ ناظم الدین نے یہ مطالبات ماننے سے انکار کر دیا۔ مذاکرات ناکام ہو گئے۔ اس پر راست اقدام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس موقع پر مولانا مودودی کراچی میں موجود تھے۔ فیصلہ جو ہوا، متفقہ ہوا۔ مگر مولانا مودودی نے بعد میں اس بات سے انکار کیا کہ انہوں نے راست اقدام کے فیصلہ کی تائید کی تھی۔ لیکن سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے تمام لوگوں کا کہنا ہے کہ مولانا مودودی نے اس فیصلہ کی تائید کی تھی۔ میں تو اس مجلس عمل میں شامل نہ تھا کیونکہ مجھے اس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ البتہ پنجاب سے تیرہ لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔

پنجاب سے جو لوگ کراچی گئے تھے ان میں مولانا ابوالحسنات محمد احمد صاحب جامع مسجد وزیر خاں، جمیعت علمائے پاکستان کے صدر وغیرہ۔ مجھے ایک تو دولتانہ کی ناراضگی کے ڈر سے نہیں بلایا گیا، دوسرے انہیں اندیشہ تھا کہ نیازی گرم آدمی ہے، ٹکرا دے گا حکومت کے ساتھ۔ یہ میرا اندازہ ہے کہ مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا۔ ممکن ہے ان لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی اور وجہ ہو۔۔۲۰۔ جنوری ۱۹۵۳ء کو جب کراچی میں "ختم نبوت کانفرنس" ہو رہی تھی تو میں وہاں

''آل پاکستان پولیٹیکل ورکرز کنونشن'' کے سلسلے میں موجود تھا۔ وہاں مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری سے میری ملاقات بھی ہوئی۔ مگر انہوں نے یہ بات مجھ سے اخفاء میں رکھی۔ بہر حال مجھے اس کا ان سے گلہ نہیں ہے۔

راست اقدام کا فیصلہ کیئے جانے کے بعد حکومت نے ختم نبوت کی مجلس عمل کے تمام ارکان کو کراچی میں ہی گرفتار کر لیا۔ ان مذہبی رہنماؤں کی گرفتاری کے رد عمل کے طور پر لوگوں نے لاہور سے جتھوں کی صورت میں کراچی جا کر گرفتاریاں دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۲۷۔فروری ۱۹۵۳ء کو میں داتا گنج بخشؒ کی مسجد میں تقریر کر رہا تھا کہ حاضرین میں سے کسی ایک کا رقعہ آیا کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ ختم نبوت کے تمام رضا کار نماز جمعہ کے بعد دہلی دروازہ کے باہر پہنچ جائیں۔ میں نے رقعہ پڑھ کر سنا دیا اور ساتھ ہی میں نے کہا کہ ختم نبوت کے تو ہم سب رضا کار ہیں۔ اس سلسلے میں میرا موقف یہ ہے کہ کراچی جا کر گرفتاریاں دینے کی بجائے اس مقصد کے لیئے ہم اپنے اپنے علاقوں میں جدو جہد کریں، تب کوئی نتیجہ نکلے گا۔ پھر اسی رات میں نے موچی دروازے میں جلسے سے خطاب کیا اور اس میں لوگوں کو اسمبلی ہال کا گھیراؤ کرنے کا مشورہ دیا تا کہ ارکان اسمبلی کو اس سلسلے میں ریزولیشن پاس کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔

مسجد وزیر خاں کو ہم نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ۲۸۔فروری، یکم اور ۲۔ مارچ ۱۹۵۳ء کو میں مسجد وزیر خاں میں آتا جاتا رہا۔ اس سے قبل میں نے کراچی میں ''تحریک ختم نبوت'' کے کارکنوں اور دوسری صف کے رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا۔ اس تحریک میں خاص بات یہ تھی کہ پر امن طور پر حکومت کا کام معطل کر کے رکھ دیا جائے۔ حکومت کے خلاف پر امن جلوس نکالے جائیں۔ اس تجویز کی مرکزی قیادت نے جیل سے خصوصی پیغام بھیج کر تائید کی۔

ہم نے اجتماعات کے لیئے دو مراکز بنا رکھے تھے۔ ایک دہلی دروازہ جہاں دن کو جلسہ ہوتا تھا، دوسرے مسجد وزیر خاں جہاں نماز ظہر کے بعد جلسہ ہوتا تھا۔ لوگ پنجاب اور سرحد سے قافلہ در قافلہ مسجد وزیر خاں میں آ رہے تھے۔ میں نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مسجد وزیر خاں میں ایک ''مجلس عمل'' قائم کر دی تا کہ تحریک کو مؤثر بنایا جا سکے۔ کراچی میں ایک سویلین سرکاری افسر سے ہمارا رابطہ تھا۔ جو تحریک سے متعلق ہمیں حکومت کے عزائم اور

پالیسیوں سے قبل از وقت خبردار کر دیتا تھا۔ وہ صاحب محکمہ خوراک میں ایک اعلیٰ افسر تھے۔ انہی نے ہمیں پیغام بھیجا کہ نیازی سے کہو کہ یہاں کراچی میں پانچ آدمیوں کی گرفتاریاں پیش کرنے کی بجائے لاہور میں، پنجاب میں تحریک چلائیں۔

مسجد وزیر خاں کا گیٹ لوہے کا تھا۔ رات کو ہمارے کچھ کارکن اس میں برقی رو چھوڑ دیتے تھے تاکہ کوئی اندر داخل نہ ہو سکے۔ پہرے کے لیئے باری باری لوگوں کی ڈیوٹیاں لگتی تھیں۔ میں مسجد کے اندر بھیس بدل لیتا تھا۔ مسجد کے مینار کے اندر اوپر جا کر ایک بڑی عجیب مگر کشادہ جگہ بنی ہوئی تھی، وہاں میرا ڈیرہ تھا۔ پھر ہم نے کوڈ ورڈز بھی بنا رکھے تھے تاکہ رات کو آنے والوں کی شناخت کی جا سکے اور صرف تحریک کے لوگ ہی مسجد میں داخل ہو سکیں۔ مولانا ابراہیم علی چشتی میرے پاس پیغام بھیجا کرتے تھے۔ پھر مولانا غلام غوث ہزاروی سے بھی میرا رابطہ ہو گیا، وہ بھی لاہور میں موجود تھے مگر انڈر گراؤنڈ چلے گئے تھے۔

۴۔ مارچ ۱۹۵۳ء کی صبح مَیں نے ایک ایک سو رضا کاروں کے تین جتھے روانہ کیئے۔ ایک سول سیکرٹریٹ کی جانب، دوسرا ضلع کچہری کی طرف اور تیسرا گورنمنٹ ہاؤس کی طرف۔ جتھے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پچہتر آدمی اس کے اندر ہوتے تھے اور اُن کے گرد پچیس آدمیوں کا گھیراؤ ہوتا تھا، تاکہ کوئی غیر آدمی اندر آ کر تخریبی کاروائی نہ کر سکے۔ میں نے ان جتھوں کے لیئے مثبت نعرے تیار کیئے۔ انہیں ہدایت کی کہ آپ لوگوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے جانا ہے۔ اگر لاٹھی چارج کیا جائے تو لاٹھیاں کھاؤ مگر بڑھتے جاؤ۔ گولی چلے تو منتشر ہو کر گلیوں کے اندر چلے جاؤ اور اگلے چوک میں پھر جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ ایک جتھہ بخیر و عافیت ضلع کچہری پہنچ گیا۔ سول سیکرٹریٹ والا جتھہ کچھ گرفتاریوں کے بعد اپنی منزل تک پہنچ گیا اور انہوں نے وہاں کام بند کرا دیا۔ گورنمنٹ ہاؤس جانے والا جتھہ جب چوک دالگراں میں پہنچا تو پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ اس جتھے میں سید خلیل احمد قادری بھی شامل تھے۔ انہوں نے میرے علم اور ہدایات کے بغیر وہاں ایک بات کہہ دی کہ جب لاٹھی چارج ہو تو سب زمین پر لیٹ جائیں۔ چنانچہ جب لاٹھی چارج ہوا تو جتھے میں شامل سب رضا کار زمین پر لیٹ گئے۔ فردوس شاہ ڈی ایس پی تھا۔ اس نے رضا کاروں کو ٹھڈے مارے۔ وہ ٹھڈے مار رہا تھا تو ایک لڑکے کی بغل میں حمائل

شریف لٹکا ہوا تھا۔ فردوس شاہ نے ٹھڈا مارا تو حمائل شریف دور جا گری۔ اس پر لوگ مشتعل ہو گئے۔ مگر پولیس نے انہیں منتشر کر دیا۔ یہ جتھہ گورنمنٹ ہاؤس تک نہ پہنچ سکا۔ اس واقعہ کے بعد نوجوان ڈی ایس پی کے پیچھے لگ گئے۔

حجرہ مسجد کے جنوبی حصے میں تھا۔ میرا معمول تھا کہ میں وہاں بیٹھ کر رضا کاروں کو ہدایات دیا کرتا تھا۔ ان کی ڈیوٹیاں لگاتا تھا۔ مغرب کی نماز میں شریک ہونے والا میں آخری آدمی ہوتا تھا۔ پولیس والوں نے سکیم یہ بنائی کہ جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو نیازی پر حملہ بول کر اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اس سے تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی۔

۴۔ مارچ کی شام کو میں حسب معمول رضا کاروں کو ہدایات دے رہا تھا کہ اس اثناء میں ایک شخص آیا اور اس نے حجرے کے اندر جھانک کر میری طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ میں نے رضا کاروں سے کہا، یہ آدمی مشتبہ ہے اسے پکڑو۔ میری بات سن کر وہ بھاگا مگر رضا کاروں نے اسے پکڑ لیا اور بہت مارا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد ڈی ایس پی فردوس شاہ، تھانیدار مظفر خان پولیس کے پورے جتھے کے ساتھ مجھے پکڑنے کے لیئے مسجد وزیر خاں کی طرف بڑھے۔ وہ ابھی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے کہ ان لڑکوں نے جو اسی صبح گورنمنٹ ہاؤس بھیجے جانے والے رضا کاروں کے جتھے میں شامل تھے، فردوس شاہ کو پہچان لیا کہ اس شخص کے حکم سے پولیس والوں نے ہمیں ٹھڈے مارے تھے اور ایک رضا کار کی حمائل شریف دور جا پڑی تھی۔ چنانچہ لڑکوں نے فردوس شاہ کو مسجد کے سفید دروازے میں داخل ہونے سے قبل ہی چھروں سے پھاڑ ڈالا۔ جب باقی پولیس والے آگے بڑھے تو لڑکوں نے ان سے رائفلیں چھین لیں اور مسجد کے دروازے بند کر لیئے۔

جب رضا کار میرے پاس آئے تو میں نے کہا، یہ تم نے برا کیا کہ پولیس سے رائفلیں چھین لیں۔ پولیس نے مسجد میں داخل ہونے کی ایک اور کوشش کی۔ انہوں نے مسجد کی پچھلی جانب سے سیڑھیاں لگا کر اندر اترنا چاہا تو مجھے رضا کاروں نے کہا کہ پولیس عقب میں سیڑھی لگا کر اندر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہمارے رضا کاروں کے پاس نقلی بندوقیں اور لوہے کی ٹوپیاں تھیں۔ میں نے کہا کہ اس وقت کوئی مسجد کے اندر نہ آنے پائے۔ رضا کار نوجوانوں

نے سیڑھی پر چڑھ کر مسجد کے اندر آنے کی کوشش کرنے والے سپاہی کو سیڑھی سمیت پوری قوت سے واپس دھکیلا۔ وہ سیڑھی سمیت نہ جانے کہاں جا کر گرا اور مر کھپ گیا۔ مجھے اس روز اندازہ ہو چکا تھا کہ اب ہماری تحریک فیل ہو جائے گی، کیونکہ اس میں تشدد آ گیا تھا۔ ڈی ایس پی کے مارے جانے کے بعد تحریک پر امن نہیں رہی تھی۔ پھر ایک اور مصیبت بھی ہوئی کہ کچھ لوگ اس تحریک کے ذریعہ اپنا سیاسی کیریئر بنانے کی کوشش کر رہے تھے اور اس قسم کا پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ نیازی نے اپنی متوازی حکومت قائم کر لی ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

فردوس شاہ کے قتل کے بعد میں نے جلسہ میں اس کی تعزیت کی اور کہا کہ مسلمان افسر اگر ڈیوٹی کے دوران مارا جائے تو اس کی موت حق کی موت ہے۔ ہمیں اس کی موت کا افسوس ہے کہ وہ بیچارہ مارا گیا۔ اس کے باوجود ہمیں پتہ چل گیا کہ دولتانہ نے اس کے قتل کو ایکسپلائٹ کرنیکا منصوبہ بنالیا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہوتے تھے ایم ایل اے رائے نصراللہ خاں جو پیپلز ہاسٹل میں میرے ساتھ والے فلیٹ میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ آپ کے خلاف فردوس شاہ کے قتل کا مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ میں نے کہا، جو اللہ کو منظور ہے وہی ہوگا۔ ہم فردوس شاہ کی موت پر ایک تعزیتی ریزولیشن منظور کر چکے تھے اور رضا کاروں کو بھی پر امن رہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔

۵۔ مارچ کو ہم نے پھر جلوس نکالا۔ لوگ پر امن رہے۔ ۶۔ مارچ کو ایک پوسٹر لگا کہ مولانا عبدالستار خاں نیازی شاہی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائیں گے۔ غالباً یہ حرکت سی آئی ڈی کی تھی کیونکہ یہ پوسٹر ہماری طرف سے نہیں چھپا تھا۔ میں نے اپنے ایک کارکن بشیر احمد مجاہد سے کہا کہ اس پوسٹر کی تردید کرو۔ اس نے ٹیکسی لی، اس پر لاؤڈ سپیکر لگایا اور اس پوسٹر کی تردید کی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اعلان کیا گیا کہ جمعہ کی نماز بدستور مسجد وزیر خاں میں ادا کی جائے گی۔

۶۔ مارچ کی صبح خلیفہ شجاع الدین سپیکر پنجاب اسمبلی، بیگم سلمٰی تصدق حسین اور چند دوسرے لوگ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں گورنر (آئی آئی چندریگر) نے بھیجا ہے کہ نیازی کے ساتھ صلح کی جائے۔ ہم نے کہا کہ ہماری صلح یہی ہے کہ ہمارے گرفتار شدہ آدمیوں کو رہا کر دیا جائے، قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تسلیم کرو۔ مرکزی حکومت کو

قائل کرنے کے لیئے ایک آدمی ہمارا اور ایک پنجاب گورنمنٹ کا مرکزی حکومت کے ساتھ اس سلسلہ میں مذاکرات کرے۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ سنٹرل گورنمنٹ خود اپنا ایک وفد بنا کر بھیج رہی ہے تاکہ اس مسئلے پر مذاکرات کیئے جاسکیں۔ آپ تحریک ختم کر دیں، ہم آدمی رہا کر دیں گے اور پنجاب کی حکومت آپ کے مطالبات تسلیم کر لے گی۔

لوگوں میں اس وقت اتنا مذہبی جوش تھا کہ بیگم سلمٰی تصدق حسین کے لیئے ہم نے برقعہ منگوایا اور اسے پہنا کر اسے رخصت کیا۔ ورنہ ڈر تھا کہ مذہبی لوگ بے پردگی کے باعث ان پر حملہ کر دیں گے۔ میں نے اپنے لوگوں کی حفاظت میں انہیں مسجد سے باہر پہنچایا۔ جمعہ کی نماز کے وقت میں نے ایک تحریری تقریر تیار کی جس میں مَیں نے اپنا موقف پیش کیا۔ اس موقعہ پر مسجد کے اندر سی آئی ڈی کی بھاری نفری موجود تھی بلکہ انہوں نے سٹیج پر خود قبضہ کرنے اور مجھے سٹیج سے نیچے پھینکنے کی کوشش بھی کی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے سٹیج پر میرے گرد ایک گھیرا سا بنا لیا تھا۔ کچھ لوگ تحریک کے لیئے پیسے دینے کے بہانے بار بار سٹیج پر آرہے تھے حالانکہ ہمیں وہاں پیسے کی کیا کمی تھی۔ وہاں تو پکے پکائے کھانے آرہے تھے، ڈرموں کے ڈرم دودھ آرہا تھا۔ میں نے تقریر کی اور اپنا نقطۂ نظر واضح کیا۔

جنرل اعظم خاں لاہور کے جی او سی تھے۔ میں نے اپنی تقریر کے دوران ان پر واضح کیا کہ ہمارا عقیدہ ہمارے خون میں گردش کرتا ہے اور ہمارے خون کے اندر ہمارے بزرگوں کی شجاعت موجود ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جو انگریز کے چودھویں رسالے میں شامل تھے، انگریز کے حکم پر بغداد میں گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم ہزاروں روپے خرچ کر کے پیران پیر کے دربار میں آتے ہیں اور تم ہمیں گولی چلانے کو کہتے ہو۔ ہم یہاں گولی نہیں چلائیں گے۔ میں نے کہا، ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور تم اس کی پاداش میں ہم پر تشدد کرنا چاہتے ہو۔ ہم نے مسجد کے میناروں پر لاؤڈ سپیکر باندھ دیئے تھے جس میں ہماری آواز لوگوں نے باغبانپورہ تک سنی۔ یہ ۵۔ مارچ کی بات ہے۔

اسی رات (۶ مارچ ۱۹۵۳ء) لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ اس سے ہمارے کارکنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے مسجد وزیر خاں کی بجلی کاٹ

دی۔اس سے مقررین بھی گھبرا گئے ۔ میں نے لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ایک واقعہ سنایا کہ جب ابرہہ مکہ کو فتح کرنے کے لیئے آیا تو اس کے ساتھ فوج کا بڑا لشکر اور ہاتھی تھے ۔اس نے کہا کہ مکہ کے سردار سے میری بات کراؤ۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام کے جد امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی لوگوں نے اس سے بات کرائی ۔ترجمان کے ذریعے اس سے گفتگو ہوئی ۔حضرت عبدالمطلبؓ نے کہا کہ تیری فوج نے میرے اونٹ پکڑ لیئے ہیں ۔میرے اونٹ واپس کردو ۔ابرہہ نے حضرت عبدالمطلبؓ سے کہا کہ میں تمہیں بڑا سمجھدار اور عقلمند آدمی سمجھتا تھا مگر آپ تو میری توقع کے خلاف نکلے ۔ میں قریش کے مرکز اور تمہاری سعادت ، عزت و احترام کا خاتمہ کرنے آیا ہوں اور تمہیں صرف اپنے اونٹوں کی فکر ہے ۔اس وقت حضرت عبدالمطلبؓ نے ایک یادگار جواب دیا تھا کہ:

''میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے
وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔''

میں نے یہ مثال دے کر لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ ناموس رسالت کا خود محافظ ہے۔ تمہیں تو جانثاری اور وفاداری کے اظہار کا موقع ملا ہے، وہ تمہارا محتاج تو نہیں ۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی ﷺ کی عزت و ناموس کا خود محافظ ہے۔

۷۔ مارچ کو میں نے مارشل لاء، دفعہ ۱۴۴ اور رات کے کرفیو کے باوجود گرفتاریاں دینے کے لیئے چار چار افراد کی ٹولیاں روانہ کیں ۔۸۔ مارچ کو بھی ایسا ہی کیا گیا۔

۹۔ مارچ کو پنجاب اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا تھا اور میں پنجاب اسمبلی کا رکن تھا۔ اس پر سب لوگوں نے کہا کہ آپ اسمبلی میں خود جا کر ''ختم نبوت ریزولیشن'' پیش کریں۔

میرا طریقہ ان دنوں یہ تھا کہ مسجد وزیر خاں میں رات کا جلسہ کر کے سب کارکنوں کو سلا کر، چوکی پہرا بٹھا کے میں مسجد کے غربی جنوبی مینار سے سیڑھی کے ذریعہ ایک ساتھ والے مکان میں اترتا اور ایک دوسری جگہ جا کر سوتا تھا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ ان حالات میں تحریک نہیں چل سکتی ۔۹۔ مارچ کو فیصلہ ہوا کہ سب لوگ گرفتاریاں پیش کر دیں مگر وہ ڈرتے تھے کہ مسجد کے اندر اسلحہ ہے، تالاب میں ۔ چنانچہ جب مارشل لاء حکام مسجد کے اندر

داخل ہوئے تو انہوں نے تالاب سے پانی نکال کر اس کی تلاشی لی، حجروں کی بھی لی گئی۔سب لوگ گرفتار ہو گئے۔

میرا پروگرام یہ تھا کہ میں گرفتاری دینے کی بجائے پنجاب اسمبلی میں جاؤں اور وہاں ''ختم نبوت'' کے سلسلے میں ارکان اسمبلی کو قائل کرنے کی کوشش کروں۔مگر ہوا کہ کہ اسمبلی کا اجلاس ایک ہفتہ تاخیر سے بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔یعنی ۹۔ کی بجائے ۱۶۔مارچ کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہونا تھا۔اب سوال یہ تھا کہ گرفتاری سے بچنے کے لیئے میں ایک ہفتہ کس طرح اور کہاں گذاروں؟

اندرون موچی دروازہ میں چینیاں والی مسجد کے پاس ایک سکول ہے۔ہمارے ایک دوست میر یعقوب وہاں رہتے تھے۔آج بھی ان سے رابطہ ہے۔تقریریں کر کے میرا گلا بیٹھ گیا تھا۔انہوں نے گرم گھی کی گدیاں میری گردن پر باندھ کر ٹکور کی۔اس کے بعد انہوں نے کہا، ہمارا مکان ایک قلعہ ہے آپ یہیں آجائیں۔یہیں سے ہم آپ کو پنجاب اسمبلی میں پہنچانے کا انتظام کرلیں گے۔۱۳۔مارچ تک میں اسی مکان میں رہا۔اس روز خبر ملی کہ اسمبلی کا اجلاس مزید ایک ہفتہ تک ملتوی کر دیا گیا ہے اور اب یہ اجلاس ۲۲۔مارچ کو ہوگا۔میں نے یعقوب برادران سے کہا کہ کوئی صورت ایسی ہونی چاہیئے کہ اسمبلی کے اجلاس کے دوران مجھے اسمبلی ہال میں پہنچا دیا جائے کیونکہ اسمبلی ہال سے پولیس کسی شخص کو گرفتار نہیں کر سکتی۔اس پر انہوں نے کہا کہ اسمبلی ہال کے باہر تو پولیس کا پہرہ ہے، اس لیئے ایسا نہیں ہو سکتا۔میں نے کہا کہ پھر ایسا ہو کہ مجھے لاہور سے باہر نکالا جائے اور باہر سے لاہور آنے والی بس میں بیٹھا دیا جائے۔اس زمانے میں قصور وغیرہ سے آنے والی بسیں شارع فاطمہ جناح اور چیرنگ کراس سے ہو کر اسمبلی ہاؤس کے سامنے سے گزرا کرتی تھیں۔میرا پروگرام یہ تھا کہ میں اسمبلی ہال کے بالکل سامنے اتر کر دوڑ کر اندر چلا جاؤں گا۔پھر پولیس مجھے اسمبلی کے اندر سے گرفتار نہیں کر سکتی۔اس طرح میں اسمبلی میں اپنا موقف پیش کر سکوں گا۔

میر یعقوب چار بھائی ہیں۔میر اسلم، میر اکرم، اور میر اشرف۔ان کے علاوہ مسجد وزیر خاں کے نواح میں ایک نمبردار میاں عبدالرحمٰن صاحب رہتے تھے۔ان سب سے آج بھی

میرے تعلقات ہیں۔ انہوں نے باہر سے آنے والے گھسیاروں کے ساتھ مجھے لاہور سے نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیئے ایک ریڑہ حویلی میاں خان کے باہر سڑک پر کھڑا کر دیا گیا۔ میں نے دیہاتیوں کی طرح چادر باندھ لی، پاؤں میں چپل تھی اور سر پر منڈاسا باندھ لیا۔ اس طرح میں بالکل دیہاتی بن گیا۔

میں میر برادران کے گھر سے نکلا تو میری چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ لوگوں نے پوچھا، کیا بات ہے؟ میر برادران نے کہا کہ "ہمارا مہمان ہے، بے چارہ بیمار ہے" لوگوں نے کہا، "بڑا سوہنا جوان ایہہ، کیہہ ہو گیا وچارے نوں؟"

ریڑھے میں گھاس کے گٹھے کو سرہانہ بنایا اور چادر تان کر لیٹ گیا۔ کوچوان نے ریڑھے کو بانساں والے بازار کی طرف نکالا۔ پھر میو ہسپتال کے آؤٹ ڈور کی جانب سے گزر کر ہم چوبرجی سے نکلے اور موضع ڈھولن وال کی طرف بڑھنے لگے۔ ہم ادھر جا رہے تھے کہ گاؤں والوں نے کہا، آگے ملٹری ہے۔ یہ بات سن کر ہم کچے میں چلے گئے۔ چوہنگ کے قریب ایک گاؤں ہے، شاہ پور۔ ہم وہاں پہنچ گئے۔ میرے ساتھ نمبردار عبدالرحمٰن کے علاوہ سائیکلوں پر چار مسلح نوجوان اور بھی تھے۔ انہیں ہدایت تھی کہ اگر کوئی نیازی کی طرف آئے تو بے دریغ فائر کھول دیں۔ وہاں سے ہم بس میں سوار ہو کر اوکاڑہ میں اپنے دوست چوہدری محبوب عالم (ایڈووکیٹ) کے پاس پہنچے۔ جب ہم ان کے مکان میں ٹھہرے تو انہوں نے بتایا کہ اوکاڑہ کے لوگ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مرزائیوں کے ہمنوا ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ مرزائیوں کا کھلا دشمن نیازی میری پناہ میں ہے اور مجھ پر اعتماد کرتا ہے۔ کچھ دیر میں چوہدری محبوب عالم کے ہاں رہا۔ پھر وہاں سے میاں عبدالرحمٰن نمبردار کے ہمراہ اوکاڑہ سے پاکپتن شریف چلے گئے۔ پاکپتن شریف میں حضرت قبلہ میاں علی محمد خاں صاحب سجادہ نشین بسّی شریف کے آستانہ پر گئے، وہ موجود نہ تھے۔ ان کے بھائی محمد حسین خان سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے حضرت میاں صاحب کا پیغام دیا کہ:

"میں نیازی صاحب سے نہیں ملوں گا۔ اس لیئے اگر مجھ سے کسی نے آپ کی میرے ہاں موجودگی کے متعلق پوچھا تو میں سچی بات کروں گا، جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

چنانچہ پاکپتن سے میں نے میاں عبدالرحمن نمبردار کو لاہور واپس بھیج دیا اور خود وہاں سے نکل کر ایک اور صاحب کے ہاں ٹھہرا جن کا نام شیخ محمد سعید تھا۔ وہ میاں صاحب بستی شریف کے پیارے مرید اور خصوصی کاردار تھے۔

۲۲۔ مارچ کو میں پاکپتن شریف سے لاہور واپسی کے خیال سے قصور پہنچا۔ دن میں نے قصور میں گذارا۔ ہمارا ایک سرگرم کارکن بشیر احمد مجاہد بھی میرے پیچھے قصور پہنچ گیا۔ قصور میں ہم شیخ فضل دین کے مکان میں ٹھہرے۔ اس کے لڑکے (محمد اسلم) نے جاسوسی کر دی کہ عبدالستار خاں نیازی ہمارے ہاں موجود ہیں۔ میرا پروگرام تھا کہ ۲۳۔ مارچ کی صبح قصور سے نکلیں گے اور بس میں بیٹھ کر اسمبلی ہاؤس پہنچ جائیں گے۔ ۲۳۔ مارچ کی صبح ہم فجر کی نماز کے لیئے اٹھے تو پولیس پہنچ گئی اور ہمیں گرفتار کر لیا۔ اس پر شیخ فضل دین کے لڑکے نے پولیس سے کہا کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا آدمی بھی موجود ہے، اسے بھی گرفتار کر لو۔ چنانچہ بشیر احمد مجاہد کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

پولیس ہمیں قصور پولیس سٹیشن لے گئی۔ ناشتہ وغیرہ ہمیں وہیں کرایا گیا۔ پھر ہمیں کار میں بیٹھا کر شاہی قلعہ لاہور لایا گیا۔ وہاں مجھے دس نمبر کوٹھری میں دکھا گیا۔ بشیر احمد مجاہد کو دوسرے سیل میں رکھا گیا۔

۲۳۔ مارچ سے لے کر ۹۔ اپریل تک میں اسی سیل میں رہا۔ وہاں پولیس والے میرا بیان ریکارڈ کرتے رہے۔ ایک رات انہوں نے مجھے ایک لمحے کے لیئے بھی سونے نہیں دیا۔ ایس پی (سی آئی ڈی) چوہدری محمد حسین جو بعد میں ڈائریکٹر جنرل سی آئی ڈی بنے، میرا بیان ریکارڈ کرتے رہے۔ وہ مجھ سے پوچھتے کہ آپ نے فلاں فلاں تاریخ کو اپنی تقریر میں کیا کہا۔ میں بتاتا کہ میں نے یہ کہا، یہ کہا اور میرے دلائل ایسا کہنے کے یہ تھے۔ تیسرے روز وہ یہ کہنے لگے۔

''مولانا! ان دلائل سے تو آپ دشمن کو بھی قائل کر لیں گے کہ
یہ لوگ احمدی نہیں بلکہ غلام احمدی ہیں۔''

پھر میرے خلاف لوگوں کی گواہیاں ہوتی رہیں تو ایک ڈی ایس پی راجہ فضل داد مجھے بتا دیا کرتے تھے کہ فلاں فلاں لوگوں نے آپ کے متعلق یہ گواہیاں دی ہیں۔ ایک بار ایک

ایس پی پولیس وہاں قلعہ میں آ گیا۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ اسے رات بھر جگائے رکھو۔ میں نوافل پڑھتے ہوئے سجدے میں جاؤں تو پولیس کے سپاہی مجھے ہلانا شروع کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید میں سجدے میں جا کر سو جاتا ہوں۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ میں انہیں کچھ اور بھی بتاؤں مگر حقیقت تو میں ان کو پہلے ہی بتا چکا تھا۔

ایک روز وہاں ملٹری کا ایک بریگیڈیئر آیا۔ وہ پولیس سے باتیں کرتا رہا۔ میں اپنی کوٹھری میں سے اس کی باتیں سننے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے میرے متعلق بھی پولیس سے کچھ کہا۔ اس پر میں نے اس بریگیڈیئر کو متوجہ کر کے کہا:

''جنٹلمین! اگر تم میرے خلاف معاندانہ عزائم رکھتے ہو تو تمھیں جان لینا چاہیئے کہ کوئی شخص میرے قریب آنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اگر کسی نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں اسے گلہ دبا کر ہلاک کر دوں گا۔''

اس پر اس نے معذرت کے انداز میں کہا کہ ''نہیں خان صاحب! ہم آپ کی بات نہیں کر رہے۔''

شاہی قلعہ سے لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مجھے اسی جگہ رکھا گیا جہاں بھگت سنگھ دت جیسے انقلابی باغیوں کو رکھا گیا تھا۔ سنٹرل جیل ایشیاء میں سب سے بڑی جیل ہوتی تھی، جس کا تین میل کا چکر تھا۔ شادمان کالونی اسی جگہ پر بنی ہے۔ اس احاطہء جیل کا نام ''بم کیس'' تھا۔

۱۶۔ اپریل ۱۹۵۳ء کو میرے خلاف فوجی عدالت میں ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل اور بغاوت کا کیس چلا۔ الزام یہ تھا کہ عبدالستار خاں نیازی نے پولیس کو مسجد وزیر خاں کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر لوگوں سے کہا:

''پولیس کے کتے آ گئے ہیں، اب جانے نہ پائیں''۔

استغاثہ نے خون آلود مٹی اٹھا کر عدالت میں پیش کی جس میں پولیس کے بقول فردوس شاہ کا خون جذب ہوا تھا۔ میں نے اپنی صفائی میں کہا کہ قتل مسجد وزیر خاں کے دروازے کے باہر ہوا ہے اور میں موقع پر موجود نہیں تھا۔ میں تو مسجد کے اندر تھا۔ وہ کونسا خطیب یا مقرر ہے

جو مسجد کے دروازے میں کھڑا ہو کر تقریر کر رہا ہو جبکہ مجمع مسجد کے اندر ہو؟ پھر لاؤڈ سپیکر بھی مسجد کے اندر نصب ہے، جس کا سوئچ اندر محراب کے پاس ہے نہ کہ دروازے پر۔ اس لیئے یہ الزام غلط ہے اور یہ پولیس کا پہلا جھوٹ ہے۔ پھر استغاثہ نے عدالت میں جو خون آلود مٹی پیش کی ہے یہ بھی فرضی ہے کیونکہ جب جائے قتل کا معائینہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ فردوس شاہ کے مقام قتل پر مسجد کے باہر سیمنٹ کا فرش ہے، اس لیئے مٹی کا ثبوت بھی جعلی ہے۔ استغاثہ اور صفائی دونوں جانب سے متعدد گواہان پیش ہوئے۔ یہ ساری کاروائی ۲۵۔ اپریل کو مکمل ہو گئی یعنی دس دن میں۔

انہی دنوں مولانا مودودی پر بھی مقدمہ چلا۔ انہوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا، ''قادیانی مسئلہ''۔ اس میں انہوں نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی تھی کہ ہم قادیانیوں کو غیر مسلم کیوں سمجھتے ہیں اور کیوں انہیں اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اسی پمفلٹ کی اشاعت پر مولانا مودودی کو گرفتار کیا گیا۔ جماعت اسلامی کے کچھ اور لوگوں کو بھی اس سلسلے میں گرفتار کیا گیا۔ ان پر امن و امان تباہ کرنے اور بغاوت کا الزام تھا۔ مولانا مودودی اس بات سے تو متفق تھے کہ اس مسئلے کو حل کیا جانا چاہیئے مگر ان کا طریقہ مختلف تھا۔ وہ حکومت کے ساتھ گفتگو کر کے ایسا کرنے کے خواہاں تھے۔ جبکہ ہمارا خیال تھا کہ بات چیت سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ بہر حال اپنے اپنے انداز میں ہم سب اسی مقصد کے لیئے کوششیں کر رہے تھے۔

مجھے خرابیء صحت کی بنا پر ہسپتال منتقل کر دیا گیا جو جیل کے اندر ہی تھا۔ ۷۔ مئی کو ملٹری والے مجھے فیصلہ سنانے کے لیئے آئے۔ سپرنٹنڈنٹ مجھے الگ لے آیا۔ میرے ساتھ نو آدمی اور بھی تھے۔ ان میں مولانا خلیل احمد (قادری) بھی تھے۔ ہم سب پر قتل کا الزام تھا۔ ملٹری والوں نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا: ''قتل کے الزام میں ہم آپ سب کو باعزت بری کرتے ہیں''۔ میرے علاوہ نو آدمی جو اس کیس میں ملوث تھے وہ چلے گئے۔ مجھے ملٹری والوں نے روک لیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ آپ پر بغاوت کا الزام بھی ہے؟ میں نے جواب دیا، ''ہاں الزام تو ہے''۔ اس پر انہوں نے جیب سے کاغذ نکالا کہ تمہارے متعلق یہ فیصلہ ہے:۔

''تمہیں گردن میں رسی ڈال کر موت واقع ہونے تک پھانسی کے تختے پر لٹکایا جائے گا''۔

کسی کی زندگی میں اگر یہ مرحلہ آ جائے تو معمولی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس

وقت بہت حوصلہ دیا۔ اتنا کہ میں خود اس پر حیران ہوتا ہوں۔ یہ رب العالمین کا کرم تھا۔ ورنہ موت کی سزا کوئی سنے اور اس پر بھی سنبھل جائے یہ کوئی عام بات نہیں ہے۔ جب انہوں نے کہا کہ تمہیں موت واقع ہونے تک گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹکایا جائے گا تو میرے سامنے قرآن مجید کی آیت آ گئی:

''اللہ نے موت وحیات کو اس لیئے پیدا کیا تا کہ یہ ظاہر کر دے کہ تم میں سے عمل کس کا نیک ہے''۔ (سورہ الملک)

میں نے اس وقت تصور کیا کہ خالق کائنات رب کائنات ہے، یہ لوگ کیا شے ہیں؟ میرا رشتہ حیات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر منقطع نہیں کر سکتے۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ تحفظ ناموس مصطفیٰ ﷺ کے لیئے تحریک چلائی ہے، میں اپنے اقدام پر مطمئن ہوں۔

فوجی عدالت میں کون لوگ شامل تھے ان کے نام اب یاد نہیں ہیں۔ بہر حال عدالت ایک میجر اور ایک لیفٹیننٹ کرنل پر مشتمل تھی۔ ایک آئی اے جی جج، ایڈووکیٹ جنرل بھی تھا۔ سزا سنانے کے لیئے ایک میجر آیا تھا۔ جب وہ سزا سنا چکا تو میں نے کہا، ''میں نے سن لیا''۔ اس نے کاغذ کا ٹکڑا میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''برائے مہربانی اس پر دستخط کر دیجئے''۔ میں نے کہا، ''میں اس پر دستخط کروں گا جب پھانسی کا پھندا میرے گلے میں ڈالا جائے گا''۔ اس نے کہا، ''نہیں،'' آپ کو اس پر ابھی دستخط کرنا ہوں گے''۔ میں نے جواب دیا: ''میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس پر اس وقت دستخط کروں گا جب پھانسی کا پھندا میری گردن کے گرد ڈالا جائے گا۔ میں آپ کے پنجے میں جکڑا تو ہوں مجھے پھانسی کے تختے تک لے جاؤ اور لٹکا دو''۔ اس پر اس نے انگریزی میں کہا: ''میرے آفیسرز مجھ سے اس کے متعلق پوچھیں گے کہ کیا مولانا کو پھانسی کا نوٹس دے دیا گیا ہے یا نہیں''۔ تو میں نے جواب دیا: ''اگر تم اپنے افسروں سے اس قدر ڈرتے ہو تو میں تمہاری خاطر اس پر دستخط کر دیتا ہوں''۔ دستخطوں کے ساتھ ہی میں نے تاریخ بھی درج کی، ۷۔ مئی ۱۹۵۳ء۔ پھر میں نے کاغذ اس میجر کو واپس کرتے ہوئے پوچھا۔ ''بس اتنا ہی؟ میں تو اس سے کہیں زیادہ کے لیئے بھی تیار تھا۔ اگر میری ہزار جانیں ہوتیں تو میں انہیں بھی ناموس حضرت محمد ﷺ پر نثار کر دیتا''۔

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک وخون تپم وگوئی از برائے من است

موت کے پروانے پر میرے دستخط حاصل کرنے کے بعد اس میجر نے انگریزی میں پوچھا۔ ''تمہارا مورال کیا ہے؟'' میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا: ''تم نے میرا مورال نہیں دیکھا؟ میرا مورال بے حد بلند ہے، آسمانوں تک بلند۔''

ے
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جب سب لوگ چلے گئے اور میں اس وسیع وعریض کمرے میں اکیلا رہ گیا تو میں نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔ ''نیازی! تو بڑی باتیں بنا رہا ہے، یہ تو فوجی ہیں۔ یہ تمہیں پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیں گے''۔ اس وقت مجھ پر موت کا تھوڑا سا خوف طاری ہوا۔ مگر پھر فوراً میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

ے
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

جانے دیگر است ۔۔۔ جانے دیگر است ۔۔۔ جانے دیگر است ۔۔۔۔۔ جانے دیگر است۔

اسی شعر سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیئے اٹھتے اور پھر وہی حالت ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسی شعر کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

سزائے موت سننے کے بعد جب میں اس کمرے سے نکلا تو جیل سپرنٹنڈنٹ مہر محمد حیات ملا۔ اس نے کہا۔ ''نیازی صاحب بری ہوگئے؟'' اس کا خیال تھی کہ چونکہ فردوس شاہ کے قتل میں میرے ساتھ کے نو ملزم بری ہو گئے تھے، اس لیئے میں بھی بری ہو گیا ہوں گا۔ میں اس کی بات سن کر مسکرایا اور میں نے کہا۔ ''نہیں''۔ میں اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں''۔ کیا مطلب؟ میں نے کہا۔ ''انشاءاللہ رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کی فہرست کے کسی کونے کھدرے میں عبدالستار خان نیازی کا نام بھی اب ضرور درج ہوگا''۔ اس نے پھر پوچھا: ''کیا

مطلب؟" میں نے کہا۔"اب خود ہی سمجھ لو کہ میری بات کا کیا مطلب ہے۔"اس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔"تو چلیں، پھر اب یہ اچکن، طرّہ اور پگڑی اتار دیں اور پھانسی کے قیدی کا لباس پہن لیں"۔

وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔اچکن میں نے اتار دی۔ پگڑی الگ رکھ دی۔ کرتہ منگوایا تو وہ مجھ پر بے حد تنگ تھا۔ میں نے کہا کھلا کرتہ لاؤ۔ دوسرا منگوایا تو وہ بھی تنگ نکلا۔ میں نے کہا،"یارو میرے جسم کے مطابق کُرتہ لاؤ"۔ یہ تو سب کے سب تنگ ہیں۔"اس پر جیل سٹاف کے ایک آدمی نے کہا،"نیازی صاحب! یہاں آ کر تو بڑے بڑے پہلوان سکڑ جاتے ہیں اور آپ ہیں کہ پھیل رہے ہیں، کوئی کرتہ آپ کو فٹ ہی نہیں آ رہا"۔ میں نے کہا،"ہم نے موت خود خریدی ہے اس لئے"۔ میں نے یہ صورت حال دیکھ کر کہا کہ خیر آپ یہی کرتہ رہنے دیں اور پاجامہ ہی لا دیں۔ پاجامہ منگوایا گیا تو اس نے کہا کہ ہم اس میں آزار بند نہیں ڈالیں گے۔ میں نے کہا،"یہ کیا طریقہ ہے؟"اس نے جواب دیا۔ یہ اس لیئے ہے کہ کہیں آپ آزار بند سے خودکشی نہ کر لیں۔ میں نے کہا۔"نادانو! جسے شہادت مل رہی ہو وہ خودکشی کیوں کرے گا؟"

اس کے بعد میں نے پاجامہ نہیں پہنا بلکہ چادر باندھ لی۔سنٹرل جیل لاہور جس میں اس وقت ساڑھے تین ہزار قیدی تھے ان میں اکثر"تحریک ختم نبوت" کے رضا کار تھے۔میری سزائے موت کا حکم سن کر وہ لوگ زار زار روتے تھے۔ میں نے ان لوگوں کو پیغام بھجوایا کہ بھائی روتے کیوں ہو۔میرے لیئے استقامت کی دعا مانگو!

پھانسی کی کوٹھری میں قیام سے قبل میرے لیئے کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں باہر سے آیا ہوا موجود تھا۔اس میں گھی، چینی، دودھ اور شربت روح افزا کی بوتلیں اور دوسری متعدد اشیائے خورد و نوش شامل ہوتی تھیں۔ یہ سارا سامان پھانسی کی کوٹھریوں کے نمبردار کے پاس منتقل ہو گیا۔ پھانسی کی کوٹھری میں جانے کے گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد ایک شخص دو چادریں، دو پاجامے، اور دو تولیئے لے کر آ گیا۔ میں نے اس سے کہا مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ میں نے آپ کا مطلب پورا کر دیا ہے۔ میں نے پاجاموں کے اندر کپڑے کے بنے ہوئے آزار بند رکھ دیئے ہیں۔ میں نے پاجامہ پہن لیا۔ پھر جیل قوانین کے مطابق میرے

لیئے سی کلاس کا کھانا آ گیا۔ میں نے کہا رکھ دو۔ اس پر ہماری برابر کی کسی بیرک میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''مولانا صاحب یہ کھانا نہیں کھائیں گے''۔ میں نے جواب دیا ''کب تک نہیں کھاؤں گا؟'' اس نے کہا، ''ہم ہیں وعدہ معاف گواہ۔ ہمیں ادھر دوسرے قیدیوں سے علیحدہ بند کیا ہوا ہے، ہمیں کچا راشن ملتا ہے۔ ہمارے پاس گھی، چینی، چائے، دودھ وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ برف بھی آجاتی ہے، سبزی بھی ملتی ہے۔ ہم آپ کو چائے بنا دیں گے، سبزی تیار کر دیں گے، گوشت بھی ہم کسی نہ کسی طرح منگوا لیتے ہیں''۔

چنانچہ میں نے وہ سی کلاس کھانا نہیں کھایا۔ جیل میں، میں زیادہ تر نوافل اور درود و اذکار میں مشغول رہتا تھا۔

میں ۷۔ مئی سے ۱۴۔ مئی تک پھانسی کی کوٹھڑی میں رہا۔ میری صحت جیسی ان دنوں اچھی رہی ویسی کبھی نہ رہی تھی۔ عین وقت پر فراغت ہوتی تھی۔ بے چارا جمعدار اس انتظار میں باہر کھڑا رہتا تھا۔ جونہی میں فارغ ہوتا، وہ فوراً ڈبہ باہر کھینچ لیتا اور فینائل چھڑک دیتا۔ میں نے ایک بار اس سے اس کی مستعدی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا، ''میری اللہ نے ڈیوٹی لگا دی ہے کہ آپ کو بدبو نہ آئے''۔

جیل میں مَیں خود اذان دیتا تھا اور نماز پڑھتا تھا۔ وہاں تو لوگ پوری رات نہیں سوتے تھے۔ رات بھر آوازیں آیا کرتی تھیں۔ او فلاں! کیا حال ہے۔ اللہ کرم کرے گا۔ اور فلاں! اللہ بھلی کرے گا۔ او فلاں!۔ رات بھر اسی طرح ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کو لوگ دیکھ تو نہیں سکتے تھے بس اس طرح باتیں ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک دو نے میرا نام لے کر بھی پکارا۔ میں نے جواب میں کہا کہ ''مجھے حوصلے کی ضرورت نہیں، میں پڑھ رہا ہوں، مجھے اللہ نے حوصلہ دے دیا ہے''۔

۱۲۔ مئی کو میں مغرب کی نماز پڑھ کر کوٹھڑی کے اندر وظیفہ کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوٹھڑی کے اندر ٹہل رہا تھا کہ اتنے میں مَیں نے اپنی کوٹھڑی کے دروازے کی سلاخوں کے درمیان میں سے ایک آدمی کی پشت دیکھی، اس طرح جیسے کوئی اونچائی سے نشیب کی جانب لڑھک رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد پھانسی کی کوٹھڑیوں کا ایک نمبردار میرے پاس آیا اور کہنے لگا،

''نیازی صاحب! اِک ہور مولوی وی آ گیا اے''۔ میں نے پوچھا، ''کون ہیں؟'' اس نے جواب دیا، ''مودودی، مودودی کہتے ہیں''۔ میں نے کہا، ''وہ تو بڑے عالم ہیں، ادب کے ساتھ نام لو''۔ نمبردار کہنے لگا، ''نیازی صاحب! ہم تو صرف آپ کو جانتے ہیں، ''تحریک ختم نبوت'' میں آپ ہی کا نام نمایاں تھا۔'' میں نے کہا، ''وہ بڑے عالم ہیں تمہیں ادب کرنا چاہئے''۔

مولانا مودودی نے پھانسی کی کوٹھری میں آنے کے تھوڑی دیر بعد پانی مانگا تو نمبردار مٹی کے آبخورے میں گھڑے کا پانی لے گیا۔ مولانا نے وہ پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اس پر نمبردار میری کوٹھڑی کے آگے سے گزرتے ہوئے بولا۔ ''مولوی تے پانی نہیں پیندا''۔ میں نے کہا وہ نازک طبع آدمی ہیں۔ یہ میرے پاس روح افزاء شربت موجود ہے بنوا کر انہیں دے آؤ''۔ اس پر وہ بولا۔ ''نیازی صاحب! آپ چھوڑیں مہمان نوازی کو، آپ خود جیل میں پڑے ہیں''۔ میں نے کہا، ''نہیں! مولانا کو شربت بنا کر پلاؤ''۔

پھانسی کے قیدیوں کی کوٹھڑیاں اس طرح ترچھے انداز میں بنی ہوئی ہیں کہ قیدی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ روزانہ عصر کے وقت سزائے موت کے قیدیوں کی کوٹھڑیاں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ جس کوٹھڑی میں قیدی ایک رات گذارے اس میں وہ دوسری رات نہیں گذار سکتا۔ یہ قانون ہے جیل کا، تاکہ قیدی کو نقب وغیرہ لگا کر جیل سے فرار ہونے میں مدد نہ دی جا سکے۔ کسی قیدی کو پتہ نہیں ہوتا کہ کل اسے کس کوٹھڑی میں رکھا جائے گا۔

اس روز جب پھانسی کے قیدیوں کی کوٹھڑیاں بدلی جا رہی تھیں تو مولانا مودودی سے علیک سلیک ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ ''اگر کچھ پڑھنے کا ارادہ ہو تو میرے پاس امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ''مکتوبات'' موجود ہیں۔ اس کی ایک جلد ان کو پہنچا دی۔

اگلی صبح (۱۳۔مئی) میں نے مولانا مودودی کے لیئے شربت بھجوایا، پھر چائے بھجوائی۔ ان کا بڑا صاحبزادہ جیل میں ان سے ملنے کے لیئے آیا۔ مولانا کے بعد جماعت اسلامی کے امیر چوہدری سلطان احمد صاحب تھے، وہ ان سے ملنے آئے۔ مولانا نے ان سے کہا کہ وہ مجھے بھی ملتے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ میرے پاس بھی آئے۔ میں نے مولانا کے صاحبزادے کو حوصلہ دیا کہ

''یہ بزدل ہمیں مار نہیں سکتے اور اگر ہمیں پھانسی پر لٹکا بھی دیا تو ہمیں حیات جاودانی حاصل ہوگی''۔

اور بعد میں جماعت اسلامی کے کچھ لوگوں نے اس بات کی مختلف انداز میں توضیح کی اور مجھ سے یہ بات منسوب کی کہ میں نے مولانا کے صاحبزادے سے کہا تھا کہ مولانا مودودی تو بہت بڑے آدمی ہیں، یہ تو مجھے پھانسی نہیں دے سکتے۔ حالانکہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ میں نے تو ایک جنرل بات کی تھی۔ مولانا صاحب نے میرے پاس کسٹرڈ وغیرہ بھی بھیجا جو یہ لوگ ان کے کھانے کے لیئے ساتھ لائے تھے۔

قیدی کی کوٹھڑی کو تبدیل کرنے کو جیل کی اصطلاح میں ''اڑدی لگنا'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شام کو جب کوٹھڑیاں تبدیل کی جانے لگیں اور ہمیں باہر نکالا گیا تو مولانا مودودی سے ایک بار پھر ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا، ''سنایئے کیا حال ہے؟'' کہنے لگے، ''حال کیا ہے؟ نہ اٹھ سکتا ہوں نہ بیٹھ سکتا ہوں۔ یہ پاجامہ ہے کم بختوں نے اس میں ازار بند نہیں ڈالا، مجبوراً آگے گرہ لگائی ہوئی ہے، اس سے بڑی تکلیف ہے''۔ پھر میری طرف غور سے دیکھ کر بولے۔ ''مگر آپ تو بڑے مزے سے کھڑے ہیں''۔ میں نے کہا: ''میرا معاملہ ٹھیک ہے''۔ پھر میں نے کپڑے کا دوسرا ازار بند اور پنسل انہیں دی اور کہا کہ ''موقع ملتے ہی آزار بند ڈال لینا''۔ مولانا نے اس موقع پر فرمایا کہ ان لوگوں نے ازار بند کیوں نہیں ڈالا۔ میں نے بتایا کہ اس خوف سے کہ آپ خودکشی نہ کرلیں۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: ''کتنے احمق ہیں یہ لوگ، جس شخص کو شہادت کی موت نظر آرہی ہو وہ حرام موت کیوں مرے گا''۔

ملٹری والوں نے مجھے سزائے موت سناتے ہوئے بڑا ڈرامہ کیا۔ مجھ سے سزائے موت کے پروانے پر باقاعدہ دستخط کرائے گئے۔ پھر اس کی عبارت خاصی خوفناک تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر و استقامت بخش دی۔ بعد میں مجھے کسی نے بتایا کہ فوجیوں نے سزائے موت سنائے جانے کے بعد میرے مورال اور میرے رویّے کی بہت تعریف کی۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ ہم نے ایسا بہادر آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ اس نے سزائے موت کو پامردی سے سنا۔ ہمارے جرنیل بھی ایسے بہادر نہیں ہوتے۔ شاید اسی استقامت کے باعث ان لوگوں کا مجھ سے

جذباتی لگاؤ ہو گیا تھا۔

جب سزائے موت کا حکم منسوخ ہوا تو مولانا مودودی نے مجھے مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ میں نے کہا، ''مولانا کوٹھی دونوں کی ٹوٹی ہے۔ آپ نے پمفلٹ لکھا، ہم نے تحریک چلائی۔ تحریک چلانے والے کی تو کوٹھی ٹوٹ جائے مگر آپ کی نہ ٹوٹے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' پھر جماعت اسلامی کے کارکن اور رہنما تو شام تک بھاگ دوڑ کر کے کاغذات مکمل کرا لائے اور مولانا مودودی اسی شام (۱۴۔ مئی ۱۹۵۳ء) کو پھانسی کی کوٹھڑی سے منتقل ہو گئے۔ مگر ہمارے جذباتی لوگ ایک دوسرے کو مبارک دینے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہے، کاغذات مکمل کرانے کی جانب کسی نے توجہ نہ دی۔ چنانچہ کوٹھی ٹوٹنے کے باوجود مجھے مزید ایک رات پھانسی کی کوٹھڑی میں رہنا پڑا۔ ۱۵۔ مئی ۱۹۵۳ء کو میں بھی پھانسی کی کوٹھڑی سے گورا وارڈ منتقل ہوا۔

یہاں سزائے موت کو چودہ سال قید بامشقت میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر گورنمنٹ نے ایک آرڈر نکالا جس کے تحت ہم اس سزا کے خلاف اپیل کر سکتے تھے لیکن ہم نے اپیل نہ کی۔ جسٹس محمد شریف نے از خود ہمارے دونوں کے کیس کو دیکھا اور ہماری سزا کم کر کے تین سال کر دی گئی۔ ہمارے ساتھ فردوس شاہ کے قتل کے ملزموں میں سے آٹھ تو رہا ہو گئے مگر سیّد خلیل احمد قادری کو سات سال کی سزا ہو گئی۔ ان کے خلاف کئی اور کیس بھی تھے۔ گورا وارڈ میں ہمیں دو کمروں میں منتقل کیا گیا۔ بڑے کمرے میں مولانا مودودی تھے اور ان کے ساتھ سید خلیل احمد قادری، نقی علی اور ملک نصر اللہ خاں عزیز۔ یہ چاروں ایک کمرے میں تھے اور سائیڈ روم میں میں اکیلا تھا۔ غسل خانہ ہمارا مشترکہ تھا۔ جیل میں ہمیں اے کلاس دی گئی تھی۔ پھر ہمیں ایک اور جگہ منتقل کیا گیا، اسے بڈھی خانہ بھی کہتے تھے۔ اس میں دو بڑے کمرے تھے۔ یہ بہت بڑا وارڈ تھا۔ ہم وہاں بھی اکٹھے رہے یعنی مولانا مودودی اور ہم۔ مولانا بڑی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے، خوب مجالس گرم رہتیں۔

سردیوں میں جیل کے اندر میرا معمول تھا کہ میں صبح چار بجے اٹھ جاتا تھا۔ تہجد کے نوافل ادا کر کے مَیں تلاوت میں مشغول ہو جاتا۔ یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا۔ میرے اور مولانا مودودی کے کمرے کے درمیان میں برآمدہ تھا۔ سائیڈ میں میرا کمرہ تھا۔ اس پر ہمارے

ساتھیوں نے واویلا کیا کہ ہم نیازی کے قرآن مجید پڑھنے سے ڈسٹرب ہوتے ہیں۔ یہ ہمیں جگا دیتا ہے۔ اس لیئے یہ قرآن حکیم اونچا نہ پڑھے۔ میں نے کہا کہ جب فجر کی اذان ہو جائے گی تو اس کے بعد میں قرآن مجید اونچا پڑھوں گا اور آپ لوگوں کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔ ویسے بھی میں ان کے کمرے میں آہستہ آہستہ جاتا تھا۔ غسل خانہ چونکہ مشترکہ تھا، اس لیئے وضو بھی احتیاط سے کرتا تھا۔ ان کو اپنی آمد کا پتہ نہیں چلنے دیتا تھا۔ یہ میری روٹین تھی۔

جون ۱۹۵۴ء میں مولانا مودودی کو ملتان اور مجھے راولپنڈی سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ فروری ۱۹۵۵ء میں مجھے پھر لاہور بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد ہم نے عدالت میں رٹ کی کہ جس قانون کے تحت ہم لوگوں کو سزا دی گئی تھی، اسے گورنر جنرل کی منظوری حاصل نہیں ہوئی تھی کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی توڑ دی گئی اور اس طرح قانون غیر مؤثر اور منسوخ ہو گیا۔ یہی صورت حال راولپنڈی سازش کیس کی تھی جس کے تحت فیض احمد فیض اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ چنانچہ ہم نے عدالت میں یہ موقف اختیار کیا کہ جس قانون کے تحت ہمیں سزا دی گئی ہے، وہ قانون، قانون ہی نہیں ہے۔ یوں ۲۹۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو مولانا مودودی اور ہماری ضمانت ہو گئی۔ پھر مئی ۱۹۵۵ء میں ہمیں اس کیس سے بری کر دیا گیا۔ اس طرح ہم ختم نبوّت تحریک کے سلسلے میں تقریباً دو سال دو ماہ اور کچھ دن جیل میں رہے۔

تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں گرفتاری کے دوران ہمارے ذمہ ایک کام یہ بھی تھا کہ ہم تحریک کے متعلق اپنا ایک بیان تیار کریں جو ہمیں ایک جائنٹ انکوائری کمیشن کے روبرو پیش کرنا تھا۔ اس کمیشن میں جسٹس منیر تھے، جسٹس ایم آر کیانی تھے۔ بعد میں کمیشن کی تحقیقاتی رپورٹ شائع بھی ہوئی۔ کمیشن نے ہم سب لوگوں سے بیان لیئے تھے۔ یہ ۱۹۵۴ء کے آواخر یا ۱۹۵۵ء کے اوائل کی بات ہے۔ میں نے کمیشن کے روبرو جو بیان دیا وہ ایک سو پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ بیان میں نے جیل میں تیار کر کے باہر بھجوایا تھا۔ کاتب اس کو خوشخط کر کے لکھتا تھا۔ اس کے بعد میں اس کے ہر صفحے پر دستخط کر کے باہر بھجواتا تھا۔

قادیانی مسئلہ کے بارے میں میرا بیان جائنٹ کمیشن کو پیش کیا گیا۔ ان دنوں

چوہدری فضل الٰہی سرکاری وکیل ہوتے تھے جو بعد میں صدر پاکستان بنے۔ کمیشن کے روبرو ایک بار انہوں نے میرے بیان کے متعلق کوئی بات کہی۔ اس پر جسٹس منیر نے ان سے پوچھا ''کیا آپ نے وہ بیان پڑھا ہے؟'' چوہدری فضل الٰہی نے بیان دیا ''اس کا کچھ حصہ پڑھا ہے۔'' اس پر جسٹس منیر نے کہا ''اس بیان کا مطالعہ کریں، وہ ایک تاریخی دستاویز ہے اور معلومات کی کان ہے''۔

جب عدالت میں اس قسم کی گفتگو اور ریمارکس پاس ہوئے تو وہاں مبیّنہ طور پر مولانا مودودی اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ مگر انہوں نے اس سلسلے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔ ماسٹر تاج الدین انصاری سیکرٹری جنرل مجلس احرار جو اس وقت احاطہ بڈھی خانہ میں رہتے تھے، مجھے خاص طور پر یہ بات بتانے کے لیئے جیل میں ملنے آئے کہ آپ کے بیان کے متعلق جسٹس منیر نے یہ ریمارکس دیئے ہیں۔

''تحریک ختم نبوت'' کے سلسلے میں اس وقت کی حکومت نے کئی افواہیں بھی پھیلائیں تا کہ میری شہرت اور ساکھ کو نقصان پہنچایا جا سکے اور لوگوں کو مجھ سے متنفر کیا جا سکے۔ مثلاً کچھ لوگوں نے کہا کہ جب مسجد وزیر خاں کو پولیس ،ورفوج نے گھیرے میں لے لیا تو میں داڑھی منڈوا کر اور برقعہ پہن کر مسجد سے فرار ہو گیا۔ حالانکہ مسجد سے برقعہ پہن کر نکلنے کا سوال تو تب پیدا ہوتا اگر میں لوگوں کے سامنے مسجد سے باہر نکلتا۔ حقیقت یہ ہے جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ رات کو جب سب رضا کار مسجد کے اندر سو جاتے تھے تو جنوب مغربی مینار کے ساتھ سیڑھی لگتی تھی، وہاں سے میں ایک مکان پر اترتا تھا اور پھر وہاں سے بھی آگے منتقل ہو جاتا تھا اور صبح پھر واپس آ جاتا تھا۔ جب ہم نے اسمبلی میں جا کر ارکان اسمبلی کو ختم نبوّت کے مسئلے پر ہم خیال بنانے کا فیصلہ کیا تو اس رات مَیں مسجد سے بالکل چلا گیا، یعنی اس رات مسجد کے اندر نہیں تھا۔ اس لیئے برقعہ پہن کر نکلنے کی نوبت کیسے آتی؟ لوگوں کے کہنے کا کیا ہے، کوئی کہتا ہے کہ نیازی دیگ میں بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ لاہور سے نکلتے وقت البتہ میں نے دیہاتیوں کا سا لباس پہن لیا تھا مگر داڑھی نہیں منڈوائی۔

فینسی ڈریس میں داڑھی کے بغیر میری جو تصاویر چھپی ہیں وہ میانوالی کے علاقائی لباس میں ہیں۔ ان میں مَیں نے چادر باندھی ہوئی ہے اور سر پر پگڑ ہے اور یہ تصویر تحریک سے پہلے کی ہے۔ داڑھی تو میں نے ۱۹۴۳ء میں رکھی تھی۔ چنانچہ بغیر داڑھی والی تصویر جو میرے

دفتر میں میری گرفتاری کے بعد نکلی تو اس کے متعلق کہا گیا کہ میں نے مسجد وزیر خاں سے نکلنے کے لیئے داڑھی منڈوادی تھی۔ جب مجھے گرفتار کر کے جیل میں لے جایا گیا تو وہاں تحریک کے بیشمار کارکنوں اور لیڈروں نے مجھے دیکھا۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی میری مُنڈی ہوئی داڑھی نہیں دیکھی۔ حالانکہ اگر میں نے داڑھی منڈائی ہوتی تو یہ بات چھپی کیسے رہ سکتی تھی؟ مگر کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو یہ کہہ سکے کہ اس وقت میرے چہرے پر داڑھی نہیں تھی۔ تو یہ ساری باتیں پروپیگنڈہ اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

جولائی ۱۹۵۵ء میں سیلاب آیا تو اس کے بعد میں نے ایک بیان دیا جس میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس کا حساب ہو رہا ہے کہ سیلاب میں کتنا بھوسہ ضائع ہوا ہے، کتنے جانور مر گئے ہیں۔ ''تحریک ختم نبوت'' میں کتنے مسلمان شہید ہوئے، اس کا آج تک کوئی حساب نہیں۔ میں نے کہا افسوس ہے کہ اس جانب کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ اس سلسلے میں میں نے جامع مسجد بیرون شیرانوالہ دروازہ میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ملٹری پر سخت تنقید کی۔ میں نے کہا، ''حساب دو کہ تحریک کے دوران ہمارے کتنے آدمی شہید کیئے گئے ہیں''۔ اس پر مجھے ۸۔ جولائی ۱۹۵۵ء کو پیپلز ہاؤس کے اسی کمرے سے پھر گرفتار کر لیا گیا یعنی کمرہ نمبر ۴ بی بلاک۔ یہ گرفتاری ''بنگال ریگولیشن ۱۸۱۸ء'' کے تحت عمل میں لائی گئی۔

ان دنوں ڈھاکہ میں ایک اسلامک سمپوزیم ہو رہا تھا، مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ سمپوزیم کے لیئے میں نے ایک مضمون تیار کیا تھا۔ ہم لوگ وہاں جانے کے لیئے تیار تھے کہ میری گرفتاری ہوگئی۔ میں نے اپنا مضمون ڈھاکہ بھجوادیا جو کہ وہاں پڑھ کر سنایا گیا۔

مجھے منٹگمری جیل بھیج دیا گیا۔ میری حیثیت سٹیٹ پرزنر (شاہی قیدی) کی تھی۔ اس جیل میں ایک شاہی وارڈ بھی ہوتا تھا۔ مجھے اس میں رکھا گیا۔ اس زمانے میں ایم اے فاروقی سیکرٹری داخلہ تھا۔ اور سکندر مرزا وزیر داخلہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ (نیازی) گڑبڑ پھیلانا چاہتا ہے۔ بنگال ریگولیشن کے خلاف چارہ جوئی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ تاہم میں اپنے دوستوں کو چار پانچ کاغذوں پر دستخط کر کے دیتا گیا۔ تاکہ بعد میں اگر وہ چاہیں تو عدالت سے رجوع کر سکیں۔

گرفتاری کے وقت میں اپنا سامان اور کپڑے وغیرہ ساتھ لے گیا کہ نہ جانے وہ

مجھے کب تک جیل میں رکھیں گے۔شاہی قیدی کی حیثیت سے انہوں نے مجھ سے جیل میں پوچھا کہ یہاں پر آپ کے لیئے"ائیر کنڈیشنڈ" لگوادیں؟اس کمرے کے چاروں طرف برآمدہ تھا، پنکھا تھا۔وہ تو ایسے ہی"ائیر کنڈیشنڈ" بنا ہوا تھا۔برآمدوں کے سامنے چقیں بھی ڈالی ہوئی تھیں۔ ائیر کنڈیشنڈ کی پیشکش پر میں نے جواب دیا:

"سکندر مرزا کی ذات پر زد پڑے تو ضرور لگوا دیجئے،اگر سرکاری خزانے پر بوجھ پڑتا ہے تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں"۔

بنگال ریگولیشن تین صورتوں میں نافذ ہو سکتا تھا۔(۱) مسلّح بغاوت (۲) اندرون ملک گڑ بڑ کرنا (۳) امن وامان تباہ کرنا۔

اب حکومت نے کہ سوچا کہ اندرون ملک گڑ بڑ یا مسلّح بغاوت کا تو سوال نہیں ہے، البتہ میری تقریریں تھیں۔چنانچہ انہوں نے امن و امان کو تباہ کرنے کا الزام لگایا۔ہمارے دوست حکیم محمد انور بابری،(میاں)محمود علی قصوری صاحب کے پاس گئے۔دوسرے دوستوں میں مولوی مشتاق صاحب (ملک مشتاق احمد) جو واپڈا میں ملازم ہیں،میرے ایک کزن حکیم محمد عمر اور احمد سعید ناگی شامل تھے۔ناگی صاحب مغربی جرمنی (فرینکفرٹ میں ہیں) میاں محمود علی قصوری صاحب نے ان دوستوں کی درخواست کے جواب میں کہا کہ قانونی چارہ جوئی کی کوئی صورت نہیں۔میرا کیس میاں محمود علی قصوری اور ذکی الدین پال تیار کر رہے تھے۔محمود علی قصوری نے کہا:بھئی!اگر کوئی راستہ ہوتا تو میں عبدالغفار خاں کے لیئے نہ نکالتا؟کوئی صورت نہیں ہے"۔

حکیم محمد انور بابری صاحب کے والد حکیم محمد شریف بابری صاحب حکیم بھی تھے اور وکیل بھی۔انہوں نے کہا:"نظر بندی کا آرڈر مجھے دکھاؤ"۔نظر بندی کے آرڈر میں امن وامان خراب کرنے کا ذکر کیا گیا تھا۔اس پر حکیم محمد شریف بابری نے کہا کہ بات بن گئی۔انہوں نے کہا کہ جب پراونشل اٹانومی (صوبائی خودمختاری) آئی ہے تو اس کے تحت صوبوں اور مرکز کو حقوق و اختیارات تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔اس کے تحت امن وامان کی بحالی صوبائی حکومت کا کام ہے اور وفاقی حکومت کا اس سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔چنانچہ جہاں تک امن وامان کے تباہ کرنے کا سوال ہے تو یہ مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار میں نہیں۔یہ تو صوبائی حکومت کا کام

ہے۔ اسی نقطے پر بحث ہوتی رہی اور محمود علی قصوری صاحب کے ساتھ حکیم محمد شریف بابری کا صلاح مشورہ جاری رہا۔ رات کے تین بجے ہوں گے کہ قصوری صاحب نے کہا:

''بابری صاحب ہم نے کیس جیت لیا''۔

اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ عبدالحمید دستی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو چھوڑنے کو تیار ہیں، آپ گرفتار نہیں ہیں۔ میری نظر بندی کے خلاف ہائی کورٹ میں رٹ کی گئی تو ججوں میں سے کسی نے کہا کہ اب تو عدالت میں چھٹیاں ہو رہی ہیں، ہم اس کیس کو ۲۳۔ جولائی کے بعد موسم گرما کی تعطیلات ختم ہونے پر سنیں گے۔ اس پر جسٹس کیانی مرحوم نے کہا:

''نہیں۔ اگر ایک آدمی غیر قانونی طور پر نظر بند کیا گیا ہے تو ایک دن کی بھی تاخیر کیوں ہو؟ ہم اس کیس کو چھٹیوں کے اندر سنیں گے''۔

چنانچہ جسٹس ایم آر کیانی (محمد رستم خاں کیانی) نے میرا کیس چھٹیوں کے دوران سنا اور نظر بندی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔

منٹگمری جیل کے سپرنٹنڈنٹ ابراہیم خان ترین تھے۔ بعد میں آئی جی ہو کر ریٹائر ہوئے۔ انہوں نے ہائی کورٹ میں میرے کیس کا فیصلہ ہونے کے متعلق کسی سے سنا تو کہا، ریڈیو کہاں ہے؟ سنا ہے نیازی صاحب! آپ کی رٹ کامیاب ہوگئی ہے۔ خبر درست تھی۔ عطا محمد لغاری ان دنوں ہوم سیکرٹری تھے۔ بابری صاحب ان کے پاس گئے اور کہا کہ ہماری رہائی کا آرڈر ہو گیا ہے۔ آپ ریلیز آرڈر بنا دیں۔ مگر لغاری صاحب نے بہانے بنانا شروع کر دیئے کہ یہ ہے وہ ہے، دیر ہوگئی ہے۔ اس پر بابری صاحب نے کہا، ''اگر آپ نے فوراً ریلیز آرڈر نہ بنایا تو میں آپ کے خلاف بھی عدالت میں چارہ جوئی کروں گا''۔ اس پر عطا محمد لغاری نے جسٹس ایم آر کیانی کو فون کیا کہ بابری صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے آج عبدالستار خاں نیازی کی رہائی کا آرڈر نہ بنایا تو یہ میرے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ دائر کریں گے۔

جسٹس ایم آر کیانی نے کہا، ''ہاں''، ہمارے پاس کیس آئے گا تو دیکھا جائے گا''۔

یہ بات سن کر عطا محمد لغاری گھبرا گئے اور فوراً ریلیز آرڈر بنا دیا۔



۱۹۷۳ء میں مَیں حج کر کے واپس آ گیا۔ بھٹو کی زیادتیاں، اس کی بے دینی اور اس کے مظالم سے لوگ نالاں تھے۔ یہ ساری چیزیں جمع ہوگئیں تو ہم نے اس کے خلاف ۱۹۷۳۔۱۹۷۴ء میں ایک تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہی دنوں ملتان میڈیکل کالج کے طلباء نے ربوہ سٹیشن پر قادیانیوں کے خلاف نعرے وغیرہ لگائے۔ یہ لڑکے جب ٹور سے واپس آئے تو ربوہ سٹیشن پر ان پر (قادیانی) غنڈوں نے حملہ کیا۔ اس سے قادیانیوں کے خلاف سخت اشتعال پھیلا اور ختم نبوت کی تحریک دوبارہ شروع ہوگئی۔ جون ۱۹۷۴ء میں تحریک شدت اختیار کر چکی تھی۔

ربوہ ریلوے سٹیشن پر طلباء پر تشدد کی اطلاع ہمیں راولپنڈی میں ملی جہاں چوہدری ظہور الٰہی کی کوٹھی پر یو ڈی ایف کا اجلاس ہو رہا تھا۔ میرے بھانجے ڈاکٹر محمد اقبال خان نیازی نے مجھ سے ٹیلی فون پر بات کی۔ لائل پور سے صاحبزادہ فضل رسول نے بات کی اور طالب علموں پر قادیانیوں کے تشدد کے متعلق بتایا۔ انہوں نے کہا کہ لڑکے ربوہ سے زخمی ہو کر آئے ہیں، جنہیں ہم نے فیصل آباد میں ریسیو کیا ہے۔ اس پر ہم نے قادیانیوں کے خلاف ریزولیوشن بھی پاس کیا۔

پھر ختم نبوت کے مسئلے پر تمام سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس ہوا اور قادیانیوں کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مجھے اس تحریک کا نائب صدر بنایا گیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی ساتھ تھے۔ ہمیں مسجد وزیر خاں لاہور میں جلسہ کرنا تھا۔ اس سے پہلے ہم نے جمعہ کی نماز مسلم مسجد سرکلر روڈ لاہور میں پڑھی۔ نماز جمعہ سے پہلے ہم نے تقریریں بھی کیں۔ پروگرام یہ بنا کہ ہم نے مسجد وزیر خاں میں جانا ہے اور گرفتاریاں دینی ہیں۔ وہاں پولیس بھاری تعداد میں کھڑی تھی۔ جب ہم گھر واپس آئے تو حنیف رامے وزیر اعلیٰ پنجاب کے ایماء پر ہمیں گرفتار کر لیا گیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں اور دوسرے کئی لیڈروں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر ہم سب کو راوی نیشنل پارک لاہور کے ریسٹ ہاؤس میں لے جایا گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں وہاں سے حوالات منتقل کیا جائے گا مگر نماز عشاء کے بعد آرڈر آ گیا کہ ان لوگوں کو ان کے گھروں میں پہنچا دو۔ یوں کئی گھنٹے کی حراست کے بعد ہمیں رہا کر دیا گیا۔

اب ہمیں سمجھ آیا کہ دراصل یہی جہاد ہے۔جس کا ج کے دوران ہمیں حکم دیا گیا تھا۔ ہم نے اس مقصد کے لیئے ملک گیر جدو جہد کی، بہت کام کرنا پڑا۔ہم بالآخر کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں جب بھٹو نے قادیانیوں کے متعلق مطالبے کو مان لیا اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مولانا شاہ احمد نورانی کی قرارداد پر اتفاق ہو گیا تو اس پر بھٹو نے نورانی صاحب کو کہا کہ تم لوگ تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ گے اور قادیانی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں وہ مجھے گالیاں دیں گے، بدنام کریں گے، اس وقت تم میری کیا مدد کر سکو گے؟

اس موقع پر دوسرے علماء بھی موجود تھے۔نورانی صاحب نے کہا، ان باتوں کا ہم جواب دیں گے، پہلے بھی ہم دورے کرتے رہے ہیں اب بھی کریں گے اور اپنے خرچے پر کریں گے۔

نومبر دسمبر ۱۹۷۴ء میں مَیں اور نورانی صاحب اندرون ملک دورہ کر رہے تھے۔ فیصل آباد، جڑانوالہ سے ہو کر ہم ملتان جا رہے تھے کہ کراچی واپس جانے کے بعد نورانی صاحب کا ٹیلی فون آ گیا کہ عالمی دورے کا انتظام ہو گیا ہے۔چنانچہ ہم فوراً کراچی پہنچ گئے۔وہاں مولانا نورانی نے ایسے ہی دوستوں کے سامنے اپنے پروگرام کا ذکر کیا، ایک دوست نے پوچھا، آپ کے دورے پر کتنا خرچ آئے گا؟ مولانا نورانی نے کہا کہ پہلے ہم حج کریں گے، اس کے بعد ہم مشرقی افریقہ کینیا کے شہر نیروبی جائیں گے اور وہاں سے سارے ملک کا دورہ کرتے ہوئے ممباسہ جا کر نیروبی واپس آئیں گے اور یہاں سے ماریشس، جبوتی، پیرس، لندن، مانچسٹر، بریڈ فورڈ اور پھر امریکہ جائیں گے۔وہاں سے ہم جزائر کیریبین، جنوبی امریکہ، سرینام وغیرہ کا دورہ کریں گے۔اس دوست نے کہا کہ اس دورے کا خرچ بتاؤ، کتنا ہو گا؟ وہیں دوستوں نے حساب لگایا کہ تین آدمیوں کے دورے پر نوے ہزار روپیہ خرچ ہو گا۔

۲۰۔دسمبر ۱۹۷۴ء کو نورانی صاحب سمیت ہم تین آدمی اس عالمی دورے کے لیئے روانہ ہوئے۔پہلے ہم سعودی عرب گئے، وہاں ہم نے حج کیا اور وہاں سے پھر آگے دورے پر روانہ ہوئے۔علامہ ارشد القادری مدینہ شریف سے وفد میں شامل ہو گئے۔

اس دورے کے دوران عجیب واقعات پیش آئے۔ہر قدم پر اللہ کی نصرت شامل

رہی۔اس عالمی دورہ کے سلسلے میں کینیا کا دورہ کرنے کے بعد آخر میں ہم ممباسہ آئے۔یہ وہاں کی بندرگاہ ہے۔یہاں ہم نے تین روز تک جلسے کیے۔ہم نے وہاں عربی، اردو، پنجابی، انگریزی اور سواحلی زبان میں لوگوں سے خطاب کیا۔سواحلی زبان عربی کے قریب ہے۔ان دونوں میں بولنے کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں۔جو عربی جانتا ہے وہ سواحلی بھی جانتا ہے۔اس دورے کے دوران مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ہماری تقریریں سنتے تھے۔چھ ہندوؤں، آٹھ انگریزوں اور غیر مسلموں نے اس دورے کے دوران اسلام قبول کیا۔

وہاں ایک اجنبی شخص ہمارے پاس آیا اور اس کے بتایا کہ ممباسا کے نواحی گاؤں میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ایک سو بیس سال سے زائد ان کی عمر ہے۔بیمار ہیں اس لیئے وہ خود نہیں آسکتے۔انہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ پاکستان سے ایک قافلہ آیا ہوا ہے، انہیں میرا اسلام کہو اور انہیں بشارت دو کہ نبی پاک ﷺ تمہارے اس دورے سے بہت خوش ہیں اور تمہارا یہ سفر مقبول ہے۔

۱۵۔اپریل ۱۹۷۵ء کو ہم لوگ عالمی تبلیغی دورہ مکمل کر کے کراچی واپس پہنچے۔اس موقع پر لوگوں نے ہمارے استقبال کے لیئے ایک جلوس نکالا۔ساٹھ ستر ہزار لوگ تھے۔ایم اے جناح روڈ پر عیدگاہ میں جلسہ ہوا"۔

☆☆☆

"ختمیتِ امامِ رسالت، نظریۂ پاکستان کی اساس ہے، اگر اسے ختم کر دیا گیا تو پھر پاکستان کا تصور بھی ختم ہو جائے گا۔اِس کا انکار غدّاری ہے"۔

(مولانا عبدالستار خان نیازی کا بیان، ۲۸۔فروری ۱۹۵۳ء، لاہور)

☆/☆/☆/

دار و رسن کی آزمائش

(زُبدۃ الحکماء حکیم آفتاب احمد قریشی مرحوم)

مولانا عبدالستار خاں نیازی نے زندگی میں بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ وہ دار و رسن کی آزمائش سے بھی گزرے۔ ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز ہوا تو مولانا نیازی پیش پیش تھے۔ گرفتار ہوئے اور تحریک کے اختتام پر رہا ہوئے۔ مولانا نیازی کی تحریک کا ایک اہم کارنامہ ''تحریک ختم نبوت'' کی قیادت ہے۔

۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک کا آغاز ہوا۔ قائدین کے گرفتار ہونے کے بعد یہ تحریک کسی رہنما سے محروم تھی۔ مولانا نیازی میدان عمل میں کود پڑے۔ انہوں نے مسجد وزیر خاں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ مسجد وزیر خاں میں بیٹھ کر وہ لاہور بلکہ پورے پنجاب کے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے۔ میں لاہور سے باہر تھا۔ نیازی صاحب کے کئی پیغام مجھے وصول ہوئے کہ میں ان سے ملوں۔ میں جمعرات کو واپس لاہور پہنچا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد وزیر خاں کا عزم کیا تو راستے میں سپاہیوں نے روک لیا کہ مارشل لاء کا نفاذ ہو گیا ہے۔ نیازی صاحب مسجد وزیر خاں میں بڑی ہمت اور جرأت سے رہنمائی کرتے رہے اور احباب کے مشورے پر فیصلہ ہوا کہ وہ لاہور سے نکلیں اور تحریک کو دوسرے اضلاع میں بھی پھیلائیں۔ مسجد سے ملحقہ ایک مکان میں انہوں نے رات بسر کی اور دوسرے روز وہ لاہور سے نکلے۔ جو احباب ان کے شریک سفر تھے، وہ مولانا کی جرأت و ہمت اور بہادری پر ششدر تھے۔ لاہور سے نکلنے کے بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ان کے بارے میں بڑی غلط قسم کی افواہیں پھیلائی گئیں۔ ان کے سامان کی تلاشی کے دوران ان کی جوانی کا ایک فوٹو برآمد ہوا تو پولیس نے یہ فوٹو چھاپ دیا اور کہا کہ مولانا نیازی نے داڑھی مونڈوا دی تھی۔ یہ الزام قطعی غلط اور بے بنیاد تھا۔ مولانا نیازی نے داڑھی نہیں مونڈوائی تھی۔ یہ بچپن کا فوٹو تھا۔ اس فوٹو میں وہ دبلے پتلے انسان نظر

آتے ہیں اور جس زمانے میں مولانا مسجد وزیر خاں میں تھے، ان کا جسم مائل بہ فربہی تھا۔ گرفتار کرنے کے بعد مولانا نیازی پر مقدمہ چلایا گیا۔ ان کی پامردی اور جرأت کو دیکھ کر عدالت کے تمام حضرات انگشت بدنداں تھے۔ جس روز عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا سنائی، مولانا نے بڑی مسرت سے کہا کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ انہوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور والہانہ انداز میں جھومنے لگے اور بار بار یہی فقرہ ان کی زبان پر تھا کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جیل کے حکّام کمرہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے سمجھا کہ عدالت نے مولانا کو رہا کر دیا ہے، اس لیئے وہ فرحت و مسرت سے جھوم رہے ہیں۔ مولانا نیازی کو پھانسی پانے والوں کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ کال کوٹھڑی میں کوئی الگ غسل خانہ نہ تھا۔ ہر لحہ پھانسی پر لٹکائے جانے کا امکان تھا۔ مولانا نیازی ہشاش بشاش تھے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ رحم کی اپیل کریں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جیل کے حکّام ان کی جرآت و ہمت پر ششدر تھے۔ پھانسی کی سزا ہی ایسی ہولناک چیز ہے کہ بڑے بڑوں کے دل لرز جاتے ہیں اور موت کی سزا پانے سے قبل ہی وہ نیم جان ہو جاتے ہیں۔ سالہا سال کے بعد کوئی ایسا مجرم آتا ہے جو جرأت و ہمت سے جان دیتا ہے۔ جیل کے حکّام کا کہنا تھا کہ انہوں نے مولانا نیازی جیسا بہادر انسان نہیں دیکھا۔ مولانا نیازی کئی دن پھانسی کی کوٹھڑی میں رہے۔ حکومت نے خود ہی سزا میں تخفیف کر دی اور کچھ عرصہ بعد وہ رہا کر دیئے گئے۔ مگر جلد ہی انہیں ایک تقریر کی پاداش میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ قید و بند تو مولانا کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ انہیں اکثر سنت یوسفی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا ہوئی۔ وہ دار و رسن کی آزمائش سے گزرے ہیں۔ حق گوئی و بیباکی ان کا شعار ہے۔

(''کاروانِ شوق'' تالیف حکیم آفتاب احمد قرشی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء صفحہ ۳۷۴، ۳۷۵)



تحریکِ ختمِ نبوّت کا اہم کردار

(حکیم محمد انور بابریؒ۔۔۔۔۔۔۔لاہور)

مولانا عبدالستار خاں نیازی نے ۱۹۵۳ء میں ''تحریک ختم نبوت'' میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مجلس عمل کے اراکین کراچی میں گرفتار ہوئے تو لاہور میں تحریک ڈبڈبانے لگی۔ نیازی صاحب اس وقت ڈٹ کر سامنے آئے اور مسجد وزیر خاں میں زبردست تقریر کی اس سے پانسہ پلٹ گیا اور دوسرے روز شہریوں کا ہجوم ''تحریک ختم نبوت'' میں شامل ہوکر خود کو گرفتاری کے لیئے پیش کرنے کی خاطر گورنر ہاؤس اور وزیراعلیٰ ممتاز دولتانہ کی کوٹھی پر امڈ آیا۔ فردوس شاہ نامی ایک ڈی ایس پی پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ قابو پانے کے لیئے آیا۔ کسی نے ہجوم کو بتادیا کہ اس ظالم نے قرآن مجید کو ٹھوکریں ماری ہیں۔ اس پر بپھرے ہوئے نوجوان خنجر لے کر ڈی ایس پی پر حملہ آور ہوئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کہتے ہیں کہ فردوس شاہ کے قتل کی خبر دولتانہ صاحب کو پہنچی تو انہوں نے اپنے سیکرٹری ذاکر قریشی (اَف سرگودھا) کو اس قتل کیس میں مولانا نیازی کو دھر لینے کا حکم دیا۔ اس دوران پانچ مارچ کو مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ پولیس نیازی صاحب کی تلاش میں تھی۔ انہوں نے خود کو گرفتاری کے لیئے پیش کرنا چاہا مگر احباب نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ جب تک ۹۔ مارچ کو پنجاب اسمبلی میں تقریر نہیں کر لیتے گرفتاری مفید نہیں۔ بعد میں اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ نیازی صاحب پہلے تو لاہور میں ہی کسی جگہ ٹھہرے تھے پھر احباب نے فیصلہ کیا کہ انہیں یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو قصور لے جایا گیا۔ اس وقت لاہور شہر کے چاروں طرف فوج کا گھیرا تھا۔ فوج اور پولیس ہر آنے والے کی تصویر لیتی۔ مگر مولانا نیازی کسی نہ کسی طرح اس گھیرے میں سے بخیر و عافیت گذر جانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ یہ پولیس کے لیئے زبردست بدنامی کا باعث تھا۔ پولیس نے خفت مٹانے کے لیئے میرے مکان سے نیازی صاحب کی زمانہء طالب علمی کی ایک تصویر برآمد کی۔ (نیازی صاحب ۱۹۴۲ء تک داڑھی

منڈواتے تھے) اور یہ کہہ کر اخبارات میں شائع کروادی کہ نیازی داڑھی منڈوا کر بھاگ نکلا ہے۔ بدقسمتی سے اب بھی کئی لوگ پولیس کی اس مکروہ حرکت کو صداقت کا نام دیتے ہیں۔ قصور (مکان شیخ فضل دین گلی مہتیا نوالی) میں نیازی صاحب گرفتار ہوئے تو بغاوت اور فردوس شاہ کے قتل کے جرم میں آپ کو سزائے موت سنادی گئی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہوئی اور دو سال ایک ماہ بعد کالعدم ہوئی۔

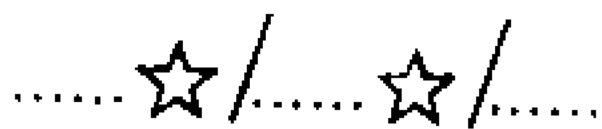
(ہفت روزہ "الہام" بہاولپور، مجاہد ملت ایڈیشن بابت ۲۸۔مئی ۱۹۸۷ء صفحہ ۴۶، ۴۷)



"اُن دنوں لاہور کی فوجوں کی کمانڈ جنرل اعظم کے ہاتھ تھی۔ ہم نے لوگوں پر گولیوں کی بارش ہوتے دیکھی، گلے میں لٹکتے ہوئے قرآن زمین پر گرتے دیکھے، ختمِ نبوّت کے پروانوں کے لاشے خاک وخون میں تڑپتے دیکھے۔ ہم دل شکستہ لوگ ۔۔ لفگار لوگ یہ مناظر دیکھتے تو آنکھوں سے آنسو بہہ جاتے۔ ہم شکستہ جان ہوکر مولانا نیازی کے پاس مسجد وزیر خاں میں پہنچے۔ ہمیں غمزدہ دیکھ کر کہنے لگے:

"فکر نہ کرو! یہ جنرل اعظم نہیں، یہ "خرِ اعظم" ہے جو دولتیاں جھاڑ رہا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ ختمِ نبوّت پر قربان ہونے والوں کا خون رنگ لائے گا"۔

(مجالسِ علماء، علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۳۲۹، ۳۳۰)



﴿مارشل لاء کی عدالت سے سزا پانے والے حق پرست﴾

(ڈاکٹر ظہور احمد اظہر سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور)

۱۹۵۳ء میں جب ''تحریک ختم نبوت'' چلی تو میں اس زمانے میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مولوی بنوں یا ماسٹر یا پھر اپنے آباؤ اجداد کے پیشہ کشاورزی کو اپنا لوں۔ یہ وہ وقت تھا جب علماء کرام پنجاب کے طول و عرض میں اپنی شعلہ بیانی سے آگ لگا رہے تھے۔ مسلم لیگ کے نام کو بٹہ لگانے والوں کی بدعنوانیوں کے قصوں نے سب کو بیزار کر دیا تھا، مختلف علماء کرام کی تقاریر سننے کا اتفاق ہوا۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی کی سرفروشانہ قیادت اور قلندرانہ سیاست کی داستانیں زبان زد عام تھیں۔

یاد نہیں کہ یہ میرا شوق شہادت تھا یا علماء کرام کی کرامت تھی کہ میں بھی ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے ''تحریک ختم نبوت'' میں شامل ہو گیا، ایک مراہق نوجوان جو جذبہ ایمان کے ساتھ ہمت بھی رکھتا تھا، مولانا عبدالستار خان نیازی کی پیروی میں اس تحریک کا پرجوش کارکن ہی نہیں بلکہ شعلہ بار مقرر بن گیا۔ خوشاب اور سرگودھا کے بڑے بڑے لیڈر جب گرفتار ہو گئے تو جلسوں کو گرمانے والے خطباء کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اس وقت داڑھی مونچھ کے منتظر نوجوان ''مولوی'' کا دم غنیمت سمجھا گیا۔ چھپ چھپ کر ایک لڑکا چادر اوڑھ کر کبھی چپکے سے خوشاب کی جامع مسجد کے ''اجتماع ختم نبوت'' میں نمودار ہوتا اور غائب ہو جاتا اور کبھی سرگودھا کی جامع مسجد میں یہ کردار دہرایا جاتا۔ آخر خوشاب کی جامع مسجد سے ایک رات چھپ چھپا کر نکلتے ہوئے گرفتار ہو گیا اور شاہ پور جیل میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں چند دن کی ''مہمان نوازی'' کے بعد ایک دن ایک اڑتی ہوئی خبر سنائی دی کہ اس کم عمر بچے کو خوشاب کے باقی گرفتار شدگان سے الگ کر کے ''بورسٹل جیل'' (بچوں کی جیل) میں منتقل کر دیا جائے گا۔ بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ گرفتاری کے ریکارڈ میں عمر زیادہ لکھوا دی جائے، چنانچہ ''مک مکا'' کے ذریعے ایسا ہی ہوا۔

تاہم یہاں سے سب کو لاہور کی سنٹرل جیل (جہاں اب شادمان کالونی آباد ہے یہاں کبھی یہ جیل ہوا کرتی تھی) میں منتقل کر دیا گیا، یہاں آ کر پتہ چلا کہ جس وارڈ میں ہم نازل

ہوئے ہیں یہاں کبھی ''بم کیس'' کے قیدی رہا کرتے تھے، اس لئے اسے ''بم کیس وارڈ'' کہا جاتا تھا، یہ بھی پتہ چلا کہ ہمارے آئیڈیل مولانا عبدالستار خاں نیازی بھی پاس ہی وارڈ میں ہیں اور فوجی عدالت میں ان کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔ امید بندھی کہ شاید کسی دن مولانا نظر آ جائیں مگر ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' کے مترادف ایک رات ہمیں لاہور سے اٹھا کر ملتان کی سنٹرل جیل میں پھینک دیا گیا۔ یہاں آ کر یہ المناک خبر سنی کہ فوجی عدالت نے مولانا عبدالستار خاں نیازی کو موت کی سزا سنا دی ہے۔

ملتان سنٹرل جیل میں ہمیں ایک خاص وارڈ میں بند کر دیا گیا جسے جیل والے ''سیکورٹی وارڈ'' کہتے تھے، ہم سے پہلے بھی اس وارڈ میں ایک مشہور سیاسی رہنما اور اس کے اکیس ساتھی نظر بند رہے تھے۔ یہ وارڈ اس لیئے بھی نمایاں تھی کہ اس میں پھلدار درخت بھی لگے ہوئے تھے، میرے ساتھ جو لوگ تھے وہ جیل کی اس وی آئی پی وارڈ میں ایک لحاظ سے بخوشی رہ رہے تھے۔ مگر سزائے موت کی یہ غمناک خبر سب پر ایک بجلی بن کر گری اور سب کو غم و فکر سے نڈھال کر گئی۔ میں تمام رات کروٹیں بدلتا رہا اور ایک لمحہ کے لیئے بھی نیند نہ آ سکی۔ مولانا کی جدائی کا بھی غم تھا مگر اس سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ خدانخواستہ اس سزا پر عمل بھی ہو گیا تو اپنے آئیڈیل کے آخری دیدار سے محروم اور بے بسی میں مقید رہنا پڑے گا، اس کے بعد مسلسل یہی کیفیت رہی کہ اپنا یا اپنے گھر والوں کا خیال تو کبھی کبھی آتا مگر باہر کی دنیا کی تمام خبروں میں سب سے زیادہ اہم خبر یہی رہ گئی تھی کہ مارشل لاء عدالت سے سزا پانے والے حق پرست مولانا عبدالستار خاں نیازی کا کیا بنا؟ کافی عرصہ یہی سلسلہ رہا، بالآخر ایک دن یہ پتہ چلا کہ سزائے موت عمر قید میں بدل دی گئی ہے۔ اس خبر سے قدرے اطمینان ہوا اور یہ امید بندھی کہ کبھی نہ کبھی اسیر باہر آ ہی جائیں گے۔ اور شرف ملاقات نصیب ہو گا۔ مجھے اب یہ یاد نہیں کہ کئی ماہ کی نظر بندی کے بعد جب ملتان جیل سے رہا ہوئے اور دنیا کے دوسرے چکروں میں پڑ گئے مولانا نیازی کب اور کیسے اور کس طرح جیل سے رہا کیئے گئے''۔

(ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ''مقدمہ'' بر کتاب ''نگارشات مجاہد ملت'' مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء)

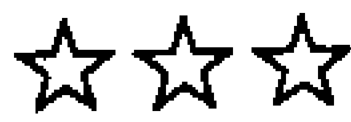
☆☆☆

پیغام برائے ختم نبوّت کانفرنس ۱۹۹۸ء

(۱۵۔۱۶۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو "عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوّت" کے زیر اہتمام چنیوٹ میں ستر ہویں "ختم نبوّت کانفرنس" انعقاد پذیر ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت مجاہد ملّت رحمتہ اللہ علیہ نے جو پیغام ارسال فرمایا وہ درج ذیل ہے۔ پڑھیئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے) (قصوری)

"عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت ستر ہویں ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد مسلمانوں کی اس جدو جہد کا ثمرہ ہے جو انہوں نے ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں کی۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کا یہ مشترکہ پلیٹ فارم گزشتہ سو سال سے جھوٹے مدعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی کی ارتدادی سرگرمیوں کے سدّ باب کے لیئے مصروف عمل ہے۔ سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے پیر مہر علی شاہؒ کو مدینہ منورہ سے واپس بھیجا کہ ان سے ایک بہت بڑے فتنہ کی سرکوبی کا کام لیا جائے گا۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا ابوالحسنات قادریؒ اور دیگر علماء کرام نے پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بننے سے بچانے کے لیئے تحریک چلائی۔ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیئے جدو جہد ساحل کامرانی سے ہمکنار ہوئی۔ آج قادیانی پوری دنیا میں مسلمان بن کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔ اس لیئے تمام علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیئے مشترکہ جدو جہد کریں"۔

(روز نامہ "جنگ" لاہور بابت ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء)



"مولانا نیازی کو جب فوجی عدالت نے سزائے موت سنائی تو اُن کی پیشانی پر فتح وکامرانی کی جھلک نمایاں تھی"۔

(علامہ اقبال احمد فاروقی)



مولانا عبدالستار نیازی کی گرفتاری اور پھانسی کی سزا

(پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔۔۔۔۔۔۔۔۔لاہور)

(مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم عالیہ نے تبلیغ واشاعت اسلام کے لیئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، ان کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اللہ کریم نے انہیں تقریر و تحریر میں یکساں ملکہ عطا فرمایا ہے۔ پوری دنیا میں ان کے ''ادارہ منہاج القرآن'' کی شاخیں قائم ہو چکیں ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ان کی کتاب مستطاب ''عقیدہ ختم نبوّت اور فتنہء قادیانیت'' مطبوعہ ''ادارہ منہاج القرآن'' لاہور جنوری ۱۹۹۹ء ہے جس کے صفحہ ۳۴۷ تا ۳۵۰ سے مجاہد ملّت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ کی ''تحریک ختم نبوّت ۱۹۵۳ء میں گرفتاری و سزائے موت کی مختصر داستان من وعن نقل کی جارہی ہے۔) (قصوری)

''قصور میں آپ جن لوگوں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، انہوں نے غداری کرتے ہوئے ملٹری کو بتادیا۔ آپ صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ اپنے کارکن بشیر احمد مجاہد کے ہمراہ گرفتار لیئے گئے۔

قصور سے گرفتار کر کے آپ کو لاہور شاہی قلعہ لایا گیا۔ یہاں سے بیانات لینے کے بعد ۱۶۔اپریل (۱۹۵۳ء) کو آپ جیل منتقل کر دیئے گئے اور آپ کو چارج شیٹ دے دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا، جو ۱۷۔اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔

۷۔مئی کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن آپ کو بلا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے ۹ (نو) اور ملزم بھی تھے مگر ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل کا کیس ثابت نہ ہوسکا اور آپ کو بری کر دیا گیا۔

دوسرا کیس بغاوت کا تھا، جس میں آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا جو اس طرح تھا:

"YOU WILL BE HANGED BY NECK TILL -YOU ARE DEAD"

”تمہاری گردن پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے“

آرڈر سناتے ہوئے افسر نے کہا:

افسر: ”PLEASE SIGN IT“ ”اس پر دستخط کر دیجیے۔“

علامہ نیازی: ”I WILL SIGN IT WHEN I WILL KISS THE ROP“

”میں جب پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا اس وقت اس پر دستخط کروں گا۔“

افسر: ”YOU WILL HAVE SIGN IT“

علامہ نیازیؒ:

"I AM ALREADY TOLD YOU THAT I WILL SIGN IT WHEN I KISS THE ROP"

”میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جس وقت پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا اس وقت دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں اور آپ کے پنجوں میں ہوں، مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو“۔

افسر:

"MR.NIAZI! OUR OFFICERS WILL ENQUIRE FROM US WHETHER YOU WERE SERVED WITH THE NOTICE IN DEATH WARRANT"

مسٹر نیازی! ہمارے آفیسرز ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے نوٹس دے دیا ہے یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔“

مولانا نیازی:

"IF YOU SO FEAR FROM YOUR OFFICERS WELL ! SIGN IT FOR YOU".

”اگر آپ کو اپنے افسران کا اتنا ہی خوف ہے تو آپ کی خاطر میں اس پر دستخط کیے دیتا ہوں۔“

چنانچہ آپ نے بڑے اطمینان سے اس پر دستخط کر دیئے۔ افسر نے آپ کی ہمت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''ہم میری ہمت (MORAL) کے بارے میں پوچھتے ہو، وہ تو آسمانوں سے بھی بلند ہے، تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔''

افسر کے جانے کے بعد جب آپ کمرے میں اکیلے رہ گئے تو تائید ایزدی سے آپ کو سورہ ملک کی یہ آیت یاد آ گئی، ''خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا''۔ آپ نے اس آیت سے یہ تاثر لیا کہ موت وحیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے۔ اگر اس مقصد کے لیئے جان بھی جائے تو اس سے بڑی زندگی کیا ہو سکتی ہے۔

ایک لمحہ کے لیئے آپ پر خوف کا حملہ ہوا، لیکن فوراً زبان پر یہ شعر آ گیا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

آپ وجد کی حالت میں یہ شعر بار بار پڑھتے اور جھومتے۔ اسی عالم میں آپ کمرے سے باہر آ گئے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات نے یہ خیال کیا کہ ملٹری کورٹ نے آپ کو بری کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا:

''نیازی صاحب! مبارک ہو آپ بری ہو گئے!

آپ نے فرمایا! ''میں اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں''۔

اس نے کہا، ''کیا مطلب!''

آپ نے فرمایا: ''اب انشاءاللہ! حضور پاک ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی فہرست میں میرا بھی نام ہوگا''۔ وہ پھر بھی نہ سمجھا تو آپ نے فرمایا، ''میں کامیاب ہو گیا''۔

آپ کی سزائے موت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ ادھر جیل کے قیدی تک آپ کو دیکھ کر روتے تھے۔ جب آپ کو پھانسی کی کوٹھڑی میں لے جایا گیا تو آپ نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ کتنے عاشقان رسول (ﷺ) جام شہادت نوش کر رہے ہیں، اگر میں بھی اس نیک مقصد کے لیئے جان دے دوں تو میری یہ خوش قسمتی ہوگی''۔

حضرت مولانا نیازی سات دن اور آٹھ راتیں پھانسی کی کوٹھڑی میں رہے اور ۱۴۔ مئی (۱۹۵۳ء) کو آپ کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی اور پھر مئی ۱۹۵۵ء میں آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔

رہائی کے بعد پریس والوں نے ایک دفعہ آپ کی عمر پوچھی تو فرمایا:

''میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموس مصطفیٰ علیہ السلام کی خاطر پھانسی کی کوٹھڑی میں گزار دی ہیں کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی۔۔۔۔ مجھے اپنی اس زندگی پر ناز ہے۔''

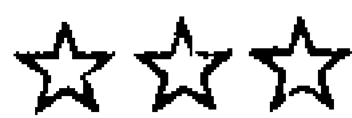
ہر حال میں حق کا اظہار کریں گے
منبر نہیں ہو گا تو سرِ دار کریں گے
جب تک بھی دہن میں ہے زبان سینے میں دل ہے
کاذب کی نبوّت کا ہم انکار کریں گے



''قطعیتِ احکامِ رسالت''

''زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے کے لئے اُس کے آخری بلا واسطہ نائب جناب خاتم النبیین الرسلین محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام، اعمال اور روایات، حدیث وسنت سے متعلقہ علوم کے مطابق اُن کی فرضیت کا درجہ مقرر کرنے کے بعد حکومت کے ہر شعبہ کے لئے دوسرا واجب التعمیل ماخذ اور وسیلۂ اقتدار ہوں گے''

(مولانا نیازیؒ)



کلماتِ تحسین

(مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ)

(مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ نے ''کلماتِ تحسین'' کے زیرِ عنوان جناب صادق علی زاہد کی کتاب ''علماءِ حق اور ردّ فتنہء مرزائیت'' مطبوعہ گنبدِ خضرا پبلی کیشنز لاہور جنوری ۲۰۰۱ء صفحہ ۵ تا ۶، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا بڑا ہی ایمان افروز مظاہرہ فرمایا ہے جو قارئین کے استفادہ کے لیئے من وعن نقل کیا جاتا ہے۔) (قصوری)

''زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے کے لیئے اس کے آخری بلاواسطہ نائب خاتم النبیین علیہ ﷺ ہیں۔ اسلام ان کے احکام، اعمال اور روایات حدیث وسنت سے متعلقہ علوم کے مطابق ان کی فرضیّت کا درجہ مقرر کرنے کے بعد حکومت کے ہر شعبے کے لیئے قطعیت فرامین کتاب (قرآن) کے بعد دوسرا واجب التعمیل مآخذ اور واسطہء اقتدار ہے۔ جو شخص ختمیت احکام رسالت کے مقام ومرتبہ کو نہیں سمجھتا اس کے ایمان میں خلل ہے، ملّت اسلامیہ کا وجود حضور علیہ ﷺ کی خاتمیت پر خلوص دل کے ساتھ ایمان واعتقاد کا درجہ رکھتا ہے۔

بقول اقبالؒ ؎

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد
لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است
پردہء ناموس دین مصطفیٰؐ است

بنا بریں تحریک پاکستان میں ہماری قومیت کی بنیاد عشق واطاعتِ رسول علیہ ﷺ کی پابندی ہے۔ منکرین ختم نبوّت کی گمراہی اور ضلالت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہر مسلمان مقام مصطفیٰ علیہ ﷺ کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ علیہ ﷺ کے نفاذ کے لیئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔

جن لوگوں نے اس موضوع پر تحریر وتقریر کا کام کیا ہے وہ ان کے لیئے دنیا میں عزت وعظمت اور وقار کا باعث اور آخرت میں نجات کا ضامن ہوگا۔ حکیم الامتؒ نے اسی جذبے کے

پیشِ نظر ارشاد فرمایا ہے

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است

اگر توحید تلوار ہے تو اس کی کاٹ رسالت ہے

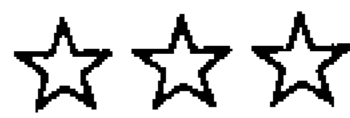
لاالہ تیغ و دمِ او عبدہ،
فاش تر خواہی بگو ھو اعبدہ،

ہزار ہا لوگوں نے عقیدۂ خاتمیت پر بہت کچھ لکھا ہے چونکہ تا قیامِ قیامت حضورﷺ تمام امم وانبیاء کے شاہد ہیں، اس لیئے یہ سلسلہ عالیہ ختم نہیں ہوسکتا۔

عزیزی صادق علی زاہد نے ''علماءِ حق اور ردِ فتنۂ مرزائیت'' کے زیرِ عنوان جو تحریر کیا ہے، قابلِ قدر ہے اور وقت کی ضرورت ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بقول اقبالؒ

رونق از ما محفل ایام را
اُو رُسل را خاتم ما اقوام را

اسے ملّت کے لیئے باعثِ رونق بنائے۔ (آمین)



''مولانا عبدالستار خان نیازی صاحبؒ نے قادیانیوں کے خلاف تحریک میں ایک مجاہدِ کبیر کا کردار ادا کیا اور اپنی جان کی بازی لگادی''

(میاں طفیل محمد سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان)



﴿تحریک ختمِ نبوّت کے رُوحِ رواں﴾

(علامہ عبدالمصطفیٰ الازہریؒ۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی سے میری پہلی ملاقات ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء میں ہوئی تھی۔ جبکہ ان کو مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم نے جامعہ محمدی شریف (ضلع جھنگ) کے سالانہ جلسہ میں دعوت دی تھی۔ اتفاقاً ان کو ایک شہزور گھوڑے پر سوار کر دیا گیا جوان کو لے کر دوڑ پڑا۔ چونکہ وہ ماہر شہسوار تھے انہوں نے اس گھوڑے پر قابو پالیا اور دور تک دوڑا کر اور تھکا کر واپس جامعہ لائے۔

دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب کہ مرزائیوں، قادیانیوں کے خلاف لاہور اور پورے پاکستان میں پہلی تحریک چلی، اکابر علماء اور مجلس عمل کے اکثر لوگوں کو سوائے مولانا مودودی اور احتشام الحق تھانوی کے گرفتار کرلیا گیا تھا اور یہ گرفتاری کراچی میں ہوئی تھی۔ لاہور میں اکابر مجلس عمل سے سوائے دو آدمیوں کے کوئی نہ رہ گیا تھا۔ ایک مولانا داؤد غزنوی (اہلحدیث) اور دوسرے مولانا مفتی محمد حسن (دیوبندی)۔ مولانا خلیل احمد قادری (ابن مولانا ابوالحسنات قادریؒ) نے دونوں سے ملاقات کی۔ ان دونوں نے تحریک کی قیادت سے انکار کر دیا، پہلے نے دل کی بیماری کا بہانہ بنایا اور دوسرے نے لیس علی الجرح من جرح کا بہانہ بنایا۔ مولانا خلیل صاحب نے بتایا کہ تب حضرت مولانا نیازی نے مرکز تحریک یعنی مسجد وزیر خاں میں تشریف لاکر تحریک کی قیادت سنبھالی اور تا آخر جوانمردی سے ڈٹے رہے حتیٰ کہ ان کو گرفتار کرلیا گیا۔

اخبارات میں ان کی ایک پرانی تصویر اس زمانہ کی شائع کی گئی جب مولانا داڑھی نہیں رکھتے تھے اور یہ ظاہر کیا گیا کہ انہوں نے داڑھی منڈوالی ہے۔ اس کے بعد ان کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ پھر حکومت نے اس سزا کو عمر قید میں بدل دیا۔ اس زمانہ میں مَیں نے مولانا سے مسجد وزیر خاں میں ملاقات کی تھی۔

(مضمون، "ختم نبوّت کے روح رواں" از علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مشمولہ "نذر مجاہد ملت" مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء صفحہ ۵۳ تا ۵۴)

﴿تحریکِ ختمِ نبوّت کے قائد﴾

(سیّد انور قدوائی روزنامہ ''جنگ'' لاہور)

مجاہد ملّت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی میرے بزرگ اور والد گرامی مولانا سیّد امیرالدین قدوائیؒ کی وفات کے بعد سرپرست ہیں اور بچوں کی طرح مجھ سے شفقت اور محبت بھی فرماتے ہیں۔ میرا ان سے ایک اور رشتہ بھی ہے وہ روحانی تعلق ہے کہ میں فریدالعصر حضرت میاں علی محمد خاں علیہ الرحمہ بسّی شریف والوں سے بیعت ہوں اور حضرت مولانا نیازی صاحب کا بھی ان سے روحانی تعلق رہا ہے بلکہ حضرت میاں صاحب، مولانا نیازی صاحب سے بڑی محبت کیا کرتے تھے۔

۱۹۵۳ء کے مارشل لاء میں جب حضرت مولانا نیازی صاحب، ''تحریک ختم نبوّت'' کی قیادت فرمارہے تھے، حضرت مولانا ابوالحسنات قادریؒ جو ان دنوں جمیعت علماء پاکستان کے بانی صدر اور سوادِ اعظم اہلسنت کے قائد تھے اور دوسرے علماء کرام اور مشائخ عظام کو حکومت نے پہلے ہی روز گرفتار کرلیا تھا۔ مولانا نیازی اس روز جامع مسجد وزیر خاں میں تھے جب لاہور میں جنرل اعظم خاں کا مارشل لاء لگایا گیا۔ اس وقت کے حکمرانوں کو اللہ کے حضور اس کا جواب دینا ہوگا۔ انہوں نے شاہراہ قائد اعظم پر ختم نبوّت ﷺ کے متوالوں، جانثاروں اور دیوانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ ''نعرہ ء رسالت، یارسول اللہ'' کی گونج میں ایک دو نہیں سینکڑوں مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ مسجد وزیر خاں میں نماز جمعہ کا اجتماع تھا کہ فوج نے مسجد کا گھیراؤ کرلیا اور مسجد کے اندر موجود تمام لوگ قید ہوگئے۔ ان میں حضرت مولانا ابوالحسناتؒ کے صاحبزادے مرحوم مولانا خلیل احمد قادری، علامہ محمود احمد رضوی اور دوسرے علماء کرام کے علاوہ حضرت مجاہد ملّت بھی تھے اور فوج نے ان کے سر کی قیمت مقرر کررکھی تھی کہ سارے ملک میں اس عاشق رسول ﷺ کی گرجدار آواز گونج رہی تھی کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے لیئے میدان میں آجاؤ۔ مجاہد ملّت مولانا نیازی اس وقت جوان تھے اور انتہائی جذباتی اور پرعزم شخصیت تھے۔

مارشل لاء کیا وہ وقت کے ہر آمر سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ لیکن ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ مسجد سے باہر نکل آئیں کیونکہ فوج نے مسجد نے اندر گھس کر تلاشی لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس طرح مسجد کی بے حرمتی کا خدشہ تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا نیازی وہاں سے نکل کر حضرت میاں صاحب قبلہ کے پاس پاکپتن شریف پہنچ گئے۔ ان دنوں جنرل بختیار رانا فوج میں بریگیڈیر تھے اور لاہور میں مارشل لاء کے انچارج تھے۔ کسی خفیہ ایجنسی نے اطلاع دی کہ مجاہد ملّت پاکپتن شریف میں ہیں۔ فوج نے حضرت میاں صاحب کی کوٹھی کا محاصرہ کر لیا۔ جنرل بختیار رانا، حضرت میاں صاحب کے مرید تھے۔ جب انہیں علم ہوا تو فوری طور پر حکم دیا کہ ''کوٹھی کے اندر داخل ہونے یا اس کی تلاشی لینے کی جرأت نہ کی جائے'' اور ایسا ہی ہوا۔ مجاہد ملّت مولانا نیازی کو جب علم ہوا کہ فوج جگہ جگہ ان کی تلاش میں ہے تو حضرت میاں صاحب کے مشورے سے ان کے ایک مرید (شیخ فضل دین گلی مہتیانوالی) کے ہاں قصور تشریف لے گئے تاکہ وہاں سے کسی نہ کسی طریقہ سے پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں پہنچ جائیں (مگر شیخ فضل دین کے بیٹے محمد اسلم کی مخبری پر) گرفتار ہو گئے اور لاہور لے جا کر مارشل لاء کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ فوجی عدالت میں حضرت مجاہد ملّت نے جو بیان دیا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ موت کی سزا سنائی گئی تو ربّ کائنات کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا کہ زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔

اس سے قبل کہ میں یہ واقعہ سناؤں کہ حضرت میاں علی محمد صاحبؒ نے دعا فرمائی اور مجاہد ملت رہا ہو گئے، ایک ''ریاستی جبر'' اور ''جھوٹ'' کی بھی وضاحت کر دوں کہ جب مجاہد ملّت نے قصور میں گرفتاری دی تو فوجی اور سول احکام نے اسے غلط انداز میں پیش کیا۔ یہ خبر دی گئی کہ مولانا نیازی کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور وہ داڑھی منڈا کر مسجد وزیر خان سے فرار ہو گئے تھے۔ اخبارات خصوصاً ''پاکستان ٹائمز'' ان دنوں ملک کا مشہور اخبار تھا اور اس وقت کے اشتراکی لیڈر میاں افتخار الدین اس کے مالک تھے۔ اور لیفٹ نظریات کے صحافیوں کا اخبار تھا۔ اس لیئے انہوں نے ایک عالم دین کی توہین کرنے کے لیئے یہ تصاویر نمایاں طور پر شائع کیں جبکہ یہ بات سفید جھوٹ اور غلط تھی۔ حضرت مولانا نیازی نے داڑھی نہیں منڈوائی تھی بلکہ یہ جعلی تصویر بنا کر شائع کرائی گئی تھی تاکہ مولانا نیازی کی شخصیت کی توہین کی جا سکے۔

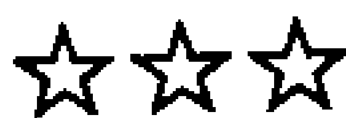
فوجی عدالت نے جب مولانا نیازی کو پھانسی کی سزا دے دی تو مولانا اوران کے ساتھیوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے کہ وہ اپنے مقصد و مشن میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کیونکہ ہر مومن کی شہادت آرزو ہوتی ہے۔ حضرت میاں علی محمد خاں صاحب پاکپتن شریف میں ہوں تو یہ ان کا معمول تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ کے مزار اقدس پر نماز کے بعد حاضری دیا کرتے تھے اور لاہور میں ہوں تو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے تھے اور جب وہ دعا کے لیئے ہاتھ اٹھاتے تو کئی کئی گھنٹے دعا فرماتے رہتے۔ ان کے ساتھ کھڑے نوجوان ستون یا دیواروں کا سہارا لے لیا کرتے تھے لیکن حضرت میاں صاحب قبلہ ۸۰ سال کی عمر میں بھی دو دو گھنٹے دعا کے لیئے ہاتھ کھڑے رہتے کہ وہ کسی اور دنیا میں ہوتے تھے۔

ایک روز نماز فجر ادا کر کے جب مزار داتا صاحبؒ کی جانب روانہ ہوئے تو مولانا نیازی کے جگری دوست اور ساتھی حکیم محمد انور بابری مرحوم نے والد گرامی سیّد امیر الدین قدوائیؒ سے کہا کہ حضرت میاں صاحب سے کہا جائے کہ مولانا نیازی کی رہائی کا حکم دیں۔ میرے والد نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضرت! اس لڑکے کی سزا بہت ہو گئی، اب اسے رہا کرا دیں۔ حکیم بابری صاحب نے بھی تائید کی۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ کس کی؟ میرے والد اور حکیم بابری صاحب نے ایک ساتھ مولانا نیازی کا نام لیا۔ حضرت میاں صاحب قبلہ نے حسب دستور تبسّم فرمایا۔ (جب وہ مسکراتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ پھول برس رہے ہوں۔ جن لوگوں نے حضرت میاں صاحب کی زیارت کی ہے انہیں اس کا پتہ ہے ایسی معصوم اور خوبصورت مسکراہٹ تھی کہ الفاظ میں اسے بیان نہیں کیا جا سکتا) اور ارشاد کیا کہ ''اللہ بہتر کرے گا''۔ والد گرامی نے عرض کیا کہ ''جناب والا! اس کی رہائی کا حکم دیں''۔ حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''اچھا، اچھا۔ اللہ رہا کرے گا، آؤ مزار شریف پر چل کر دُعا کریں۔''

اور شاید اسی روز مولانا نیازی رہا ہو گئے تھے۔

(مضمون سیّد انور قدوائی، ''مجاہد ملّت دوسری دنیا کا انسان'' مشمولہ ''نذر مجاہد ملّت'' مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء صفحہ ۳۸ تا ۴۱)



﴿مقدمہ بر ''مجاہد ملّت اور تحریک ختم نبوّت''﴾

(صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ سجادہ نشین و پرنسپل
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا)

(ستمبر ۲۰۰۴ء میں ''مجاہد ملّت فاؤنڈیشن'' بُرج کلاں ضلع قصور کی طرف سے راقم الحروف کی مختصری کتاب ''مجاہد ملّت اور تحریک ختم نبوّت'' مشتمل بر ۵۶ صفحات چھپ کر بلا قیمت تقسیم ہوئی۔ اس پر حضرت صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب دامت برکاتہم عالیہ نے جو گرانقدر ''مقدمہ'' تحریر فرمایا، وہ اس قابل ہے کہ پیش نظر کتاب میں بھی شامل کیا جائے تاکہ قارئین کرام اس گنج گرانمایہ سے محروم نہ رہ جائیں۔ (قصوری)

''عقیدہ ختم نبوّت'' مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جب بھی کسی فتنہ گر نے اس عقیدہ کی مضبوط بنیاد میں نقب زنی کی کوشش کی، مسلمانوں کی آتش غیض وغضب نے اسے بھسم کر کے رکھ دیا۔

مسلیمہ کذاب سے لے کر مرزا غلام قادیانی تک پھیلی لمبی فہرست میں بے شمار ایسے نابکار ہیں جنہیں عشق غیور کی ضرب کاری نے اقوام عالم کے سامنے نشانِ عبرت بنا دیا۔ ہمارا تاریخی المیہ ہے کہ قادیانی کذاب کو انگریز کی چھتری میسر آ گئی جس نے اس جھوٹی نبوّت کے شجر خبیثہ کو پروان چڑھانے کے لیئے اپنے تمام تر وسائل وقف کر دیئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی اور ملّت اسلامیہ کا کوئی غیرت مند جوان مرزا قادیانی کو کیفر کردار تک پہنچا کر سارے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو کر دیتا۔ لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ مرزا غلام قادیانی کی ہرزہ سرائیوں کے مواخذہ کے لیئے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے لے کر پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ تک سینکڑوں عمائدین اسلام نے ہزاروں کتب تصنیف فرمائیں اور انتہائی ثقہ انداز میں پوری انسانیت کے سامنے واضح کیا کہ مرزا غلام احمد دغاباز اور جھوٹا انسان ہے۔ اس طرف سے دعوٰی نبوّت امت مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے کا

سبب اور اس کی مرزائی تحریک ایک الگ امت کی تخلیق کی گہری سازش ہے۔

علمی اور عملی حوالوں سے کام کرنے والے ان جلیل القدر افراد میں سے ایک کردار ایسا بھی ہے جس کا تذکرہ کرتے وقت مومن کی شوکت و عظمت اور شان جلالی مجسم صورت میں سامنے آجاتی ہے۔ وہ ناموس مصطفیٰ ﷺ کی خاطر پھانسی کے پھندے کو چومنے کے لیئے تیار ہو گیا، اس نے وقت کی ہر مصلحت سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اپنے نعرۂ مستانہ سے حکومتی ایوانوں میں زلزلے بپا کیئے۔ اسے نیچا دکھانے کے لیئے فرعونیت و آمریت نے متعدد سازشیں کیں لیکن اس کی غیرت وحمیت کا طرہ بلند ترین فضاؤں میں لہراتا رہا۔ زیب نظر کتاب میں اسی مردِ قلندر مجاہد اعظم حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ کی "تحریک ختم نبوت" میں خدمات کی ہلکی سی جھلک ہے۔ اس دلچسپ اور معلومات افزا کتاب میں ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک مجاہد ملت کی جملہ کاوشوں کا اجمالی تذکرہ موجود ہے جو انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ناموس مصطفیٰ ﷺ کی پاسبانی کے لیئے سرانجام دیں۔

کشاکش حیات میں مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی جن مرحلوں سے گزرے، انہیں پڑھ کر قاری اپنے دل میں گداز اور آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑیاں محسوس کرتا ہے۔ بطور مثال ایک اقتباس پیش خدمت ہے:۔

"۷۔ مئی (۱۹۵۳ء) کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن فیصلہ سنانے کیلئے آئے۔ ملٹری کی عدالت نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا، قتل کے الزام میں ہم آپ سب کو باعزت بری کرتے ہیں۔ مولانا نیازی کے علاوہ نو آدمی جو اس کیس میں تھے، چلے گئے۔ مولانا کو ملٹری والوں نے روک لیا اور کہا، "آپ پر بغاوت کا الزام بھی ہے"۔

مولانا نے جواب دیا، ہاں الزام تو ہے۔ اس پر انہوں نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور کہا، تمہارے متعلق فیصلہ یہ ہوا ہے، "تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی جب تک تمہاری موت واقع نہ ہو جائے"۔

اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا! "یہی کچھ لائے ہو، اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں ہوتیں تو میں ان سب کو اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر قربان کر دیتا"۔

آرڈر سناتے ہوئے افسر نے کہا، ''اس پر دستخط کر دیجئے''۔ مولانا نے کہا، میں جب پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا، اس وقت دستخط کروں گا۔''

افسر نے کہا، ''تمہیں دستخط کرنے ہوں گے''۔ مولانا نے جواب دیا، میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں جس وقت پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا، اس وقت دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں اور آپ کے چنگل میں ہوں، مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو''۔

افسر نے کہا، مسٹر نیازی! ہمارے آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے موت کے وارنٹ کا نوٹس دیا ہے یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا''۔

مولانا نیازی نے کہا، اگر آپ کو اپنے افسروں کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر دستخط کر دیتا ہوں''۔

یہ سارا مکالمہ دراصل انگریزی زبان میں ہے۔ ہر وہ شخص جس نے مولانا کو انگریزی زبان میں گفتگو کرتے سنا ہے وہ اصل انگریزی عبارت کو پڑھ کر اس منظر کو آنکھوں کے سامنے لائے تو مولانا کی جرأت اور بہادری کا ادراک کر سکتا ہے۔

محترم القام محمد صادق قصوری ان بزرگ اہل قلم میں سے ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں مشائخ وعلماء اہلسنت کے کردار کو انتہائی مؤثر انداز میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اور ساتھ ہی متعدد دیگر موضوعات پر انتہائی مفید کتب ہدیہء قارئین کی ہیں۔ ان کی یہ تازہ کتاب علمی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

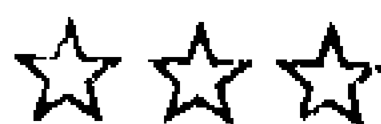
میں دعا گو ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کی اس کاوش کو قبولیت عامہ کی دولت سے سرفراز کرے۔

پیر محمد امین الحسنات شاہ

پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف (سرگودھا)

۴۔ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

۲۸۔جنوری ۲۰۰۴ء



مکتوب میاں طفیل محمد صاحب

سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان

مکرمی ومحترمی محمد صادق قصوری صاحب معتمد اعزازی مجاہد ملت فاؤنڈیشن برج کلاں ضلع قصور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ،

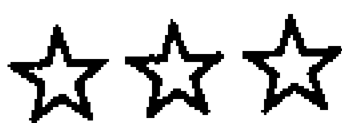
مولانا عبدالستار خان نیازی صاحبؒ کے بارے میں آپ کا سوالنامہ ملا۔

اس بارے میں مجھے جو کچھ اب یاد ہے وہ یہی ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی صاحبؒ نے قادیانیوں کے خلاف تحریک میں ایک مجاہد کبیر کا کردار ادا کیا اور اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اس تحریک کے دوران نیازی صاحب نے اپنا ہیڈ کوارٹر مسجد وزیر خان دہلی دروازہ لاہور میں قائم کیا اور جب مارشل لاء والوں نے ان کی گرفتاری کے لیئے مسجد کا گھیراؤ کیا تو مولانا نیازی صاحب بخیر وعافیت نکل گئے۔ مولانا نیازی صاحبؒ کے خلاف مارشل لاء کی عدالت میں مقدمہ سنٹرل جیل جو موجودہ شادمان کالونی کی جگہ پر موجود تھی، مارشل لاء کورٹ میں چلایا گیا تھا اور اسی عدالت نے مولانا نیازیؒ کو موت کی سزا سنائی۔ یہ مجھے اب یاد نہیں کہ نیازی صاحبؒ کی ضمانت کی وکالت کس وکیل یا وکلاء نے کی تھی اور یہ معلومات بھی نہیں دے سکتا کہ یہ معلومات کن سے ملیں گی۔ البتہ آپ ان کی جماعت کے لوگوں سے یہ معلومات لیں۔

والسلام

طفیل محمد

۳۰۔اکتوبر ۲۰۰۶ء



تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء میں مجاہد ملّتؒ کی گرفتاری اور رہائی پر طائرانہ نظر

(محمد صادق قصوری کے قلم سے)

۲۳۔ مارچ ۱۹۵۳ء کو مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کو حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی بسّی شریفؒ (مدفون پاکپتن شریف) کے مرید شیخ فضل دین گلی مہتیانوالی قصور شہر کے مکان سے صاحبِ مکان کے بیٹے محمد اسلم کی مخبری پر پولیس گرفتار کر کے تھانہ صدر قصور لے گئی۔ ناشتہ کروانے کے بعد بذریعہ کار شاہی قلعہ لاہور لے جایا گیا اور دس نمبر کوٹھڑی میں رکھا گیا۔

(یاد رہے کہ مجاہد ملّت کی گرفتاری کے بعد شیخ فضل دین کے خاندان پر مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ شیخ فضل دین انتہائی پریشانی، بیچارگی اور کسمپرسی کے عالم میں داعئ اجل کو لبیک کہہ گیا اور اس کا مخبر بیٹا محمد اسلم حالات کی تاب نہ لا کر مکان فروخت کر کے رام گلی لاہور چلا گیا، جہاں وہ پاگل ہو کر مر گیا۔)

۲۳۔ مارچ تا ۹۔ اپریل ۱۹۵۳ء اسی سیل (دس نمبر کوٹھڑی) میں پولیس بیان ریکارڈ کرتی رہی۔ دوراتیں مسلسل جگائے رکھا اور مطلقاً سونے نہ دیا۔ ایس پی، سی آئی ڈی، چوہدری محمد حسین (جو بعد میں ڈائریکٹر جنرل، سی آئی ڈی بنا) آپ کا بیان قلمبند کرتا رہا۔

ایک بار ایک ایس پی قلعہ میں گیا اور اپنے ماتحت عملہ کو حکم دیا کہ مولانا کو رات بھر جگائے رکھو۔ مولانا نوافل پڑھتے ہوئے جب سجدے میں جاتے تو پولیس والے انہیں ہلانا شروع کر دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ شائد سجدے میں جا کر سو جاتے ہیں۔ دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح پریشان کرنے سے مولانا کچھ مزید بتائیں گے مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد شاہی قلعہ سے سنٹرل جیل لاہور منتقلی کی گئی، اس جگہ جہاں بھگت سنگھ دت

کو رکھا گیا تھا۔ سنٹرل جیل لاہور، ایشیا کی سب سے بڑی جیل تھی جس کا چکر تین میل (پانچ کلو میٹر) تھا۔ آج اسی جگہ شادمان کالونی بنی ہوئی ہے۔

۱۶۔ اپریل تا ۲۵۔ اپریل ۱۹۵۳ء، فوجی عدالت میں ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل اور بغاوت کا کیس چلا۔ ۲۵۔ اپریل کو مکمل ہو گیا یعنی دس دن میں۔ ۷۔ مئی ۱۹۵۳ء کو صبح نو بجے سپیشل ملٹری کورٹ نے فیصلہ سنایا کہ قتل کے الزام میں بری کیا جاتا ہے اور تحریک ختم نبوت کے دوران تقاریر کو بغاوت قرار دے کر پھانسی کی سزا دی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کو پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ جہاں آپ نے سات دن اور آٹھ راتیں گزاریں۔

۱۴۔ مئی ۱۹۵۳ء کو پھانسی کی سزا عمر قید (چودہ سال قید با مشقت) میں تبدیل ہو گئی۔

۱۵۔ مئی کو گورا وارڈ سنٹرل جیل لاہور میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ نے ایک آرڈر نکالا جس کے تحت مولانا اس سزا کے خلاف اپیل کر سکتے تھے مگر آپ نے اپیل نہ کی۔ جسٹس شیخ محمد شریف (ف ۱۹۷۲ء) نے از خود سارا کیس دیکھا اور سزا کم کر کے تین سال کر دی۔

جون ۱۹۵۴ء میں راولپنڈی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ فروری ۱۹۵۵ء میں واپس سنٹرل جیل لاہور لایا گیا۔ لاہور واپسی کے بعد مولانا نے عدالت عالیہ میں رٹ کی کہ جس قانون کے تحت ہمیں سزا دی گئی ہے اسے گورنر جنرل کی منظوری حاصل نہیں ہو سکی تھی کیونکہ مجلس آئین ساز جو قانون ساز بھی تھی پہلے توڑ دی گئی تھی۔ یہی صورت راولپنڈی سازش کیس کی تھی جس کے تحت فیض احمد فیض (ف ۱۹۸۴ء) اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے عدالت عالیہ میں یہ مؤقف اختیار کی کہ جس قانون کے تحت ہمیں سزا دی گئی ہے وہ قانون، قانون ہی نہیں ہے۔ یوں ۲۹۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو دو سال ایک ماہ چھ دن جیل کاٹ کر مولانا ضمانت پر رہا ہوئے۔ بعد ازاں مئی ۱۹۵۵ء میں آپ کو اس کیس سے باعزت بری کر دیا گیا۔

آپ کی سزائے موت و عمر قید پر لاہور کے مارشل لاء کے اٹھ جانے سے کوئی اثر نہیں پڑا تھا، کیونکہ ہر مارشل لاء کے اٹھنے سے پہلے اس کے تمام کاموں اور فیصلوں کے بارے میں ''ایڈمنٹی'' کا قانون بنا دیا جاتا ہے۔ آپ کی موت کی سزا گورنر جنرل نے عالمی دباؤ کے نتیجے میں عمر قید میں تبدیل کی تھی۔ لیکن جہاں تک عمر قید سے رہا ہونے کا معاملہ ہے، وہ جب ملک غلام محمد

گورنر جنرل پاکستان نے اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مجلس دستور ساز کو توڑ دیا اور اس کے اس حکم کو عدالت نے جائز قرار دے کر یہ فیصلہ دیا کہ:

''پارلیمنٹ کا پاس کردہ کوئی قانون، خواہ وہ اس نے قانون ساز اسمبلی کی حیثیت سے بنایا ہو یا مجلس دستور ساز کی حیثیت سے گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر قانونی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا اور مجلس دستور ساز کی حیثیت سے اس کے بنائے ہوئے تمام قوانین جن پر گورنر جنرل کی منظوری نہیں لی جاتی رہی تھی، بے اثر ہو گئے''۔

تو ایڈمنٹی کا قانون بھی اسی زمرے کا قانون ہونے کی بنا پر بے اثر اور فوجی عدالت کا فیصلہ ساقط ہو گیا۔ اس بنیاد پر حضرت مجاہد ملت کی رہائی کے لیئے لاہور ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی گئی جس کے نتیجے میں آپ ۲۹۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو سنٹرل جیل لاہور سے ضمانت پر رہا ہو گئے اور پھر مئی ۱۹۵۵ء میں باعزت طور پر بری ہو گئے۔

ملٹری عدالت جس نے آپ کو سزائے موت دی تھی، کے سربراہ لیفٹیننٹ کرنل علیم تھے جبکہ میجر نذر اور ایک سول جج اس کے ارکان تھے۔ وکلاء صفائی کی حیثیت سے چوہدری نذیر احمد خاں سابق اٹارنی جنرل پاکستان (ف ۱۹۸۰ء) حاجی شیخ غیاث محمد (ف ۱۹۹۶ء) اور چوہدری محمد اسماعیل بھٹی جیسے نامور قانون دان پیش ہوتے رہے۔ گواہان صفائی کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد طاہر ہاؤس سرجن میوء ہاسپٹل لاہور، ڈاکٹر ریاض الدین میڈیکل آفیسر لاہور کارپوریشن (آون ڈیوٹی مسجد وزیر خاں لاہور)، خلیفہ شجاع الدین سابق سپیکر پنجاب اسمبلی (ف ۱۹۵۵ء) اور میاں محمد شفیع ڈائریکٹر محکمہ خوراک پنجاب و سابق ڈی سی لاہور (ف ۱۹۶۶ء) پیش ہوئے۔

۱۹۵۵ء میں حضرت مجاہد ملت کی وکالت کے فرائض شیخ منظور قادر (ف ۱۹۷۴ء ابن شیخ سر عبدالقادر (ف ۱۹۵۰ء)، ذکی الدین پال (ف ۲۰۰۰ء)، میاں محمود علی قصوری (ف ۱۹۸۷ء)، اور حاجی شیخ غیاث محمد (ف ۱۹۹۶ء) جیسے عظیم و نامور وکلاء نے نہایت خوش اسلوبی سے ادا کئے۔

نوٹ! ملٹری عدالت کے ارکان، وکلاء صفائی اور گواہان صفائی کے نام جناب ملک مشتاق احمد صاحب گلشن راوی لاہور سے حاصل ہوئے۔ ملک صاحب حضرت مجاہد ملت رحمتہ اللہ علیہ کے پرانے خادم ہیں۔ اللہ کریم جلّ شانہ، انہیں سلامت رکھے۔

مولانا عبدالستار خاں نیازی کا تحریک ختم نبوت میں کردار

(تحریر: مولانا اللہ وسایا دیوبندی۔۔۔۔ترتیب وانتخاب: محمد صادق قصوری)

''آپ نے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں مجاہدانہ کردار ادا کیا جس پر پوری ملت اسلامیہ کو فخر ہے۔ پھانسی کی سزا کے مستحق گردانے گئے مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

عدالت کے ایک رکن نے پوچھا کہ آپ کو موت کا کوئی خوف نہیں تو آپ نے جواب دیا:۔

''سرور کائنات ﷺ پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں''۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں آپ کو مجلس عمل کا نائب صدر بنایا گیا۔ بڑی عظمتوں کے مالک ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کا سایہ سلامت رکھیں۔''

(''ایمان پرور یادیں'' از مولانا اللہ وسایا دیوبندی مطبوعہ ملتان جون ۱۹۸۶ء صفحہ ۵۳، ۵۴)

(''تذکرہ مجاہدین ختم نبوت'' از مولانا اللہ وسایا دیوبندی مطبوعہ ملتان ۱۹۹۰ء صفحہ ۳۷۷، ۳۷۸)

☆☆☆

''مولانا عبدالستار خان نیازی راوی ہیں کہ اس تحریک (۱۹۵۳ء) میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا، یہ طے کر کے آتا تھا کہ وہ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے لیئے جان دے دے گا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ لوگ لاٹھیاں کھاتے رہے، ایک نوجوان کے پاس حمائل شریف تھی۔ فردوس شاہ ڈی ایس پی نے ٹھوکر ماری، نوجوان گر گیا۔ حمائل شریف دور جا گری اور پھٹ گئی۔ فردوس شاہ کو لوگوں نے موقع پر قتل کر دیا۔ قرآن مجید کی بےحرمتی کرنے والا اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔ نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ دہلی دروازہ کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی، پولیس نے چاروں کو باری باری گولی کا نشانہ بنا دیا۔

نیازی صاحب کے بقول، ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آرہا تھا۔ ''لا الہ اللہ کا ورد، ''نعرۂ تکبیر''، ''ختم نبوت زندہ باد کے نعرے وردِ زباں تھے۔ وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی لیکن نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آتے رہے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔'' (حوالہ

(ایضاً صفحہ ۴۹،۵۰)

☆☆☆

مولانا احمد علی لاہوری کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا اللہ وسایا لکھتے ہیں:۔

''میں ختم نبوّت کے ساتھیوں سے محبت کرتا ہوں'' اور پھر فرمایا کہ ''میں کیا ان سے تو خودسرکار دوعالم ﷺ محبت فرماتے ہیں''۔

نوجوانوں کے ساتھ بہت محبت سے ملتے اور قدم قدم پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔مولانا عبدالستار خان نیازی کو تحریک ختم نبوّت کے دوران پھانسی کی سزا ملی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہوئی اور پھر آخر کار رہا ہوگئے۔مولانا نیازی کہتے ہیں، میری رہائی کے بعد حضرت لاہوری میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔آپ کی نشست کا نیچے انتظام کیا ہوا تھا۔واپس جانے لگے تو فرمایا، مولانا! اوپر کے کمرے میں مجھ کو اپنی چارپائی تک لے چلو تاکہ مجھے قدم قدم کا ثواب ملے۔میں ایک مجاہد سے ملنے آیا ہوں۔مولانا نیازی سے یہ کہہ کر حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔حضرات! آپ بھی اپنے آپ کو تلوار کی دھار پر لائیے اور دل سے کہیے، اِنّ صَلاتِي ونسكي و محياى و مماتي لله رب العالمين''۔

(''تحریک ختم نبوّت ۱۹۵۳ء'' از مولانا اللہ وسایا دیوبندی مطبوعہ ملتان اکتوبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۳۵۴)

☆☆☆

''حسب اعلان سرگودھا میں ۸۔۹۔۱۰۔نومبر ۱۹۵۷ء کو ''مجلس تحفظ ختم نبوّت'' کے زیر اہتمام ایک تاریخی ''ختم نبوّت کانفرنس'' منعقد ہوئی جس میں مغربی پاکستان سے چیدہ چیدہ علمائے کرام، مفتیان دین، مبلّغین اسلام اور مجاہدین ''مجلس تحفظ ختم نبوّت'' نے شرکت کی۔اس کانفرنس کے پانچ عام جلسے ہوئے، جو تھوڑے تھوڑے وقت کے ساتھ منعقد ہو رہے تھے اور جن سے تقریباً ڈیڑھ دو لاکھ نفوس نے استفادہ کیا۔اس اجلاس میں علمائے کرام نے ۲۲ گھنٹے مسلمانانِ پاکستان سے خطاب کیا۔

مولانا عبدالستار خان نیازی نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ حکومت اس بل میں اس امر کی واضح ترمیم کرے کہ خاتم النبیین ؐ کا منکر مسلمان نہیں ہے نیز مرزائی غیر مسلموں کی فہرست

میں لکھے جائیں''۔

(''تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء جلد اوّل از مولانا اللہ وسایا دیو بندی مطبوعہ ملتان ۱۹۹۳ء ص ۸۶،۸۸)

☆☆☆

''چنیوٹ، ۲۸، دسمبر ۱۹۷۳ء:۔ ''مجلس تحفظ ختم نبوت کانفرنس'' کا ۲۱ واں اجلاس تین دن کی بہت سی نشستوں کے بعد ایک بجے شب بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ آخری اجلاس کی صدارت مولانا عبدالستار خان نیازی نے فرمائی۔

آپ نے اپنے خوبصورت صدارتی خطاب میں فرمایا کہ:۔

''مسلمانوں کے تمام فرقے شیعہ، سنّی، اہل حدیث، مقلّد، غیر مقلّد، دیوبندی، بریلوی، ختم نبوت کے مسئلہ پر ایک ہیں اور ان سب کے نزدیک قادیانی امت، ملّت اسلامیہ سے خارج ہے۔ آپ نے کہا کہ فروری ۱۹۷۴ء تک مرکزی حکومت کا فرض ہے کہ قادیانی امت کو ایک الگ اقلیت قرار دے، ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ تمام علمائے کرام کی کانفرنس بلا کر قادیانی امت کے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کریں۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ پیپلز پارٹی کے زمانہء اقتدار میں قادیانی امت کے پھلنے پھولنے کی رفتار کو اسلام اور مسلمان، دونوں کے لیئے خطرناک سمجھتے ہیں۔

بہر حال قادیانی کتنے ہی پرزے لگا کر اڑیں، ہم ان کے کس بل نکال دینے کا تہیہ کر چکے ہیں اور انہیں پاکستان میں مسلمانوں کے زمرہ سے الگ کرا کے ہی دم لیں گے کیونکہ وہ محمد ﷺ کی باغی امت ہیں۔ (حوالہ ایضاً صفحہ ۸۳۲، ۸۳۳)

☆☆☆

''۱۶۔ جون ۱۹۷۴ء کو فیصل آباد کی تاریخ میں ایک عظیم تاریخی دن تھا۔ پورے ملک کی دینی و سیاسی طاقت یہاں پر جمع ہوئی۔ ماڈل ٹاؤن سی میں مجلس عمل کی میٹنگ ہوئی جس میں مولانا عبدالستار خاں نیازی کو ''مجلس عمل تحفظ ختم نبوت'' کا نائب صدر بنایا گیا''۔

(تذکرہ مجاہدین ختم نبوت'' از مولانا اللہ وسایا دیوبندی مطبوعہ ملتان ۱۹۹۰ء صفحہ ۹۳، ۹۴)

☆☆☆

﴿قادیانی غیر مسلم ہیں﴾

(محمد صادق قصوری، معتمد اعزازی مجاہد ملت، فاؤنڈیشن پاکستان)

11۔جنوری 1997ء کو لاہور میں ''نوائے وقت'' سے بات چیت کرتے ہوئے حضرت مجاہد ملت نے موجودہ حکومت کی جانب سے قادیانیوں کو احمدی قرار دیتے ہوئے غیر مسلم کے دائرے سے نکالنے کے اقدام کو آئین سے بغاوت قرار دیا اور فرمایا کہ ان کا کوئی ایسا اختیار نہیں، انہیں چاہئے کہ وہ آئین کی پابندی کریں۔ آئین کی دفعہ 2 الف میں مسلمانوں کی تعریف کے ساتھ غلام احمد قادیانی کے ماننے والے مرزائیوں، قادیانیوں یا لاہوری دونوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن وزارت داخلہ نے انہیں ''احمدی'' لکھ کر وطن عزیز کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے ہیں اور یہ تاثر عام ہو رہا ہے کہ ایک خاص مقصد کے تحت ملک کا نظریاتی تشخص مجروح کیا جا رہا ہے۔ طے شدہ معاملات کو چھیڑ کر عوام کے اندر بے چینی کی کیفیت پیدا کی جا رہی ہے۔

سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جو ختم نبوّت کا باغی ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ختم نبوّت کے مسئلہ پر حکومت کے مسلسل دل آزاری پر مبنی اقدامات سے ملک میں احتجاج کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ جس پر قابو پانا کمزور نگران حکومت کے لئے ناممکن ہوگا۔ یہ مسلمانوں کے ایمان کا مسئلہ ہے لہذا حکومت کو چاہئے کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہوئے غیر مسلم ہی لکھا جائے، کوئی اور لفظ نہ لکھا جائے۔

12۔جنوری 1997ء کو حضرت مجاہد ملت کی قیادت میں ملک کی 13 سے زائد دینی وسیاسی جماعتوں نے غیر مسلم ''قادیانی اقلیت'' کو پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور دیگر سرکاری دستاویزات میں ''احمدی'' لکھے جانے کے بارے میں حکومت کی تمام وضاحتوں کو مسترد کر دیا اور کہا کہ دنیا کے 36 ممالک میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حکومت پاکستان ان

کو چور دروازے سے امتِ مسلمہ میں شامل ہونے کا موقع فراہم کر رہی ہے، جو پاکستان کے آئین سے کھلم کھلا بغاوت ہے، جس کو کسی بھی صورت قبول نہیں کیا جائے گا اور ملک کی دینی و سیاسی جماعتیں حکومت کے اس اقدام کے خلاف مرحلہ وار تحریک چلائیں گی۔ یہ تحریک "مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوّت" کے پلیٹ فارم سے چلائی جائے گی۔

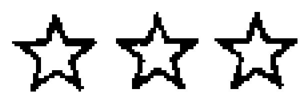
13 جماعتوں کی اس مشترکہ پریس کانفرنس میں اعلان کیا گیا کہ 17۔ جنوری کو ملک بھر میں "یوم احتجاج" منایا جائے گا۔ خُطباء اور آئمہ حضرات عوام کو حکومت کی سازش سے آگاہ کریں گے۔ اس مسئلے پر دینی جماعتوں کا نمائندہ وفد صدر اور وزیر اعظم سے ملاقات کرے گا اور ان کو اُمتِ مسلمہ کے جذبات سے آگاہ کرے گا۔ 18۔ جنوری کو دوپہر ڈیڑھ بجے مسجد شہداء کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا جائے گا۔ جس میں تمام دینی جماعتیں بھرپور شرکت کریں گی۔ پریس کانفرنس کرنے والوں میں حضرت مجاہد ملت کے علاوہ منہاج القرآن تحریک کے قائد پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ، جمعیت علماء اسلام کے مولانا امیر حسین گیلانی اور دیگر رہنما شامل تھے۔

پریس کانفرنس میں جمعیت علماء پاکستان، ادارہ منہاج القرآن، جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام، تحریک جعفریہ پاکستان، مرکزی جمعیت اہلحدیث، پاکستان عوامی تحریک، عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوّت، تنظیم اسلامی پاکستان اور حزب اللہ کے رہنماؤں کے وفود نے شرکت کی۔ ایک سوال کے جواب میں حضرت مجاہد ملت نے بتایا کہ اجلاس میں کہا گیا ہے کہ سینٹ میں تمام دینی جماعتوں کے سینٹرز حکومت کے اس اقدام کے خلاف مؤثر آواز بلند کریں گے۔ حکومت کے عزائم کی مزاحمت کی جائے گی۔ ختم نبوّت امت مسلمہ کے ایمان کی اِساس ہے۔ قادیانی اور احمدی گروہ امتِ مسلمہ کے خلاف مسلسل سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ متذکرہ جماعتوں کی مشترکہ تحریک اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک حکومت اپنا وہ نوٹیفیکیشن واپس نہیں لیتی جس کے تحت قادیانیوں کو "احمدی" لکھا جائے گا۔ ایک اور سوال کے

جواب میں حضرت نے فرمایا کہ دیگر اقلیتیں مذہب کی آڑ میں دھوکہ نہیں دیتیں جب کہ قادیانیوں نے ابھی تک خود کو غیر مسلم تسلیم نہیں کیا۔

حضرت مجاہد ملت کی شبانہ روز کاوشوں کی بدولت 25۔جنوری 1997ء کو حکومت نے پاسپورٹ فارم میں قادیانیوں کو ''احمدی'' لکھنے کا حکم نامہ واپس لے لیا۔گورنر ہاؤس لاہور میں ایک اعلیٰ سطح کا اجلاس گورنر پنجاب خواجہ احمد طارق رحیم کی صدارت میں منعقد ہوا۔جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ڈائریکٹر جنرل امیگریشن پاسپورٹ کا 7۔نومبر 1996ء کا حکم نامہ واپس لیا جاتا ہے اور اب پہلے کی طرح پاسپورٹ فارموں پر قادیانیوں کے لئے غیر مسلم ہی لکھا جائے گا۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت 12 جنوری، 13 جنوری، 26 جنوری 1997ء)



''6۔ مارچ 1953ء کو بعد نماز عشاء مولانا نیازیؒ نے مسجد وزیر خاں لاہور میں تاریخی تقریر کی۔ختمِ نبوت کا مذہبی اور سیاسی پس منظر بیان فرمایا اور مسجد وزیر خاں کو نہ فتح ہونے والا قلعہ قرار دیا۔مولانا نے لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ابرہہ کی مکّہ معظّمہ پر لشکر کشی، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گفتگو اور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس یادگار جواب

''میں تو اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے
وہ اس کی حفاظت کرے گا''۔

کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ناموسِ رسالت ﷺ کا خود محافظ ہے، تمہیں تو جانثاری اور وفاداری کے اظہار کا موقعہ ملا ہے، وہ تمہارا محتاج تو نہیں۔اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے محبوب ﷺ کی شان کا خود محافظ ہے۔(مجاہدِ ملّت اور تحریک ختم نبوّت، محمد صادق قصوری، مطبوعہ ۲۰۰۴ء ص ۳۶ تا ۳۸)

ملفوظاتِ مجاہد ملّتؒ بسلسلہ ''ختم نبوّت''

(ختم نبوّت کے بارے میں حضرت مجاہد ملّت رحمتہ اللہ علیہ نے وقتاً فوقتاً جو ''ارشادات'' فرمائے وہ بغرض استفادہ درج ذیل ہیں۔ پڑھیئے اور عشق رسالت مآب ﷺ کی دولت سے اپنے آپ کو مالا مال کیجئے اور ''ختم نبوّت'' کے بارے میں ایمان افروز اور باطل سوز دلائل، استدلال اور برہان سے اپنے عقیدہ اور ایمان کو پختہ کیجئے۔ (قصوریؔ)

(۱) ''اسلامی تعلیمات کا لب لباب ختمیتِ احکامِ رسالت کا عقیدہ ہے۔ امت محمدّیہ کا وجود، بقاء، تحفظ اور سالمیّت اسی عقیدے سے وابستہ ہے۔

نوع انساں را پیام آخریں　　حامل او رحمۃ اللعالمیں'' (اقبالؔ)

☆☆

(۲) ''جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے بعد نبی آ سکتا ہے یا یہ کہے کہ نبی سے غیر نبی کا علم زیادہ ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

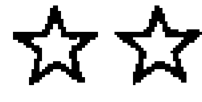
شکوہ سنج تختیء آئیں مشو　　از حدود مصطفیٰ بیروں مَرد
تازہ میرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا　　عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب''
(اقبالؔ)

☆☆

(۳) ''ختم نبوّت'' ایک نئی دینی اور دنیاوی زندگی کا پیغام ہے۔ جو ختم نبوّت کا باغی ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ''عقیدہ ختم نبوّت'' سے انکار و انحراف اور فرار اپنے قومی وجود سے انکار ہے اور پاکستان سے بغاوت۔ پاکستانی صرف وہ ہے جو ''ختم نبوّت'' پر یقین رکھتا ہے کیونکہ پاکستان کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ اسلام، پاکستان کا سرکاری مذہب ہے اور اسلام کی تعریف یہ ہے کہ ''ختم نبوّت'' پر یقین رکھا جائے۔

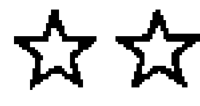
پس خدا برما شریعت ختم کرد　　بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را　　او رُسل را ختم کرد وما اقوام را

خدمتِ ساقی گری با ما گذاشت — داد مارا آخریں جامے کہ داشت
لانبی بعدی زاحسانِ است — پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ است''
(اقبالؒ)



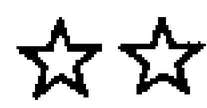
(۴)''امت محمدیہ ﷺ اجتماعی طور پر آنحضور علیہ التحیہ والثناء کی جانب سے امین ہے۔ بنابریں جائیداد کا ہر استعمال جو خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے منافی ہے، ناجائز ہے۔

محال است سعدیؔ کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفیٰؐ



(۵)متکلم اسلام حکیم شریعت حضرت مولانا علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے''عقیدۂ ختمِ نبوّت'' کی جامعیت کو''امتناع نظیر'' کی بحث میں واضح کیا تھا اور نباض فطرت شاعر بے بدل مرزا اسداللہ خاں غالبؔ نے بھی اُن سے فیض یاب ہو کر''عقیدہ خاتمیّت'' کو شرح صدر کے ساتھ ڈیڑھ صدی پہلے بیان کر دیا تھا۔

مقصدِ ایجادِ ہر عالم یکے است
گرچہ صد عالم بود خاتم یکے است''



(۶)''۱۹۵۳ء کی''تحریک ختم نبوّت'' میں آپ کو ملٹری عدالت نے سزائے موت سنائی تو آپ نے یہ سن کر فرمایا:۔

''یہی کچھ سزا لائے ہو، اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں ہوتیں، تو میں ان سب کو اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیہ والثناء کی ذات اقدس پر قربان کر دیتا''۔

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک و خون تپم و گوئی از برائے من است



(۷)''خدا کا دیا ہوا شک وشبہ سے بالاتر قانون انسان ہی کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوگا۔ خدا خود

عرش سے فرش پر نہیں آئے گا۔ خالقِ کون و مکاں، مالکِ ارض و سما نے اسی مقصد کے لیئے محمد عربی ﷺ کو رہبرِ انسانیت اور قافلہ سالارِ آدمیت بنا کر آخری رسول ﷺ کی حیثیت سے آخری پیغام دے کر بھیجا۔

نوعِ انسانی را پیامِ آخریں ۔۔۔ حامل اور حمۃ اللعالمینؐ

(اقبالؒ)

☆☆

(۸) مسلمان کی زندگی اور آخرت کے ہر مسئلہ میں حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات آخری، قطعی اور حتمی حجّت کا درجہ رکھتی ہیں۔

کسے کہ خلافِ پیمبر رَاہ گزید ۔۔۔ ہرگز نخواہد بمنزل رسید (سعدیؒ)

☆☆

(۹) میری زندگی میں صرف وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہی حاصل زندگی ہیں جو ۱۹۵۳ء کی ''تحریک ختم نبوت'' کے دوران پھانسی کی کوٹھڑی میں گزاریں، باقی سب شرمندگی ہی شرمندگی ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ۔۔۔ روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور تو بینی حسابم را نا گزیر ۔۔۔ از نگاہِ مصطفیؐ پنہاں بگیر
مکن رسوا حضور خواجہؐ ما ۔۔۔ حسابِ مَن زچشم او نہاں گیر (اقبالؒ)

☆☆

(۱۰) ''ہم نے ''اینٹی قادیانی تحریک'' میں حصہ لیا، ہمارا کوئی سیاسی مقصد نہیں تھا بلکہ ہم نے خدا کی رضا کے مطابق اس تحریک میں حصہ لیا۔''

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
ہر جا می بُرد کہ خاطر خواہِ اُست

☆☆☆

﴿منظوم خراجِ عقیدت﴾

(تحقیق و ترتیب: محمد صادق قصوری)

ضیغم اسلام مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی قدس سرّہ العزیز نے ''تحریک تحفظ نبوّت'' میں جو عاشقانہ، مجاہدانہ اور سرفروشانہ کردار ادا کیا اور جس طرح عشق و مستی میں پھانسی کے پھندے کو چوما وہ تاریخ کا ایک نہایت ہی روشن اور بے نظیر باب ہے اور اس پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شعرائے کرام نے جو منظوم خراج عقیدت پیش کیا، اس کی جھلکیاں بھی دکھادی جائیں تاکہ قارئین کرام مزید فیضیاب ہو سکیں۔
(قصوری)

ختم الرسلؐ کے نام پر وہ سرفروش تھا
اسلامیوں کے واسطے خانہ بدوش تھا

(محسن فارانی۔ لاہور)

☆☆☆

قربان تھا سو جان سے نام رسولؐ پر
عشقِ نبیؐ کی بانٹ کے دولت چلا گیا
تحریک جب تھی ''ختم نبوّت'' کی خونبار
اس میں وہ دے کر داد شجاعت چلا گیا
خرم کہاں سے ڈھونڈ و کے لاؤ گے اب اُسے
وہ ''جانثار ختم نبوّت'' چلا گیا

(حکیم سیّد محمد خرم ریاض رضوی۔ لاہور)

☆☆☆

تحریک پاکستان ہو یا ''تحریک ختم نبوّت'' ہو
ہر دور میں جو تھے راہنما عبدالستار نیازی تھے

(حضرت حفیظ تائبؒ، لاہور)

☆☆☆

بہر ناموس رسالت موت بھی کر لی قبول
حبذّا فلکِ عزیمت کے درخشاں ماہتاب

(صاحبزادہ پیر فیض الامین فاروقی، گجرات)

☆☆☆

عندلیب مصطفیٰ، ''پروانۂ ختم الرسلؐ''
شوق تیرا روک سکتے تھے کہاں دار و رسن

(محمد شریف انجم۔قصور)

☆☆☆

ہو ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کی بات یا ''ختم نبوّت''
تو ہی تھا سرخیل سب کا سر پہ باندھے ہوئے کفن
جان کی بازی لگا دی عظمت و شان نبیؐ پر
آنے والوں کے لیئے ہے مشعلِ راہ تیرا جیون
اہلِ حق نے ''مرد غازی'' کا دیا تجھ کو خطاب
سچ ہے رزم حق و باطل ہو تو ہے فولاد مومن

(شیر احمد خاں نیازی۔میانوالی)

☆☆☆

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھے خندہ زن
دیں گے گواہی اس کی فوجی کورٹ کے در اور بام

آپ اپنی ''خدمتِ ختمِ نبوّت'' کے طفیل
آج ہیں سب کی نظر میں قابلِ صد احترام
(قمر حجازی۔اوکاڑہ)

☆☆☆

وہ جو ''ختمِ نبوّت کی تحریک میں
سب کا سالار تھا
دشمنوں کے لیئے ایک دیوار تھا
(محمد امین انجم۔اوکاڑہ)

☆☆☆

وہ ''تحریکِ ختمِ نبوّت'' کا غازی وہ تحفیظ شانِ رسالت کا غازی
وطن میں نفاذِ شریعت کا غازی نیازؔی تھا لاریب ملّت کا غازی
(محمد اقبال فاروقی۔بھکر)

☆☆☆

کی عظمت نبیؐ کی خاطر موت بھی قبول
کانِ وفا کا ایک وہ نادر عتیق تھا
(محمد صادق قصوری)

☆☆☆

مر مٹا ختمِ نبوّت کے تحفظ کے لیئے
کفر کے ایوان میں اسلام کی شمشیر تھا
(قمر حجازی۔اوکاڑا)

☆☆☆

''مرزائیت'' کے منہ پہ لگائی وہ ضربِ کاری مل گئی خاک میں ہر مکّار کی مکّاری
ہر کافر و مردود کی قسمت میں تھی یہ خواری ممنون رہے گی واللہ ہم قوم ان کی ساری

اب کون ہے؟ جو روک دے باطل کی چالبازی
عبدالستار نیازیؒ ، عبدالستار نیازیؒ
(محمد اعظم حنفی ۔ نارووال)

☆☆☆

معافی دار پہ مانگی نہ ہرگز مرد مومن تو ہے
اجازت غیرتِ دیں نے نہ دی جس کو وہاں تو ہے
نگاہیں موت سے ہنس کر ملانے کا تو عادی ہے
کئی مشکل تریں جس کے ہوئے ہیں امتحاں تو ہے
(ماسٹر غلام حیدر، پپلاں ضلع میانوالی)

☆☆☆

چوما ہے اس نے دار کو، مقتل نورد ہے
اس عہدِ بے شرف میں شرف کیش مرد ہے
(پروفیسر محمد اشفاق چغتائی، اسلام آباد)

☆☆☆

دار پہ جس نے حق ہی کہا ہے
ہے وہ جری انسان نیازی
(محمد صادق قصوری)

☆☆☆

﴿وہ سبقت لے گیا سب پر مجاہد تھا وہ ملّت کا﴾

(صاحبزادہ پیر فیض الامین فاروقی سیالوی ایم اے مونیاں ٹھیکریاں ضلع گجرات)

۲۶۔جون ۲۰۰۷ء

محبی و مخلصی صادق قصوری صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ! بعد از شوق ملاقات۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کلی عطا فرمائے اور آپ کو بمعہ اہل وعیال خیر و عافیت سے اور اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

چند دن قبل آپ کا فون موصول ہوا تو اسی وقت یہ منقبت لکھنے کا ارادہ کیا، کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گیا اور جو ذہن میں آیا، لکھتا گیا۔ (اس نظم کی بنیاد اعلیٰ حضرتؒ کی کہی ہوئی ایک نعت کے پہلے مصرع پر ہے۔)

رات کو آنکھ لگی تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ حضرت مجاہد ملتؒ اپنے مخصوص لباس اور مخصوص انداز میں ایک مجمع سے خطاب کرتے نظر آئے۔ مجھ پر نظر پڑی تو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور سٹیج پر اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ بس چند ہی سیکنڈ میں یہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیں بھی نوازے، گلشن شاداب رہے اور سرمدی نور آپ پر فروزاں رکھے۔ آمین

والسلام
المخلص
صاحبزادہ فیض الامین فاروقی سیالوی
مونیاں شریف ضلع گجرات

053-3028245-P.T.C.L
0301-6207716

محمدؐ مظہر کامل ہیں حق کی شان و قدرت کا
انہیں کو تاج پہنایا گیا ''ختم نبوت'' کا

نہ آئے گا نبی کوئی دنیا میں اب ہرگز
یہی ہے حکم ربانی یہی منشا ہے فطرت کا

کرے دعویٰ نبوت کا جو بعد ان کے زمانے میں
وہ ہے ملعون اور کذاب پتلا ہے نجاست کا

کہیں جب بھی کسی بدبخت نے ایسا کیا دعوی
جواب اُس کو ملا منہ توڑ اس کی اس خباثت کا

یہی تھا ہند میں بھی دعوی مرزا قادیانی کا
وہ اک خود کاشتہ پودا تھا انگریزی حکومت کا

لگائی نقب اس نے عظمت و شان پیغمبرؐ میں
مقابل اس کے صف آرا ہوا ہر فرد اُمّت کا

اگر چہ ہاتھ پیچھے اُن کے تھا حکام بالا کا
اٹھانا پھر بھی اُن کو ہی پڑا تھا بار ذلّت کا

اٹھایا سر جہاں میں جب بھی اس کے پیروکاروں نے
کچل کر رکھ دیا سر اہل حق نے اس جسارت کا

ہے شامل خاں نیازیؒ بھی انہیں اہل عزیمت میں
ودیعت ذات حق سے تھا اسے جذبہ حرّیت کا

بلا خوف وخطر ٹکر لی ہر بے دین سے اُس نے
چھڑایا چھکا ہر میدان میں انکی ضلالت کا

رہے خائف ہمیشہ اُس سے اہل کفر و بدعت سب
یگانا اور یکتا شیر تھا وہ اہلسنت کا

مکرّم تھا معظّم تھا مفکّر تھا مدبّر تھا
رسولؐ پاک پر شیدا وہ گوہر تھا صداقت کا

گزاری اس نے ساری زندگی جہد مسلسل میں
رہا وہ بن کے داعی دہر میں دین وشریعت کا

لگا دی جان کی بازی بھی ناموس رسالت پر
وہ سبقت لے گیا سب پر مجاہد تھا وہ ملّت کا

زمانے کو سدا خدمات اُس کی یاد آئیں گی
جہاں میں گونجے گا دائم ترانہ اس کی عظمت کا

رہے فیضِ الٰہ میں مرقد ہمیشہ اُس کی نُورانی
وہ پائے حشر میں اعزاز حضرتؐ کی شفاعت کا

☆☆☆

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف	جائے طباعت	سنِ طباعت
۱	القرآن الحکیم			
۲	انسائیکلو پیڈیا تحریک پاکستان	اسد سلیم شیخ	لاہور	۱۹۹۹ء
۳	اسلامی کالو کیم کے بارے میں ''مجلس تحفظ اسلام کا موقف''	مولانا عبدالستار خان نیازی	لاہور	۱۹۵۷ءء
۴	ایمان پرور یادیں	مولانا اللہ وسایا دیوبندی	ملتان	۱۹۸۶ء
۵	''انوار رضا'' مجلّہ (مولانا نیازی نمبر)	ملک محبوب الرسول قادری	جوہر آباد	۲۰۰۱ء
۶	''الہام'' ہفت روزہ (مجاہد ملت ایڈیشن)	سیّد شہاب دہلوی	بہاولپور	۲۸۔مئی ۱۹۸۷ء
۷	''الہام'' ہفت روزہ (ختم نبوت نمبر)	سیّد شہاب دہلوی	بہاولپور	۱۴/نومبر ۱۹۷۴ء
۸	''افق'' ہفت روزہ	ظہور الحسن بھوپالی	کراچی	۲۸/نومبر ۱۹۷۸ء
۹	تحریکِ ختم نبوّت ۱۹۵۳ء	مولانا اللہ وسایا دیوبندی	ملتان	۱۹۹۱ء
۱۰	تحریکِ ختم نبوّت ۱۹۷۴ء	مولانا اللہ وسایا دیوبندی	ملتان	۱۹۹۳ء
۱۱	تحریکِ ختم نبوّت	محمد طاہر رزاق	ملتان	سن ندارد
۱۲	تحریکِ ختم نبوّت ۱۹۵۳ء	مولانا محمد عبدالستار خان نیازی	لاہور	۱۹۵۷ء

۱۳	تحریکِ ختم نبوّت	شورش کاشمیری	لاہور	۱۹۷۶ء
۱۴	تذکرہ مجاہدینِ ختم نبوّت	مولانا اللہ وسایا دیوبندی	ملتان	۱۹۹۰ء
۱۵	جامع اُردو انسائیکلو پیڈیا جلد دوم	شیخ غلام علی اینڈ سنز	لاہور	۱۹۸۸ء
۱۶	چہرے مُہرے	رفیق ڈوگر	لاہور	۱۹۹۱ء
۱۷	خیابانِ مجاہدِ ملّت	محمد صادق قصوری	بُرج کلاں	۲۰۰۵ء
۱۸	خطباتِ امیر شریعت حصہ اول	مجاہد الحسینی	فیصل آباد	۱۹۸۴ء
۱۹	رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء	جسٹس محمد منیر	لاہور	۱۹۵۴ء
۲۰	عقیدۂ ختم نبوّت اور فتنۂ قادیانیت	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	لاہور	۱۹۹۹ء
۲۱	علماءِ حق اور ردِّ فتنۂ مرزائیت	صادق علی زاہد	لاہور	۲۰۰۱ء
۲۲	گُل دستہ	ڈاکٹر محمد یونس بٹ	لاہور	۱۹۹۳ء
۲۳	فیروز سنز انسائیکلو پیڈیا	فیروز سنز	لاہور	۱۹۸۷ء
۲۴	قادیانیت کیخلاف قلمی جہاد کی سرگزشت	مولانا اللہ وسایا دیوبندی	ملتان	۱۹۹۰ء
۲۵	کاروانِ شوق	حکیم آفتاب احمد قرشی	لاہور	۱۹۸۴ء
۲۶	میں، مولانا عبدالستار خان نیازی	اشرف تنویر	لاہور	۱۹۹۱ء
۲۷	مجاہدِ ملّت اور تحریک ختم نبوّت	محمد صادق قصوری	برج کلاں	۲۰۰۴ء

۲۸	مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خان نیازی	محمد صادق قصوری	لاہور	۲۰۰۲ء
۲۹	ہاں! میں باغی ہوں	مخدوم جاوید ہاشمی	لاہور	۲۰۰۵ء
۳۰	نگارشاتِ مجاہد ملّت	محمد صادق قصوری	لاہور	۱۹۹۷ء
۳۱	نذرِ مجاہد ملّت	محمد صادق قصوری	لاہور	۲۰۰۴ء
۳۲	ہفت روزہ ''لولاک''، مولانا تاج محمود نمبر	صاحبزادہ طارق محمود	فیصل آباد	۸/مئی ۱۹۸۷ء
۳۳	ماہنامہ ''ضیائے حرم''	پیر محمد کرم شاہ	لاہور	جولائی ۱۹۷۲ء اپریل، دسمبر ۱۹۷۴ء
۳۴	ماہنامہ ''ترجمانِ اہلسنّت''	احمد میاں برکاتی	کراچی	اگست ستمبر ۱۹۷۲ء
۳۵	روزنامہ ''نوائے وقت''	مجید نظامی	لاہور	۲۵/اکتوبر ۱۹۹۱ء۔ ۹/ دسمبر ۱۹۹۹ء ۔۱۵/ مارچ ۲۰۰۶ء

قطعۂ تاریخ اشاعت

میاں صادق قصوری صاحبِ اسرارِ عرفانی
ہے حاصل مُلکِ قرطاس وقلم پر اُس کو سُلطانی

خلوص ومہر کا پیکر محبِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کسی شک وشبہ سے بالا تر اُس کی مسلمانی

نقوش اُس نے اجاگر ہیں کئے تاریخِ ملّت کے
ہر اک تصنیف اُس کی ہے ادب کا درِّ نورانی

حیاتِ نوادب نے اس کے علم وفن سے پائی ہے
ہے بخشی اس نے فکرِ وجستجو کو ایک تابانی

نہیں محدود شہرت اُس کی پاکستان کی حد تک
ہیں خوشہ چیں اُس کے ہندی وایرانی، افغانی

ملی ہیں خوبیاں اُس کو کئی فیاضِ قدرت سے
رہے اس پر ہمیشہ سایہ افگن فضلِ ربانی

نہیں اُس نے کبھی اہلِ دول کی کاسہ لیسی کی
قناعت اور توکل سے ہے روشن اس کی پیشانی

کتاب اس نے مرتب خوب کی ہے یہ نئی عمدہ
کیا کوزے میں بند تاریخ کا اِک بابِ لافانی

مرقع خان نیازیؒ کی ہے خدماتِ جلیلہ کا
شریعت اور سیاست میں نہ تھا جس کا کوئی ثانی

نمایاں یوں تو ہر شعبے میں ہی خدمات ہیں اس کی
مگر ختمِ نبوّت میں ہے اُس کا جُہد فرقانی

نہ کی ناموسِ پیغمبر ﷺ کی خاطر جان کی پرواہ
وہ تھا لاریب عشقِ احمدِ مختار ﷺ میں فانی

وہ تھا یکتا مجاہد اور مفکر اہلِ سنّت کا
زعیمِ ملّتِ اسلام تھا وہ شیرِ یزدانی

سراہیں گے یقیناً اہلِ حق اِس کارنامہ کو
ہر اک پائے گا اِس سے لذّت وتسکینِ روحانی

اگر سالِ اشاعت چاہئیے فیضؔ الامیں اس کا
کہو تم ''ہے مفیدِ خلق یہ تالیفِ لاثانی''

۲۰۰۷ء

(نتیجہ فکر: صاحبزادہ پیر فیض الامین فاروقی ایم اے مونیاں شریف ضلع گجرات)

قطعۂ تاریخِ طباعت

''شہادتِ صادقِ مجاہدِ ملّت''

______ ۱۴۲۸ھ ______

صداقتِ تحقیقِ میاں محمد صادق قصوری''

______ ۲۰۰۷ء ______

کارنامۂ قصوری مرحبا　　تذکرہ لکھا ہے نوری واہ وا

عارفِ مہجور کہہ سالِ طبع　　''شارحِ ختمِ نبوّت'' برملا

۲۰۰۷ء

/☆☆/

☆از اثر خامہ☆

سیّد عارف محمود مہجور رضوی

گجرات

/☆☆/

اظہارِ تشکّر

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے لئے مندرجہ ذیل حضرات گرامی نے مالی تعاون فرمایا۔ اللہ کریم جلّ شانہٗ اِن سب کرم فرماؤں کو جزائے خیر سے نوازے اور دین ودنیا اور آخرت میں کامیابی وکامرانی سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ (قصوری)

☆ جناب محترم نوابزادہ محمد علی خاں ہوتی، مردان

☆ جناب محترم ڈاکٹر خالد سعید شیخ، سیالکوٹ

☆ جناب محترم محمد ممتاز خان نیازی، میانوالی

☆ جناب محترم سیف الحق ضیائی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ، لاہور

☆ جناب محترم خالد جاوید خان نیازی، فیصل آباد

☆ جناب محترم رانا محمد صادق ادیب، اٹک

☆ جناب محترم محمد یونس نوشاہی، حافظ آباد

☆ جناب محترم جاوید افتخار، بستی بھیڈیاں (قصور)

☆ جناب محترم قاضی اکرام الدین، مردان

☆ جناب محترم حاجی محمد اسلم خاں روکھڑی، میانوالی

☆ جناب محترم حاجی تاج خاں نیازی، موچھ ضلع میانوالی

☆ جناب محترم ڈاکٹر جاوید ارشد، لیاقت پور (رحیم یار خاں)

☆ جناب محترم جان محمد پنجاب پولیس بُرج کلاں (قصور)

☆ جناب محترم حاجی محمد شفیع تمباکو والے، میانوالی

☆ جناب محترم مولانا محمد یونس بھٹی، کالاباغ (میانوالی)

☆ جناب محترم محمد اکرم رضوی، وہاڑی

☆ جناب محترم ملک نذر محمد مدثر فرنیچر ہاؤس میانوالی

☆ جناب محترم صاحبزادہ بشیر احمد، ٹبہ شریف (میانوالی)

☆ جناب محترم رضوان اختر، اچھرہ، لاہور

☆ جناب محترم محمد سلیم چوہدری، ٹاؤن شپ لاہور

☆ جناب محترم قبلہ شیخ دوست محمد صاحب، لاہور

☆ جناب محترم پیر محمد امین الحسنات شاہ، بھیرہ شریف (سرگودھا)

☆ جناب محترم کریم نواز جسکانی، ڈیرہ غازی خاں

☆ جناب محترم محمد رفیق حسنی، سکندر آباد (ملتان)

☆ جناب محترم سعید اختر خاں نیازی، میانوالی

☆ جناب محترم مہر محمد عالم ٹھیکیدار، شاہ عنایت کالونی قصور

☆ جناب محترم میاں محمد محبوب الٰہی انجینئر، لاہور

☆ جناب محترم آزاد بن حیدر ایڈووکیٹ، کراچی

☆ جناب محترم سردار سلطان سکندر، جھنگ ضلع اٹک

☆ جناب محترم غلام نبی اکاڑوی، کوٹری (سندھ)

☆ جناب محترم سید محمد افضل شاہ گیلانی، فیصل آباد

☆ جناب محترم عبدالسبحان انصاری، فیصل آباد

☆ جناب محترم ڈاکٹر عابد کپور تھلوی، شاہ کوٹ ضلع ننکانہ

★ جناب محترم میاں غلام ربانی حمزہ، قصور

★ جناب محترم فاروق احمد خان یوسف زئی، کراچی

اپیل

جملہ برادران اسلام سے اپیل ہے کہ اگر آپ کے پاس ضیغمِ اسلام بطلِ حریت مجاہدِ ملت حضرت مولانا **محمد عبدالستار خان نیازی** رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر، خط، حوالہ، رقعہ، یاداشت، اخباری مضمون یا تراشہ، کتاب، آٹوگراف، تاثرات ومشاہدات یا خطبات کی آڈیو/ ویڈیو کیسٹ ہو تو براہِ کرم ہمیں ارسال فرمائیں تاکہ ہم ان چیزوں کو کتابی شکل دے کر حضرت مجاہدِ ملت قدس سرّہ العزیز کے نظریات وافکار کو پھیلا سکیں۔

نیز ہمارے ساتھ ''مالی تعاون'' بھی فرمائیں تاکہ عشق ومحبت کا یہ بابرکت سلسلہ جاری وساری رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین ودنیا میں سرفراز فرمائے اور سعادتِ دارین سے نوازے۔

دُعاگو!
محمد صادق قصوری
بانی وصدر

مجاہدِ ملت فاؤنڈیشن پاکستان
بُرج کلاں ضلع قصور
پوسٹ کوڈ: 55051

مقدمہ

(پروفیسر محمد الیاس اعظمی قصوری منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور)

قادیانیت، اسلام کے متوازی ایک ایسی سیاسی تحریک ہے جس نے مذہبی لبادہ اوڑھ کر اور اپنے مخصوص نظریات کو مذہب کا نام دے کر انسانی معاشرے کے اندر ایک ایسا مذہبی خلفشار پیدا کیا ہے کہ اُس کے گلشنِ ایمان کی بہاروں کو چھین کر خرمنِ امن کو خاکستر کر دیا ہے۔ انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ قادیانیت کا اگر مختصر تعارف کرانا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اپنے کافرانہ اور باطل عقائد و نظریات کے پیرہن میں ملبوس اسلام دشمن سامراجی طاقتوں کا لے پالک ہے۔ مغربی سامراج اور یورپین اقوام کے ساختہ پرداختہ اس سیاسی مذہب کا واحد مقصد اسلام دشمن طاقتوں کی سرپرستی اور وسائل کے ذریعہ سے اسلام کی بنیادوں کو منہدم کر کے دُنیا سے مسلمانوں کا خاتمہ کرنا ہے تاکہ دنیا میں عملاً باطل کا مذہبی نظام قائم ہو جائے۔

لیکن قادیانیت اور اُس کے سرپرست شاید اس حقیقت سے آگاہ نہیں تھے یا انہوں نے جان بوجھ کر اس کو پسِ نظر کر دیا کہ ملّتِ اسلامیہ کی صدیوں پر محیط تاریخ اس پر گواہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مختلف فتنے پیدا ہوئے، شورشیں ہوئیں، دُنیا کے مختلف برّ اعظموں پر اسلامی اقتدار کا پھریرا صدیوں تک لہراتا رہا، انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر حوالے سے عُروج مسلمانوں کی قدم بوسی کرتا رہا، پھر آپس کے اختلافات، اغیار کے پیدا کردہ فتنوں، تخت نشینی کی جنگوں کے نتیجہ میں زوال و پستی میں بھی گرے، مسلمانوں کو اقتدار سے محروم بھی کیا گیا، اُن کا نظامِ تعلیم چھین لیا گیا، نظام عدلیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، مسلمانوں کے علمی خزانوں کو لُوٹ کر مغرب کی تاریکی کو نورِ علم سے روشن کر دیا گیا، جو علمی موتی مغرب کی لائبریوں میں نہ لے جا سکے، اُن کو نذرِ آتش یا پھر دریاؤں اور سمندروں کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا۔ غرض یہ کہ مُسلم اُمّہ نے اپنی قومی و ملّی، دینی و مذہبی، سیاسی و سماجی اور تہذیبی و تمدنی زندگی میں ہزاروں نشیب و فراز دیکھے۔ عروج و زوال کی اس داستانِ ہوشربا میں مسلمانوں نے بہت کچھ کھویا ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود اُن کے پہلو میں تڑپنے والے دل میں اپنے رسول حضور سیّد عالم



تحریک تحفظ ختم نبوت 1953ء کے دوران

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی

کی قصور سے گرفتاری



تحریک تحفظ ختم نبوت 1953ء کے

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ

کی قصور سے گرفتاری